حسب ضابطہ رجسٹری شدہ ہے

جلد سوم

تہذیب الاخلاق

RARE BOOK
NOT TO BE ISSUED
CHECKED
1995

عالیجناب نواب اعظم یار جنگ مولوی محمد چراغ علی خاں صاحب

مرحوم و مغفور

فنانشل سیکرٹری ریاست حیدرآباد دکن

تمام مضامین از ابتدائے سنہ ۱۲۸۷ھ لغایت سنہ ۱۲۹۳ھ مندرجہ تہذیب الاخلاق مع دیباچہ

مرتبہ

ملک فضل الدین ملک چنن الدین ملک تاج الدین ککے زئی تاجران کتب قومی

منزل نقشبندیہ

کوچہ ککے زئیاں — بازار کشمیری

لاہور

نولکشور پریس لاہور میں منیجر کے اہتمام سے

چھپی

تصنیفات آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خان علیہ الرحمۃ والغفران

تفسیر القرآن جلد اوّل

اس جلد میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقر کی تفسیر ہے۔ اس میں ذیل کے مضامین نہایت محققانہ طریقہ سے لکھے گئے ہیں۔ دعا اور اس کے مقبول ہونے کی حقیقت، حروف مقطعات کی تحقیق، مسئلہ جبر و اختیار، وحی و الہام کی حقیقت، اعجاز القرآن، جنت اور دوزخ کی حقیقت، ملائکہ کی حقیقت، شیطان، قصہ آدم، قصہ ..... معجزہ دلیل نبوت ہے یا ..... میکائیل کی حقیقت، ناسخ و منسوخ کی بحث، سمت قبلہ کی حقیقت، مذہبی احکام کی قسمیں، قصاص پر بحث، مسئلہ ..... جہاد کی حقیقت، حج کی حقیقت، مسئلہ ربا کی تحقیق ۔ قیمت ۔۔۔ عہ

تفسیر القرآن جلد دوم

اس جلد میں سورۂ آل عمران، سورۂ نسا، سورۂ مائدہ کی تفسیر ہے اور اس میں ذیل کے مضامین پر بحث کی گئی ہے۔ آیات محکمات و متشابہات پر بحث، کفار کی دوستی کا مسئلہ، حضرت مریم کی نسبت بعض بحثیں، حضرت عیسیٰ کے بن باپ پیدا ہونے اور صلیب دیے جانے اور زندہ ہو کر آسمان پر جانے کی تحقیق، بدر کی لڑائی میں فرشتوں کے آنے کی حقیقت، بدر اور احد کی لڑائی میں ..... نازل ہونے کی تحقیق، سوختنی قربانی پر بحث، قابیل اور ہابیل کی قربانی، چور کے ہاتھ کاٹنے کے مسئلہ کی تحقیق، غیر مسلم کا کس شریعت سے فیصلہ کیا جائے، حضرت عیسیٰ کے معجزات پر تفصیلی اور محققانہ بحث ہے۔ قیمت ۱

تفسیر القرآن جلد سوم

اس جلد میں سورۂ انعام اور سورۂ اعراف کی تفسیر ہے اور اسمیں ذیل کے مضامین نہایت تحقیق سے لکھے ہیں۔ آنحضرت کے پاس معجزہ نہ ہونے پر بحث، معجزہ کی حقیقت، انبیا پر ایمان لانے یا نہ لانے کی اصلی سبب، ملائکہ حفظہ و کراماً کاتبین کی تحقیق، لفظ کن فیکون کی تحقیق، نفخ صور کی حقیقت، حضرت ابراہیم نے ستاروں کو کیونکر رب کہا، نبوت امر فطری ہے، جنات کے وجود اور ان میں انبیا کے پیدا ہونے پر بحث، میزان اور وزن اعمال کی تحقیق، روح اور معاد یعنی قیامت پر مفصل اور محققانہ بحث، چھ دن میں دنیا کے پیدا ہونے کی تحقیق، استوا علی العرش کے معنوں کی تحقیق، قوم عاد کے حالات کی تحقیق، آفات ارضی و سماوی انسان کے گناہوں سے منسوب کیے جانے کا سبب، قوم ثمود کے حالات کی تحقیق، قصہ حضرت شعیب، قصہ حضرت موسیٰ، سحر اور معجزہ پر بحث، حضرت موسیٰ کے حالات و معجزات پر تفصیلی اور محققانہ بحث، توریت اور انجیل میں آنحضرت کی نسبت بشارات کے ہونے پر بحث۔ قیمت عہ

تفسیر القرآن جلد چہارم

اس جلد میں سورۂ انفال، سورۂ توبہ، سورۂ یونس کی تفسیر ہے۔ اسمیں آنحضرت کے ایک ایک غزوہ و سریہ پر مفصل بحث کی گئی ہے اور یہ بات نہایت مدلل طریقہ سے ثابت کی گئی ہے کہ یہ غزوے اور سریے خونریزی و قتل و غارت کے لئے نہیں تھے جیسا کہ مخالفان مذہب اسلام کہتے ہیں بلکہ بطور ..... قیمت عہ

تفسیر القرآن جلد پنجم

اس جلد میں سورۂ ہود، سورۂ یوسف، سورۂ رعد، سورۂ ابراہیم، سورۂ حجر، سورۂ نحل کی تفسیر ہے۔ اس میں ذیل کی بحثیں نہایت تحقیق سے لکھی گئی ہیں۔ طوفان نوح پر بحث، قصہ حضرت ابراہیم، قصہ حضرت لوط، خواب کی حقیقت اور حضرت یوسف اور بادشاہ مصر اور دو قیدیوں کی خوابوں کی تحقیق، حضرت یوسف اور زلیخا کے درمیان جو واقعات گذرے ان کی تحقیق، حضرت یعقوب کے نابینا اور بینا ہونے پر بحث، آسمانی برجوں کی حقیقت، آسمان کی شیاطین سے محفوظ رکھنے پر بحث، شیاطین سے کیا مراد ہے، رجم شیاطین اور شہاب ثاقب کی تفسیر، جنوں کے آگ سے پیدا ہونے پر بحث، پہاڑوں سے زمین کے تھمنے پر بحث۔ قیمت عہ

تفسیر القرآن جلد ششم

اس جلد میں سورۂ بنی اسرائیل کی تفسیر ہے۔ اسمیں معراج کے قصے پر نہایت تفصیل اور استیعاب سے بحث کی گئی ہے۔ قیمت ۔۔۔ عہ

دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تہذیب الاخلاق کی اشاعت کی ضرورت

جن لوگوں نے خواجہ نصیر الدین طوسی کی کتاب اخلاق ناصری پڑھی ہے وہ اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ تہذیب الاخلاق کیا کتاب ہے اور حکمائے کرام وعلمائے عظام کی مجلس میں وہ کس عزت اور عظمت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ لیکن جن لوگوں کو اخلاق ناصری کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا ہم اُن کو بتائے دیتے ہیں۔ کہ آج سے قریباً نوسو برس پیشتر ترکستان کے شہرِ رَے میں جو ایک حکیم فاضل اور اُستاد کامل ابو علی مِسکویہ خازن رازی گزرا ہے یہ اُس کی تصنیف ہے۔ اس کتاب نے مضامین کی عمدگی۔ بیان کی خوبی۔ زبان کی اسلوبی کی وجہ سے ایسا حُسنِ قبول حاصل کیا تھا کہ خواجہ نصیر جیسے شخص نے جو اپنے زمانہ کا ایک نامور عالم اور مشہور فاضل تھا۔ جب قہستان کے حاکم امیر ناصر الدین عبد الرحیم کی پاس خاطر کتاب اخلاق ناصری مرتّب کی تو فن اخلاق کے متعلق صرف اسی کتاب کے ترجمہ پر اکتفا کیا۔ اور کسی جدید کتاب کے تصنیف کرنیکی ضرورت نہ سمجھی ✤

جس زمانہ میں یہ کتاب تصنیف ہوئی اسلامی سلطنت کا آفتاب ترقی کے نصف النہار پر چمک رہا تھا۔ گھر گھر علم وفضل کا چرچا تھا۔ رعایا اُس کو ترقی مدارج کا ذریعہ سمجھتی تھی۔ حُکّام اپنی سلطنت کی زیب وزینت کا باعث تصور کرتے تھے۔ اَور تو اَور۔ صرف ابو علی سینا اور ابو ریحان بیرونی اس حکیم کے ہمعصروں میں دو ایسے باکمال ہو گزرے ہیں جن کا نام ایشیا اور افریقہ کی

اسلامی قوموں میں عموماً اور یورپ کے تہذیب یافتہ ملکوں میں خصوصاً نہایت عزت اور توقیر کے ساتھ لیا جاتا ہے - یہ وہ زمانہ تھا کہ فاتح اور مفتوح قوم کی زبان - تمدن - معاشرت - علوم و فنون - حرفت و صنعت میں کسی قسم کی مغائرت نہ تھی - اس واسطے حکیم مذکور نے اس امر کو کافی سمجھا کہ وہ اپنی کتاب میں صرف نفس ناطقہ کی صفات سے بحث [illegible] اُس کے فضائل و رذائل کے بیان سے اُس کو مکمل کرے - لیکن اگر ابو علی ہمارے زمانہ میں ہوتا اور دیکھ [illegible] مفتوح قوم کی زبان میں اختلاف - دونوں قوموں کے تمدن اور معاشرت کا طریق جدا - ایک قوم کے علوم و فنون دوسری قوم کے علوم و فنون کے مقابلہ میں مثل تقویم پارینہ - حرفت اور صنعت کا یہ حال کہ تکلفات کی چیزیں تو بجائے خود رہیں - چاقو - قینچی بلکہ سوئی دھاگہ تک جو ہمارے روزمرہ کے استعمال کی چیزیں ہیں ہم اُس میں غیر قوموں کے محتاج - تو کیا ان حالات پر یہ ممکن تھا - کہ علاوہ مضامین مذکورہ بالا کے ایسے مضامین درج نہ کرتا جو قوم کو تاریکی جہالت کے تنگ گڑھے سے نکلنے اور ترقی کے نورانی میدان میں قدم رکھنے کا ذریعہ ہوتے +

خدا کا شکر ہے کہ جب ایسی کتاب کی ضرورت پیش آئی تو اُس نے اپنے فضل و کرم سے ہمارے زمانہ کے مناسب حال ایک اور ابو علی کو پیدا کر دیا جو رسائی عقل اور صفائی ذہن کے باعث قوم کی ضروریات سے - زمانہ کی رفتار سے - ترقی کے موانعات اور اُس کے اصلاح کی تجاویز سے ایسا ہی آگاہ ہے جو ایک مصلح قوم اور بہی خواہ ملک کو ہونا چاہیئے - وہ کون ؟

آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں بہادر کے - سی - ایس - آئی - ایل ایل ڈی - اس مرد خدا نے جب سے دنیاوی زندگانی میں قدم رکھا اور قوم کی موجودہ حالت کو دیکھکر معلوم کیا کہ یہی قوم ہے کہ ایک زمانہ میں علم و فضل - حرفت و صنعت - تجارت و حکمرانی میں ترقی کے اعلےٰ درجہ پر پہنچی ہوئی تھی - یا اب وہی قوم ہے کہ ترقیات کو اُس سے ایسی مغائرت ہے جو ایمان کو کفر سے - یا نور کو ظلمت سے - یا آبادی کو ویرانہ سے - تو ان حالات سے اُس کا جی بھر آیا - اور ہمہ تن اُس کی حل مشکلات میں مصروف ہو گیا - اور جو کچھ ہو سکتا تھا برسوں اُس پر سوچا کیا - دل اور دماغ سے - قلم اور زبان سے - مال اور جان سے جو مدد مل سکتی تھی وہ ساری اُس پر صرف کر دی - اور آخر کو ایک سوسائٹی قائم کی - اخبار جاری کیا - علمی کتابوں کے ترجمے کرا کر شائع کئے - مگر جب تھوڑے عرصہ کے تجربہ سے اُس کو معلوم ہو گیا - کہ یہ تدبیریں موجودہ حالات کے لحاظ سے غیر تسلی بخش اور ناکافی ہیں تو فاتح قوم کے عروج اور اقبالمندی کا زندہ نمونہ دیکھنے کے واسطے لندن تک کا سفر اختیار کیا - اُس کے حالات کو نظر عبرت سے دیکھا - اُس کی ترقی کے اسباب کو جانچا - پھر ان سب اسباب کا موازنہ اپنی قوم کے حالات سے کیا -

وراس تمام ترسفر کا نتیجہ یہ نکالا۔ کہ "جو قوم دوسری قوم کے ماتحت رہکر ترقی کرنا چاہے
عزت اور آرام سے زندگی بسر کرنے کی خواہشمند ہو۔ غیر قوموں کے
سامنے اولوالعزمی کا پھریرا بلند کرنا اُس کے مدنظر ہو۔ اُس کو لازم
ہے کہ قوم کی زبان اور ان علوم کو سیکھے جو دنیا میں مفید اور
بکار آمد ہوں۔ اور ایک قومی دارالعلوم قائم کرے جو اس ضرورت
کے انصرام کا کفیل ہو" +

اَب اِس بزرگوار نے ہندوستان میں واپس آکر چاہا کہ جو تجارت عظیمہ اس لمبے چوڑے
دڑے سفر میں حاصل کئے ہیں قوم کو اُن سے آگاہ کرے۔ مگر قوم کو دیکھا کہ قومی سلطنت کا
مایہ اُٹھ جانے سے۔ علوم و فنون کی تحصیل چھوڑ بیٹھنے سے اُس پر ادبار چھا گیا ہے۔ خواب
غفلت میں پڑی اینڈ رہی ہے۔ نہ سرسری پکار سے اُس کی آنکھ کھلتی ہے۔ اور نہ معمولی جھنجوڑ
سے کروٹ بدلتی ہے۔ تب ایک شیریں کلام۔ بلند آواز۔ اَن تھک طبیعت کو اُس پر متعین
ا۔ اس کی سیریلی آواز میں وہ غضب کی طاقت تھی۔ کہ جس دل میں گئی جادو کی طرح اثر کرگئی
ں گھر میں پہنچی مقناطیس کا کام کر دکھایا۔ سوتوں کو جگا دیا۔ مستوں کو ہوشیار کر دیا۔
ردہ تنوں میں رُوح پھونک دی۔ زندہ دلوں کو روح القدس کا اثر عطا کیا۔ وہ شیریں کلام
ن تھا ؟ **مقدّس تہذیب الاخلاق** جس کی اشاعت کا انتظام درپیش ہے +

!! یہ وہی تہذیب الاخلاق ہے :۔

جس نے مسلمانوں کی حسنِ معاشرت کا بیڑا اُٹھایا +

جس نے اسلامیوں کے اصلاحِ تمدّن کا بارِ گراں اپنے ذمہ لیا +

جس نے پاک مذہب سے رسم ورواج کے اوہام باطلہ کو دور کر دیا +

جس نے دنیا کو بتا دیا۔ کہ سچا اسلام ہر قسم کی دینی و دنیاوی ترقیات کرنے کو بہمہ وجوہ
وہ ہے +

جس نے غیر مذہب والوں پر ثابت کر دیا۔ کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو انسانی فطرت
کے مطابق ہے +

جس نے عام وخاص پر ظاہر کر دیا۔ کہ مصلحان بنی آدم میں سے جس کی شریعت دنیا
زندگی کے ساتھ وابستہ ہے۔ وہ نبی عرب **محمد** صلعم کی ذات بابرکات ہے +

ہاں کتاب تو ایسی ہی ہے مگر اب کہاں۔ کچھ تو پہلے ہی گنتی کے نسخے چھپا کرتے تھے
اَب بیس برس کی مدت نے اُس کو اَور ناپید کر دیا۔ اگر کہیں اتفاقیہ بکتی ہوئی مل بھی جائے

تو پھر عام کو اُس کی خریداری اور نفیس طبائع کو اس کی گرانباری - متعذر - غریب
کہاں سے لائے - اور امیر آدمی اُس کی سات جلدوں کی ورق گردانی کا کس طرح
پس سہولت اس کی مقتضی ہوئی ہے - کہ کل اولڈ ایڈیشن (عہد عتیق) چار حصوں
کیا جائے - اور ہر حصہ کی قیمت دو روپے قرار پاوے - ترتیب مضامین کے لحاظ سے
حصص یوں ہے :-

پہلے حصہ میں نواب محسن الملک محسن الدولہ مولوی سید مہدی علی خاں صاحب بہادر
نواز جنگ کے مضامین - قیمت دو روپیہ (عہ) +

دوسرے حصہ میں عالی جناب آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں صاحب بہادر کے سی
ایس - آئی کے کل مضامین - قیمت تین روپے (سے) +

تیسرے حصہ میں نواب اعظم یار جنگ مولوی محمد چراغ علی خاں صاحب بہادر مرحوم
کے مضامین - قیمت (عہ) +

چوتھے حصہ میں نواب انتصار جنگ مولوی مشتاق حسین - مولوی الطاف حسین
حالی شمس العلماء مولوی ذکاءاللہ - مولوی مہدی حسن - سید محمود وغیرہ صاحبان کے
مضامین - قیمت (عہ) +

خادم قوم

خاکسار ملک فضل الدین ککے زئی - نقشبندیہ منزل

تاجر کتب قومی و مالک اخبار اشاعت

کوچہ ککے زئیاں بازار کشمیری

لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

احسانِ عام

فبما رحمۃٍ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولک

ا۔ اپنے ہمجنسوں سے شفقت اور نرمی برتنی تمامی بنی نوع سے خیراندیشی کرنی۔ اُن کا بھلا چاہنا بلکہ اپنی منفعت پر غیر کی منفعت کو مقدم رکھنا۔ اپنے دشمنوں۔ مخالفوں اور بدخواہوں سے احسان و مروّت اور عموماً دوستی کرنا بلکہ اپنے مخالفوں کی خطاؤں سے درگذر کرنا۔ اپنے دشمنوں کی بدخواہیوں کو معاف کرنا اُن کی عداوت اور رنج دہی پر صبر کرنا اور بُرائی کے عوض ہمیشہ بھلائی کرنا۔ یہ عمدہ اور افضل محاسن اخلاق ہیں جو ہمارے اسلام اور قرآن نے ہم کو سکھلائے ہیں۔ ہرچند کہ حکمائے سابقین کئی زمانوں کے تجربہ اور عرصۂ دراز کی فکر و غور سے ایسے محاسن اخلاق کے قریب قریب پہنچے تھے۔ اور نہ کوئی ایک ہی حکیم تھا جس نے یہ سب عمدہ مکارم اخلاق کی باتیں سکھلائی ہوں بلکہ مختلف اور متعدّد حکیموں اور فیلسوفوں نے بہت کچھ سرد و گرم زمانہ دیکھکر اُن میں سے بعض بعض باتیں محاسن اخلاق کی بیان کیں۔ اِلّا چونکہ انسانی خیالات تھے۔ جن کا ٹھیک ٹھیک ہر ملک و مزاج کی مختلف طبیعتوں کے اندازہ کے موافق ہونا اُن حکیموں کی عقل کی دوراندیشی سے باہر تھا اور خیالات انسانی افراط و تفریط سے بھی خالی نہ تھے۔ لہذا اُن پر وثوق کلی اور اعتماد قطعی بغیر وحی کے انکشاف کے ممکن نہ تھا۔ چنانچہ وہ وحی الٰہی جس کا انکشاف تمام عالم پر قرآن کے ذریعہ سے ہوا اس وحی کامل نے ان سب اخلاق حسنہ کو تمام و کمال ہر ایک زمانہ اور ملک کے مناسب حال اور اندازہ کے موافق ہم لوگوں پر ظاہر و منکشف کیا +

۲۔ اس بارہ میں جو احکام ہم کو قرآن شریف کے ذریعہ سے ملے ہیں وہ ایسی وضع اور صورت میں نہیں ہیں۔ کہ کسی خاص سورت یا رکوع میں بہ حیثیت مجموعی جمع کر کے رکھا ہو جو کہ تصنّع اور تکلف سے خالی نہ ہوتا اور جس سے کہ ایک طرح کے دکھلاوے کی ترکیب اور ظاہری

بندش پائی جاتی بلکہ تمام مصحف میں اِن پاک احکام اور عمدہ اخلاق کو ہر ایک قسم کے ذکر میں ایسی سچی مصلحت سے متفرق بیان کیا ہے کہ پڑھنے اور سُننے والوں کو ہر وقت اور ہر مضمون کے ساتھ اُن نیکیوں اور اخلاق کی تنبیہ اور یاددہانی ہوتی رہی اور اس وحی کے جس مقام کو بلا قصد اور بلا تعین پڑھا جاوے وہیں پر اُن میں سے کوئی نہ کوئی نصیحت ضرور پائی جاوے +

۴- ہم کو قرآن مجید یہ بات سکھلاتا ہے کہ ہم کو لازم ہے کہ بدی کے عوض میں نیکی کریں اور خدا کا یہ حکم محکم ہے کہ ہم اپنے دشمنوں سے برائی کے عوض میں بھلائی کریں +

(۱) ویدرؤن بالحسنۃ السیئۃ اولئک لھم عقبی الدار (رعد-۲۰) +

جو لوگ بُرائی کے عوض میں بھلائی کرتے ہیں اُنہی لوگوں کے لئے دار آخرت ہے +

(۲) اولئک یؤتون اجرھم مرتین بما صبروا- ویدرؤن بالحسنۃ السیئۃ (قصص-۵۴) +

اُن لوگوں کو دوہرا اجر ملیگا اس لئے کہ اُنھوں نے صبر کیا اور بھلائی کرتے ہیں بُرائی کے بدلے +

(۳) اِدفع بالتي ھی احسن (مومنون-۹۶) +

بُری بات کا جواب وہ کہہ جو کہ بہتر ہے +

یہ صاف سی بات ہے کہ قرآن مجید نے ہم کو محض حکماً یہ بات سکھلا دی یا ہم اُس کو بلا تصدیق محض ایمان کی راہ سے تسلیم کریں۔ نہیں بلکہ ایسی نیکی کرنے کی بدیہی دلیل اور صریح نتیجہ بھی بتلا دیا +

ولا تستوی الحسنۃ ولا السیئۃ ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم۔ وما یلقٰھا الا الذین صبروا وما یلقٰھا الا ذوحظ عظیم (حم سجدہ) +

برابر نہیں نیکی اور نہ بدی جواب میں تو کہہ اس سے بہتر پھر تو دیکھے کہ جس میں تجھ میں دشمنی تھی جیسے دوست دار ناتے والا اور یہ بات ملتی ہے اُنہیں کو جو صبر کرتے ہیں اور یہ بات ملتی ہے اُس کو جس کی بڑی قسمت ہے +

(۴) پھر قرآن ہم کو یہ بھی سکھلاتا ہے کہ بدلہ لینا گو معروف یا مقتضائے عدالت ہو اور ایسا کرنا سہل بھی ہے مگر اس کے کریمانہ اخلاق کا یہی حکم ہے کہ مخالفوں کی خطاؤں اور بُرائیوں کو معاف کرو اور عفواً درگذر کرو +

وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا فمن عفی واصلح فاجرہ علی اللہ (شوریٰ-۳۸) +

برائی کا بدلہ بُرائی ویسی ہے پھر جو کوئی معاف کرے اور سنوارے تو اُس کا ثواب ہے اللہ کے ذمہ +

وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ ولئن صبرتم لہو خیر للصابرین (نحل) +

اگر بدلہ لو تو بدلہ وو اُسی قدر جتنی تم کو تکلیف پہنچے اور اگر صبر کرو تو یہ بہتر ہے صبر کرنیوالوں کے لئے +

ولمن صبر وغفر ان ذلک من عزم الامور (شوریٰ) +

اور البتہ جس نے صبر کیا اور معاف کیا بیشک یہ ہمت کے کام ہیں +

فاعفوا واصفحوا حتی یاتی اللہ بامرہ (بقر) +

سو معاف کرو اور درگذر کرو جب تک بھیجے اللہ اپنا حکم +

فاعف عنہم واصفح ان اللہ یحب المحسنین (مائدہ) +

سو معاف کر اور درگزر کر اُن سے اللہ بیشک دوست رکھتا ہے نیکی والوں کو +

فاعف عنہم وقل سلام (زخرف) +

سو تو درگذر کر اُن کی طرف سے اور کہہ سلام +

ان آیاتِ محکمات میں قرآن نے کئی طرح پر ہم کو نصیحت کی کہ بُرائی کرنیوالوں کو معاف کرو بدلہ نہ لو بلکہ صبر کرو بخشدو درگذر کرو اور مخالفوں سے نیکی کرو اُن پر احسان رکھو +

(۵) اور اس سے زیادہ اَور بھی صاف صاف کہدیا ہے +

یاایہا الذین آمنوا ان من ازواجکم واولادکم عدو لکم فاحذروہم وان تعفوا وتصفحوا وتغفروا فان اللہ غفور رحیم (تغابن) +

اے ایمان والو بعضی تمہاری جوروئیں اور اولاد دشمن ہیں تمہاری سو اُن سے بچتے رہو اور اگر معاف کرو اور درگذر کرو اور بخشو تو اللہ ہے بخشنے والا مہربان +

دیکھئے اس میں دشمنوں کے حق میں بھلائی اور احسان کے واسطے کیسی تاکید سے الفاظ فرمائے ہیں۔ معاف کرنا۔ درگذر کرنا۔ بخش دینا۔ اور اُس پر بھی اخیر میں اشارہ کیا ہے کہ خدا غفور ورحیم ہے پس تم بھی اپنے دشمنوں سے ایسی خصلت بخشش اور رحم کی اختیار کرو +

(۶)۔ قرآن نے ہم کو یہ بات بھی اچھی طرح سے واضح کردی کہ ہماری یہ خصلت کہ ہم اپنے دشمنوں سے مہربانی کریں اُنکی بُرائیوں سے درگذر کریں کیوں پسندیدہ ہے اور ہم کیوں ایسی عنائتیں اور عنایتیں اپنے مخالفوں سے کریں۔ چنانچہ لکھا ہے +

ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم[۵] ۔ (نور ۔ ۹۳) +

اور چاہیئے کہ معاف کریں اور درگذر کریں کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ معاف کرے تم کو +

اس میں صاف سمجھا دیا کہ چونکہ تم اپنے گنہگاروں ۔ خطا کاروں ۔ دشمنوں اور مخالفوں سے ایسا شیوہ عفوو غفران کا اختیار کرو گے تو خدا بھی تمہاری خطاؤں سے درگذر کریگا +

اس فقرہ میں الا تحبون ان یغفر اللہ لکم بڑی حکمت بھری ہے ۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ خدا ہماری خطاؤں کو معاف کرے تو لازم ہے کہ ہم بھی اپنے خطا کاروں کی تقصیریں معاف کریں اگر ہم توقع رکھتے ہیں کہ خدا ہم کو بخش دے تو ضرور ہے کہ ہم بھی اوروں کی خطائیں بخش دیں ۔ آیت ہم کو صاف یہ سکھلاتی ہے کہ ہم ہمیشہ خدا سے یہ دعا کریں کہ جیسے ہم اپنے تقصیرواروں کو معاف کرتے ہیں ویسے ہی خدا بھی ہماری تقصیریں معاف کرے +

(۷) باہم کی معاشرت میں (خواہ ہمارے اہل معاشرت مسلمان ہوں یا غیر مسلمان ۔ دوست ہوں یا مخالف) عدل اور احسان برتنا اور انصاف مدنظر رکھنا ایک حکم محکم اور امر لازم ہے +

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان (نحل) +

اللہ حکم کرتا ہے انصاف کرنے کو اور بھلائی کرنے کو +

وتعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (مائدہ) +

آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیزگاری پر اور نہ مدد کرو گناہ پر اور زیادتی پر +

پھر اس سے بھی واضح کر کے صاف سمجھا دیا کہ کسی قوم کی عداوت تم کو عدل کرنے سے نہ باز رکھے اور کسی جماعت کی دشمنی تم کو انصاف کرنے سے نہ روکے ۔ تم سب اپنے دوستوں سے اور دشمنوں سے عدل اور احسان اور انصاف برابر قایم رکھو +

یا ایہا الذین امنوا کونوا قوامین للہ شہداء بالقسط ولا یجرمنکم شنان

---

[۵] العفو والصفح من المسیئی حسن مندوب فربما وجب ذالک ۔ ولو لم یجب علیہ الا ھذہ الآیۃ لکفی ۔ الا تری الی قولہ الا تحبون ان یغفر اللہ لکم فعلق الغفران بالعفو والصفح ۔ وعنہ علیہ السلام من لم یقبل عذر المتنصل کاذبا کان او صادقا لم یرد علی حوضی یوم القیٰمۃ ۔ وعنہ علیہ السلام افضل اخلاق المسلمین العفو والصفح وعنہ ایضاً ینادی مناد یوم القیامۃ الا من کان لہ علی اللہ اجر فلیقم الا اہل العفو ثم تلا فمن عفی واصلح فاجرہ علی اللہ ۔ وعنہ علیہ السلام ایضاً لا یکون العبد فی فضل حتی یصل من قطعہ ویعفو من ظلمہ ویعطی من حرمہ ۔ تفسیر کبیر +

قوم علیٰ ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ (مائدہ) +

اے ایمان والو کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے لئے گواہی دینے کو انصاف کی اور ایک قوم کی دشمنی کے باعث عدل نہ چھوڑو عدل کرو یہی بات لگتی ہے تقوے سے +

(۸) بعضے نکتہ چین ظاہر بین مخالفان اسلام نے ان ظاہر اور روشن احکام سے تغافل کر کے ایسا گمان کر لیا کہ گویا قرآن ایسے احکام عفو عام بخشش تام اور محاسن اخلاق سے خالی ہے اور نہ اسی قدر پر انہوں نے اکتفا بلکہ اور بھی ترقی کر کے یہ سمجھے کہ قرآن میں بعض احکام ان نیکیوں کے برخلاف ہیں۔ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا +

تمام محاسن اخلاق کے پیشوا اور سب نیکیوں کے نمونے ہمارے پیغمبرؐ خدا ہیں۔ ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ اور ہم کو ان کے افعال کا کیا اچھا نمونہ ملا ہے کہ وہ اپنے سب دوستوں اور دشمنوں سے کمال نرمی شفقت اور رحمت سے پیش آتے ہیں اور یہ صرف دعویٰ ہی نہیں ہے بلکہ اسکی دلیل بھی بدیہی موجود ہے کہ اگر پیغمبر خدا کے اخلاق ایسے نہ ہوتے تو یہ جتنے لوگ انکے ساتھ جمع ہوئے تھے اور مخالفین تھے اُن سے ٹوٹ کر آملے تھے اُن میں سے ایک بھی نہ آتا کسی بدمزاج خشونت کرنیوالے کے پاس کوئی نہیں آتا بلکہ یہ شفقت اور اخلاق نرم دلی اور لینت ہے جو سب کو اپنا ہو یا بیگانہ کھینچ لاتی ہے۔ دیکھو وہ آیت قرآن جو ہمارے مضمون کی زیبندہ عنوان ہے اُس پر پھر نظر کرو اور پڑھو کہ خدا پیغمبر سے فرماتا ہے +

فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولک فاعف عنھم واستغفر لھم +

یہ کچھ خدا ہی کی مہر سے ہے کہ تو اُن کو نرم دل ملا اور اگر تو سخت اور سنگدل ہوتا تو وہ تیرے پاس سے بھاگ جاتے سو تو اُن کو معاف کر اور اُن کے لئے دعائے مغفرت کر +

پس ہم کو قرآن کے احکام اور پیغمبر کے نمونہ سے بھی واجب و لازم ہے کہ ہم اپنے دشمنوں اور مخالفوں سے بھی بہ نرمی و محبت پیش آویں ان سے بھی نیکی اور بھلائی کریں اور باہم برادرانہ برتاؤ کریں تاکہ بدگمانوں کی غلط فہمی ہمارے قول اور فعل سے دور ہو جاوے +

(۹) مگر اس میں شک نہیں کہ فرق مراتب ضرور ہے گو ہم کو عام محبت کا حکم ملا ہے مگر یہ مراد نہیں کہ جو اخلاص اور محبت خاص اہل ایمان سے کی جاتی ہے اور جس کا مرتبہ عام محبت سے زیادہ ہے ویسی ہی محبت اور اخلاق غیر ایمان والوں سے بھی برتے جاویں۔ چنانچہ جو شدت کفار کی سرزنش اور تنبیہ میں اُن کے عصیان نافرمانی فساد اور ناخدا ترسی کی وجہ سے دگر وہ بھی نرمی اور سلامتی کے ساتھ اُن سے برتی جاتی ہے اور جو محبت ایمانی اور خاص دوستی جس کے

ایمان کی حیثیت سے مومنین مستحق ہیں (علاوہ اُس عام دوستی۔ کے جو مقتضائے فطرت الٰہی ہر ایک انسان کو کرنی چاہیئے) ان دونوں باتوں کی تفاوت پر اس آیت میں اشارہ ہؤا ہے ✦

محمد رسول اللّٰہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم ✦

محمد رسول اللہ کا جو اُسکے ساتھ ہیں زورآور ہیں کافروں پر اور نرم دل ہیں آپس میں ✦

پس یہی فرق اور امتیاز ہے جواب مندرجہ بالا اور اُسکے ہم مضمون آیتوں میں بیان ہؤا ہے اور اسی فرق اور امتیاز کے اعتبار پر قواعد جنگ وقتال کے متعلق مقاتلین مخالفین کی نسبت یہ حکم ہؤا کہ جو لوگ مسلمانوں سے دین کی بابت لڑتے ہیں اور مسلمانوں کو اذیتیں اور تکلیفیں پہنچاتے ہیں اُن سے ایسی حالت میں دوستی نہ کی جائے کیونکہ حالت جنگ اور قتال میں نامناسب ہے کہ مسلمانوں کے گروہ کے آدمی مخالفین اور مقاتلین سے محبت کرکے اپنے ضعف اور شکست کا باعث ہوں مگر صاف صاف کہدیا کہ جو دشمن اور مخالف تم سے دین کی بابت قتال نہیں کرتے اُن سے نیکی اور انصاف کرنے کو خدا منع نہیں کرتا بلکہ حکم دیتا ہے مخالفین سے نیکی اور انصاف کرو کیونکہ خدا نیکی کرنے والوں اور انصاف کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے۔ صرف اُنہیں لوگوں سے ایسی حالت میں دوستی منع کی گئی ہے جو کہ دین کی بابت مسلمانوں سے لڑتے تھے اور جنہوں نے مسلمانوں کو گھر سے نکالا اور اس پر ایک دوسرے کی مدد کی ✦

لاینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین - انما ینھاکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علی اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم منکم فاولٰئک ھم الظالمون (ممتحنہ)

اللہ تم کو منع نہیں کرتا اُن سے جو لڑے نہیں تم سے دین پر اور نکالا نہیں تم کو تمہارے گھروں سے کہ اُن سے کرو بھلائی اور انصاف کا سلوک اللہ چاہتا ہے انصاف والوں کو اللہ صرف منع کرتا ہے تم کو اُن سے جو لڑے تم سے دین پر اور نکالا تم کو تمہارے گھروں سے اور مدد کی تمہارے نکالنے پر کہ اُن سے کرو دوستی اور جو کوئی اُن سے دوستی کرے تو وہ لوگ ہیں گنہگار ✦

پس جنگ وقتال کی حالت کا ایک خاص قاعدہ ہماری معاشرت کا دستورالعمل نہیں ہے بلکہ ہماری حسن معاشرت کا حکم عام یہی ہے ✦

"لاینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین" ✦

(۱۰) یہ بات کہ منافقوں اور کافروں سے اُن کی شرارت اور فساد کی وجہ سے اُن کی سرزنش اور تنبیہ اور غلظت فی القول کرنے میں وہ رعایت عام دوستی اور صلح وآشتی کی ہونی چاہیئے اور یہ سرزنش شرعی وسلامتی کے ساتھ کرنی چاہیئے۔ اس کے ثبوت میں قرآن کے یہ احکام ہیں :-

۱- فاصفح عنہم وقل سلام +

سو درگذر اُن سے اور کہہ سلام ہے +

۲- اذا خاطبہم الجاھلون قالوا سلاما۔ (فرقان) +

اور جب بات کرنے لگیں ان سے بے سمجھ لوگ تو کہیں صاحب سلامت +

۳- اُدع الی سبیل ربك بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن (نحل) +

بُلا اپنے رب کی راہ پر پکی بات سمجھا کر اور نصیحت کر کے بھلی طرح اور بحث کر اس طرح جو احسن ہو +

۴- ولا تجادلوا اھل الکتاب الا بالتی ھی احسن +

نہ جھگڑو تم اہل کتاب سے مگر اس طرح سے جو سب سے بہتر ہو +

۵- واعرض عنہم وعظہم وقل لھم فی انفسہم قولا بلیغا۔ (نساء) +

اور اُن سے درگزر اور اُن کو نصیحت کر اور اُن کے حق میں پکی بات کہہ +

ان آیتوں کے حکم سے ہم کو لازم ہے کہ جب ہم اہل معاصی اور کفار سے سرزنش کریں اور اُن کے فساد اور ناخدا ترسی پر ملامت کریں تو اُس کو نیک طریقہ سے نرمی کے ساتھ بکمال اخلاق سمجھا دیں +

(۱۱)۔ اس مقام پر ہم کو مسئلہ اکراہ کا بیان بھی ضرور ہے کہ آیات قرآن مجید میں تو مخالفوں سے ایسی نیکیاں اور نیک سلوک کرنے کا حکم ہے اور فہمایش اور سرزنش میں بھی اخلاق کی رعایت پر ضرور ہے تو ایسی صورت میں مسلمان ہونے پر مجبور کرنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ مگر ہمارے پاس ایک ذخیرہ عدم اکراہ کے احکام کا موجود ہے جس سے یہ شُبہ ہو ہی نہیں سکتا کہ مذہب کے باب میں زبردستی کا حکم ہوا ہو یا کبھی جبر کیا گیا ہو +

۱- فذکر انما انت مذکر لست علیھم بمصیطر (غاشیہ) +

پس تو سمجھا تیرا کام سمجھانا ہے تو اُن پر کروڑا نہیں +

۲- قل اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول فان تولوا فانما علیہ ما حمل وعلیکم ما حملتم وان تطیعوہ تھتدوا وما علی الرسول الا البلاغ المبین (نور) +

تو کہہ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا پھر اگر تم منہ پھیرو گے تو اُس کا ذمہ ہے جو اُس پر رکھا اور تمہارا ذمہ ہے جو تم پر رکھا اگر اس کا کہا مانو تو راہ پاؤ اور پیغام والے کا ذمہ نہیں مگر پہنچا دینا +

۳- فان تولوا فانما علیك البلاغ +

پھر اگر وہ پھر جاویں تو تیرا ذمہ صرف پہنچا دینا ہے +

۴- من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ومن تولی فما ارسلناك علیہم حفیظا (نساء) +

جس نے حکم مانا رسول کا اُس نے حکم مانا اللہ کا اور جو اُلٹا پھرا تو ہم نے تجھ کو نہیں بھیجا اُن پر نگہبان +

۵- اتبع ما اوحي اليك من ربك لا اله الا هو واعرض عن المشركين (انعام) +

تابعداری کر تو خدا کے بھیجے ہوئے حکم کی جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور مت التفات کر مشرکوں کی طرف +

۶- افانت تكره الناس حتى يكونوا مومنين (یونس) +

اَب کیا زور کریگا تو لوگوں پر کہ ہو جاویں با ایمان +

۷- وما انت عليهم بجبار فذكر بالقرآن من يخاف وعيد (ق) +

اور تو نہیں اُن پر زور کرنیوالا سو تو ڈرا قرآن سے اُس کو جو ڈرا میرے وعید سے +

۸- اطيعوا الله واطيعوا الرسول فان توليتم فانما على رسولنا البلاغ المبين (تغابن) +

کہا مانو اللہ کا اور رسول کا پس اگر وہ پھر جاویں تو ہمارے رسوؔل کا ذمہ صرف پیغام پہنچا دینا ہے +

۹- ان هذه تذكرة فمن شاء اتخذ الى ربه سبيلاً (دهر) +

یہ ایک نصیحت ہے پس جو کوئی چاہے اپنے رب کی راہ اختیار کرے +

۱۰- لكم دينكم ولي دين (كافرون) +

تمہیں تمہارا دین اور مجھے میرا دین +

۱۱- لا اكراه فى الدين +

دین میں کچھ زبردستی نہیں - (بقر) +

۱۲- یہ سب آیات محکمات ہیں جو مکّہ اور مدینہ میں ظاہر ہوئیں یعنی اُس زمانہ کے لئے ہیں جب اسلام میں ضعف تھا اور اُس وقت کی بھی ہیں جب اسلام کو تمکنت اور شوکت حاصل ہوئی - مگر چونکہ کسی حالت میں جبر و اکراہ جائز نہیں رکھا گیا اس لئے وہی ایک بات ہر جگہ صاف صاف بیان کی گئی اور ایسا ہی برتا بھی گیا چنانچہ عین جدال و قتال کی حالت میں بھی باوجود طرفین کی مخالفت کے جو مشرک طلبگار امن ہو کر جماعت اسلام کی طرف چلا آتا تو اُس کو صرف قرآن کے پاک احکام اور نصایح سُنا دینے کا حکم تھا اور جب وہ سُن چکے تو اُس کو وہیں پہنچا دیں جہاں اُس کے امن کی جگہ ہے - حالانکہ یہ موقع اکراہ و جبر کا تھا مگر ایسی بات تو کبھی قرآن میں روا نہیں رکھی گئی +

وان احد من المشركين استجارك فاجره حتى يسمع كلام الله ثم ابلغه مامنه ذلك بانهم قوم لا يعلمون (براة - ۵) +

اگر کوئی مشرک تجھ سے پناہ مانگے تو اُس کو پناہ دے جب تک وہ سُن لے کلام اللہ کا پھر پہنچاوے
اُس کو جہاں وہ نڈر ہوئے یہ اس واسطے کہ وہ لوگ جانتے نہیں +

یہ آخری فقرہ صاف دلالت کرتا ہے کہ اُن لوگوں کو اسلام کے محاسن اور قرآن کے مکارم
اخلاق کی خبر نہیں اس لئے وہ جانتے نہیں ہیں کہ اسلام کیا چیز ہے پس اُن کو مسلمان کرنیکا یہی ذریعہ ہے
کہ اُن کو قرآن سُنایا جاوے اور اُسکی افضل تعلیم اور عمدہ نصائح سُننے والے کے دل میں اثر کریں +

۱۳۔ یہاں ذکر مقاتلات اسلامی کا آگیا اور ہم کو اُسکے ضمن میں یہ لکھنا مناسب معلوم ہوگا ۔
مقاتلات اسلامی کی منشا صرف مدافعت تھی اور یہی غرض تھی کہ مشرکین کے ظلم و عدوان سے ضعفاءِ
مسلمین کو نجات ملے اور اُن کو بے روک ٹوک خدا کی عبادت کا موقع ملے اور مخالفوں کی زیادتی اور
موذی کفار کا ظلم و ستم دور کیا جاوے اور اُن کی لڑائی بند ہو جاوے ۔ یہ غرض نہیں ہے کہ وہ جبراً
مسلمان ہو جاویں +

لولا دفع اللہ النّاس بعضھم ببعضٍ لھدّمت صوامع وبیع وصلوٰۃ ومساجد (حج) +
اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ لوگوں کو ایک کو ایک سے تو ڈھائے جاتے سب تکیے اور مدرسے اور
عبادتخانے اور مسجدیں +

مالکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرّجال والنّساء والولدان
یقولون ربنا اخرجنا من ھٰذہ القریۃ الظالم اھلھا (نساء) +
کیا وجہ کہ تم خدا کی راہ میں نہ لڑو حالانکہ کمزور مرد اور عورتیں اور بچّے کہتے ہیں کہ یا رب ہم کو اس
شہر سے جس کے لوگ ظالم ہیں نکال لے +

عسی ان یکفّ باس الّذین کفروا ۔ (نساء) +
قریب ہے کہ اللہ بند کرے لڑائی کافروں کی +

اس بات کے کہنے کی ضرورت نہیں کہ مدافعت کی لڑائی میں ابتدا مخالفوں کی طرف سے
ہونی چاہیئے کیونکہ انہیں کے ظلم و عدوان پر بناچاری مدافعت کی ضرورت پڑی اور یہی بات قرآن
میں بھی منصوص ہے +

ھم بدؤکم اوّل مرّۃ ۔ اور مسلمانوں کو حکم ہوا تھا کہ تم ہرگز ابتدا نہ کرو ولا تعتدوا (بقر) +

۱۴۔ مخالفوں سے تو علی العموم قرآن میں ایسی نیکیاں اور احسان کرنیکا حکم دیا گیا ہے اور
عین حالت جنگ وجدال کی وہ شفقت اور کریمانہ برتاؤ ہے جو سورۂ براءۃ کی پانچویں آیت سے نقل
کیا گیا کہ جو مشرک مسلمانوں کی پناہ میں آوے اُس کو قرآن کے احکام و نصایح سنا کر یہاں تک
اُس سے رعایت کی جاوے کہ جہاں اُس کی امن کا مقام ہو وہاں اُسے بخیر و عافیت پہنچا دیا جاوے

اب لڑائی کے بعد مغلوب اور مقید و مخالفوں کے واسطے عام حکم دے دیا کہ یا نہیں احسان رکھکر مفت چھوڑ دو یا فدیہ لیکر چھوڑ دو +

حتیٰ اذا اثخنتموھم فشدّوا الوثاق فامّا منّاً بعدُ وامّا فداءً حتیٰ تضع الحرب اوزارھا ذٰلك ولو یشاء اللہ لانتصر منھم ولکن لیبلوا بعضکم ببعضٍ (محمد) +

پھر جب خوب قتال کر چکو تو قید کر لو اور بعد اسکے یا احسان رکھکر چھوڑ دو یا فدیہ لیکر چھوڑ دو۔ جب تک کہ لڑائی بند ہو جاوے پھر خدا چاہے تو بدلا لے اُن سے مگر وہ تم کو جانچتا ہے +

غرض کہ مقید کر لینے کے بعد کا معاملہ منحصر ہے احسان رکھکر چھوڑ دینے میں یا فدیہ لیکر چھوڑ دینے میں۔ اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں نہ اُن کو غلام بنا کر رکھنا نہ اُن کو قتل کرنا۔ چنانچہ ضمیمۂ آیت اسی نکتہ پر اشارہ کرتا ہے کہ اگر خدا چاہے تو اُن قیدیوں سے بدلہ لیوے یعنی اُنہیں قتل کر دیئے جانیکا حکم دیوے مگر ترک مکافات پر ہر جگہ ترغیب دی گئی ہے اس لئے وہ تم کو اسی معاملہ میں آزماتا ہے کہ کون احسان رکھکر چھوڑتا ہے اور کون فدیہ لیکر چھوڑتا ہے +

بعض علمانے اس آیت میں یہ دور اندیشی کی ہے کہ قیدیوں کو اگر چھوڑ دیں تو وہ پھر جا کر وہی مفسدہ پردازی اور مسلمانوں کی اذیّت شروع کرینگے اس لئے اُنہیں قتل ہی کیا جاوے مگر یہ رائے تو صاف اس حکم کے خلاف ہے اور اس اندیشہ سے یہ تدبیر بھی مناسب نہیں ہے بلکہ اس کا علاج تو پہلے ہی قرآن میں فرما دیا ہے۔ وان تعودوا نعد (انفال) یعنی اگر تم پھر وہی ظلم و زیادتی شروع کرو گے تو ہم پھر اپنا بچاؤ کرنے کو تمہاری زیادتی دفع کریں گے اور تمہیں روکیں گے) +

غرض کہ قرآن کا اخلاق تمام اور احسان عمیم ہر ایک شخص سے عفو اور بخشش اور درگذر کرنیکا ہے اور خصوصاً مخالفوں کو معاف کرنا علی الخصوص حالت جنگ میں بھی رعایت اور بعد جنگ بھی کمال عنایت اسلام کا طریقہ پسندیدہ ہے۔ اور ایسی الہامیہ تعلیم اور انسان کی ہر حالت اور حاجت کی مقدار اور اندازہ کے موافق اس تفصیل سے اسی شریعت کاملہ میں ہیں اور بس +

اِسلام کی دُنیوی برکتیں

FOR OBVIOUS EFFECTS WHICH ISLAM HAS PRODUCED UPON THE WELFARE OF MANKIND.

ہم اس مقام پر اسلام کی دنیوی برکتیں بیان کرتے ہیں اور دکھلاتے ہیں کہ قرآن نے انسان کی اصلاح معاش کی باتیں کیونکر سکھلائیں اور یہ کہ ہم کو اپنے ہمجنسوں سے کس طرح سلوک کرنا چاہئے اور باہم کے معاملات میں کس طرح پر برتاؤ عمل میں لانا چاہئے اور حسن معاشرت کی ترقی کیونکر اسلام کی

وجہ سے ظہور میں آئی اور بنی نوع کی بہبودی اور سلامتی اور کافہ انام کی جان و مال کی حفاظت کی کیا وصیتیں فرمائیں اور بادشاہ سے لیکر فقیر تک کیسے سب کو آزاد قرار دیا اور جملہ بنی آدم کے امن و امان سے رہنے اور خدا کی برکتوں سے فائدہ مند ہونے کی کیا کیا سبیل ہوئی۔ اس مضمون کو ہم پہلے حفاظت اطفال سے شروع کرتے ہیں +

۲۔ دختر کشی کی بدرسم تو قدیم زمانہ سے تقریباً تمام جہان میں پھیلی ہوئی تھی یونان اور روم کبیر میں جہاں بڑے بڑے حکیم اور اہل ناموس گذرے ہیں یہ رسم **Abolished Infanticide.** پسندیدہ اور معروف تھی۔ مگر ملک عرب میں خصوصاً اور اَور ملکوں میں عموماً قرآن نے ہی لڑکیوں کی جان بچائی اور تمام جہان میں جہاں تک اسلام کی دسترس ہوئی اُسی نے اُن بے رحم والدین کو جو لڑکی کو مار ڈالتے تھے خدا کے غضب اور قیامت کے عذاب سے ڈرایا۔ اسلام ہی کی تعلیم کے اثر سے دُختر کشی کی رسم اسلامی ملکوں سے مٹ گئی۔ اسی کی پُر تاثیر اور خوف خدا دلانے والی تقریر سے قتل موؤدہ کی بیخ کنی ہوئی۔ اور جہاں اب اسلام پھیلتا جاتا ہے وہاں یہ رسم نسیاً منسیاً ہوتی جاتی ہے۔ شروع ہی سے قرآن نے اس مہلک رسم کے دفعیہ کا وعظ کہا +

"اذا الموؤدة سئلت بای ذنب قتلت" ؎۱ (تکویر) +

۳۔ عرب میں جہالت اور حمیت کے غلبہ سے لڑکیوں کا رکھنا ایک سخت ذلت اور اہانت تھی وہ کمبخت اُن لڑکیوں کو یا تو ہوتے ہی مار ڈالتے تھے یا پال پروس کے جیتا گاڑ دیتے تھے +

"اذا بشر احدھم بالانثیٰ ظل وجہہ مسودا وھو کظیم یتوارٰی من القوم من سوء ما بشر بہ ایمسکہ علیٰ ھون ام یدسہ فی التراب" ؎۲ (نحل) +

علامہ رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں واعلم انھم کانوا مختلفین فی قتل البنات فمنھم من یحفر حفرۃ ویدفنھا فیھا الیٰ ان یموت۔ ومنھم من یرمیھا من شاھق جبل ومنھم من تغرقھا۔ ومنھم من یذبحھا۔ وھم کانوا یفعلون ذلک تارۃ للغیرۃ والحمیۃ وتارۃ خوفا من الفقر والفاقۃ ولزوم النفقۃ +

۴۔ یہ تو ایک خاص صورت لڑکیوں کے قتل کی تھی الا عموماً قتل اولاد بھی قدیم زمانہ سے ہوتا چلا آیا۔ افلاطون اور ارسطو یہ دونوں نامی حکیم قتل اولاد کے حامی تھے۔ ارسطو کا قول ہے کہ لنگڑے لڑکوں کا پرورش پا جانا قانوناً روکنا چاہیے اور جب کثرت بنی آدم کو کم کرنا منظور ہو تو جنین میں جان

؎۱ اور جب بیٹی جیتی گاڑدی کو پوچھے کس گناہ پر ماری گئی +

؎۲ اور جب خوشخبری ملے ایسے کسی کو بیٹی کی سارے دن رہے منہ اُس کا سیاہ اور جی میں گھٹ رہا چھپتا پھرے لوگوں سے مارے بُرائی اس خوشخبری کے جو سُنی اور اُس کو رہنے دے ذلت قبول کر کر یا اُس کو داب دے مٹی میں +

پڑنے سے پیشتر اسقاط حمل کرانا چاہیئے۔ ملک اسپارٹا (یونان) میں یہ قانون تھا کہ جب کسی کے یہاں لڑکا پیدا ہوتا تو وہ شخص اُس کو قوم کے وجوہ و اعیان کے پاس لیجاتا وہ لوگ اُس کو ملاحظہ کر کے دیکھتے کہ وہ تام الخلقت اور تندرست ہے تو اُسے حکم دیتے کہ اُس کی پرورش کرے اور اگر اُس میں کوئی نقص دیکھتے تو کوہ طیجیتوس کے قعر میں گرا دیتے تھے۔ اہل روما میں بھی ایسا ہی دستور تھا کہ بچے کی پرورش اس کے باپ کی رائے پر موقوف تھی۔ قوم لورش میں بھی ایسا ہی دستور تھا کہ اگر بچے کا باپ چاہے تو اُسے پرورش کرے ورنہ اگر اُس میں ضعف و نقص پاوے تو جنگلی جانوروں کو کھلا دے۔ فیجی قوموں میں بھی یہ ہنوز ایک رسم عام ہے۔ ایک سیاح نے بیان کیا کہ ملک وانوالیود کے بعض اضلاع میں تو قتل اولاد کی تعداد کل باشندوں کی ایک نصف سے بڑھکر دو ثلث تک پہنچتی ہے۔ چین اور ہند میں اس کا عام رواج تھا اور ہنوز باقی ہے۔ قرآن نے اس رسم قبیح کی اصل و بنیاد پر گرفت کی اور فرمایا۔ "لا تقتلوا اولادکم خشیۃ اِملاق نحن نرزقھم و ایاکم ان قتلھم کان خِطاً کبیراً" (اسرٰی)۔ ۲۳ ✦

اولاد کی جان کو ایک اَور آفت یہ تھی کہ بے رحم ماباپ اپنے عزیز ننھے بچوں کو بتوں کی نذر چڑھاتے اور قربان کرتے تھے۔ علاوہ اَور ملکوں کے (مثل انگلستان و ہندوستان وغیرہ) جہاں انسانی قربانی عمل میں آتی تھی عرب میں بھی ایسے حادثات پائے جاتے ہیں۔ پروکوپیوس (مورخ سنہ ۶ء) کہتا ہے کہ المنذر شقیق بادشاہ حرانی۔ (جس کو یونانی لہجہ میں المندروس ہوسیکی کہتے ہیں) بادشاہ غستان کی ایک بیٹی کو قید کر کے لات یا عزٰے کی قربانی چڑھا دیا تھا۔ اور پولرک (مورخ سنہ ۱۸ء) نے اسی بادشاہ کی ایک کیفیت لکھی ہے کہ وہ اپنے دو دوستوں کے قتل کے کفارہ میں ہر سال یوم نحس کو آدمیوں کی قربانی کیا کرتا تھا۔ اسی مورخ اور نیز الیواگریوس (سنہ ۶ء) نے ایک نعمان کا ذکر کیا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے آدمیوں کو بتوں کی قربانی کیا کرتا تھا اور پورفری نے (سنہ ۳ء) مقام دیمتہ میں جسے دومتہ الجندل قیاس کیا جاتا ہے۔ ایسی ہی قربانی کا ذکر کیا ہے۔ اور دور کیوں جاؤ۔ عبدالمطلب کا حضرت عبداللہ کو قربانی چڑھائے جانے کی نذر کرنا اسلامی تاریخوں میں پایا جاتا ہے اور غالباً بالکل بے اصل نہیں ہے۔ اس قسم کی نذر یہود سے عرب میں آئی ہوگی اُن میں یہ دستور تھا کہ بعض اولاد کو صرف دینی کام کے لئے مخصوص کر دیتے تھے حضرت مریمؑ بھی اسی قسم سے تھیں۔ "قالت امراۃ عمران رب انی نذرت لک ما فی بطنی محرّرا" (۳۷) اگر عرب تو اس نذر میں کام ہی تمام کر دیتے تھے۔ [۱] اور غالباً اس آیت میں

Human sacrifices superseded

---

[۱] اڈورڈ گبن مورخ نے پچاسویں باب میں لکھا ہے (ص ۲۱۳ سنہ ۱۸۶۲ء) کہ انسان کی جان کسی عام آفت کے دفعیہ کے لئے سب سے عمدہ قربانی ہے۔ فرنیقا اور مصر اور روما اور قرطاجنہ کے مذابح انسانی خون سے آلودہ رہتے تھے اور عربوں میں بھی یہی بے رحم رسم مدت سے جاری تھی اور تیسری صدی میں ہر سال ایک لڑکا قبیلہ دمیاتیہ کا قربان ہوا کرتا تھا۔ الخ

اسی رسم بد پر اشارہ ہے "کذالک زین لکثیر من المشرکین قتل اولادھم شرکائھم لیردوھم ولیلبسوا علیھم دینھم" ۵۱ (انعام-۱۳۸) +

۶-جب اس طرح لڑکوں کی جان بچانے کا سامان کر دیا تو اب اسلام نے اُن کے مال کی حفاظت اور یتیموں کی جائداد اُن کے متولیوں کی خورو بُرد سے محفوظ رکھنے کے لئے یہ احکام صادر کئے اور عموماً اُن سے شفقت اور اکرام کرنے کا حکم دیا +

Orphans protected against injustice.

ا-"کلا بل لا تکرمون الیتیم" ۵۲ (فجر) +

ب-"فاما الیتیم فلا تقہر" (ضحی) +

ج-"واتوا الیتامیٰ اموالھم ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب ولا تاکلوا اموالھم الیٰ اموالکم انہ کان حوبا کبیرا"-(نساء) +

د-"ان الذین یاکلون اموال الیتامیٰ ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا"-(نساء) +

ھ-"ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن حتی یبلغ اشدہ"-(انعام) +

و-"وابتلوا الیتامیٰ حتی اذا بلغوا النکاح فان آنستم منھم رشدا فادفعوا الیھم اموالھم ولا تاکلوھا اسرافا وبدارا ان یکبروا ومن کان غنیا فلیستعفف ومن کان فقیرا فلیاکل بالمعروف" (نساء)

ز-"وما یتلیٰ علیکم فی الکتاب فی یتامی النساء التی لا تؤتونھن ما کتب لھن وترغبون

۵۱ اور اسی طرح بھلی دکھلائی تھی مشرکوں کو اولاد مارنی اُن کے شریکوں نے کہ اُن کو ہلاک کریں- اور اُن کا دین غلط کریں +

۵۲ ا- پر تم عزت نہیں کرتے یتیم کی +

ب- سو جو یتیم ہو اُس پر قہر نہ کر +

ج- اور دے ڈالو یتیموں کو ان کے مال اور نہ بدلو گندہ ستھرے سے اور نہ کھاؤ ان کے مال اپنے مالوں کے ساتھ یہ ہے بہت بڑا وبال +

د- جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ کھاتے ہیں +

ھ- اور پاس نہ جاؤ مال یتیم کے مگر جس طرح بہتر ہو جب تک وہ پہنچے اپنی قوت کو +

و- اور سدھاتے رہو یتیموں کو جبتک پہنچیں نکاح کی عمر کو پھر اگر دیکھو اُن میں ہوشیاری تو حوالہ کرو اُنکے مال اور کھا جاؤ اُن کو اڑا کر اور گھبرا کر کہ یہ بڑے نہ ہو جاویں اور جو کوئی غنی ہے تو چاہیے بچتا رہے اور جو کوئی محتاج ہے تو کھاوے موافق دستور کے +

ز- اور جو تم کو سناتے ہیں کتاب میں سو حکم ہے یتیم عورتوں کا جن کو تم نہیں دیتے جو ان کا مقرر ہے اور چاہتے ہو کہ نکاح میں لو اور مغلوب لڑکوں کا اور یہ کہ قائم رہو یتیموں کے حق میں انصاف پر +

ان تنکحوھنّ والمستضعفین من الرّجال والنساء والولدان وان تقوموا للیتامیٰ بالقسط (نساء-۱۹ع)

۷-اس پچھلی آیت سے یہ پایا گیا کہ جو لوگ نابالغ اور یتیم لڑکے اور لڑکیوں کے ولی ہوتے تھے وہ اُن سے اَور اَور طرح سے تو جور وظلم کرتے ہی تھے مگر ایک صورت خاص اور رواج عام یہ بھی تھا کہ یتیم لڑکیوں سے شاید اُن کی

Guardians interdicted to marry their minors.

نابالغی کے زمانہ میں نکاح بھی کر لیتے تھے اور اُس میں ان یتیموں کی کئی طرح سے حق تلفی ہوتی تھی اور چونکہ اُن سے مقصود صرف اُن کا مال لے لینا ہوتا تھا[۱]- تو حقوق زوجیت کی بھی رعایت نہیں کرتے تھے لہٰذا اُن لوگوں کو جن کی ولایت میں یتیم لڑکیاں تھیں منع کر دیا تھا کہ جن کے ولی ہوں اُن سے نکاح نہ کریں چنانچہ جس مقام سابقہ کا حوالہ اس آیت کے الفاظ "وما یتلیٰ علیکم فی الکتاب" میں ہے

"فان خفتم ان لا تقسطوا فی الیتامیٰ فانکحوا ما طاب[۲] لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث ورباع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃً او ما ملکت ایمانکم" (نساء) +

یعنی اگر تم کو اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کر لینے سے ان میں انصاف نہ کرو گے تو نکاح کر لو بالغ عورتوں سے دو دو تین تین چار چار پھر اگر ڈرو کہ برابر نہ رکھو گے تو ایک ہی یا جن کے (یعنی جن یتیموں کے) تمہارے ہاتھ مالک ہو چکے (نکاح سے) +

چونکہ یہ ہر ایک صاحب شریعت و ناموس و اہل قانون کا دستور ہے کہ قانون کے خلاف جو صورتیں ظہور میں آچکی ہیں اُن کو اکثر تو بحال و برقرار رکھا جاتا ہے اسی طرح گو اُن کو یتیموں یا نابالغوں سے نکاح کرنا (ان قباحتوں کے ظہور کی وجہ سے جن کا بیان ہوا ہے) منع کیا- مگر جو یتیم لڑکیاں ان کی ملک نکاح میں آچکی تھیں اُن کو ویسے رہنے دیا اور اسی آیت کے آخیر میں علاوہ اور تقییدوں کے پھر بھی ان

---

[۱] وکان الرجل منھم یضم الیتیمۃ الی نفسہ ومالھا ان کانت جمیلۃ تزوجھا واکل المال وان کانت ذمیمۃ عظلھا عن التزوج حتی تموت فنرثھا (مدارک التنزیل) +

صاحب تفسیر معالم التنزیل نے اپنی سند سے روایت کی ہے اخبرنا عبد الواحد الملیحی نا احمد بن عبد اللہ النعمی نا محمد بن یوسف نا محمد بن اسمٰعیل نا ابو الیمان نا شعیب عن الزھری قال کان عروۃ بن الزبیر یحدث انہ سال عایشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وان خفتم ان لا تقسطوا فی الیتامیٰ فانکحوا ما طاب لکم من النساء قالت ھی الیتیمۃ یکون فی حجر ولیہا فیرغب فی جمالہا ومالہا ویرید ان یتزوجہا بادنیٰ من سنۃ نسائہا فنھوا عن نکاحھن الا ان تقسطوا لھن فی اکمال الصداق وامروا بنکاح من سواھن من النساء الخ +

[۲] وقیل ان خفتم الا تقسطوا فی نکاح الیتامیٰ فانکحوا من البالغات یقال طابت الثمرۃ ای ادرکت (مدارک) +

ملک نکاح میں آئی ہوئیں یتیم لڑکیوں کے حق میں انصاف کی وصیت فرمائی - وان تقوموا للیتامیٰ بالقسط +

اب یہاں پر عموماً دو اعتراض وارد ہونگے (۱) یہ کہ ماملکت ایمانکم سے لونڈیاں مراد ہیں (۲) یہ کہ اس تقریب سے جیسے ہم نے معنی لئے ہیں اَو بمعنی اِلّا ہوا جاتا ہے +

پہلے شبہ کا جواب تو ہم یہ دیتے ہیں کہ جبکہ ملک یمین کا اطلاق نکاح پر بھی ہوتا ہے اور نساء کے لفظ میں لونڈیاں بھی تو آگئیں اس لئے اب مکرر اس لفظ سے لونڈیاں لینی فضول ہیں - اور یہ تو بے عقلی کی بات ہے کہ حرف ما صرف غیر ذوی العقول کے لئے آتا ہے اور لونڈیاں کچھ انوثیت کی وجہ سے اور کچھ خرید و فروخت ہونیکی وجہ سے بہائم کی قسم میں ہیں کیونکہ اسی جگہ نساء پر بھی ما کا حرف آیا ہے "ما طاب لکم من النساء" اور اسکے علاوہ خدا پر بھی یہی لفظ آیا ہے چنانچہ فرمایا ہے "ولا انتم عابدون ما اعبد" +

اور دوسرے شبہ کا یہ جواب ہے کہ اولاً یہاں پر اَوْ بطریق تخییر بین المعطوفین ہے جیسکہ اور جگہ بھی قرآن میں اسی صورت سے آیا ہے چنانچہ "ففدیۃ من صیام او صدقۃ او نسک" پس ایسے ہی اُن لوگوں کو جو اپنی ولایت کی یتیم لڑکیوں سے نکاح کر چکے تھے اختیار تھا کہ یا اُن کو رہنے دیتے اور آیندہ کو پرہیز کرتے یا چاہتے تو انہیں سے کنارہ کرتے اور ثانیاً اَوْ استثنا کی صورت میں بھی تو آتا ہے چنانچہ بقر ۳۱ ع میں "ولا جناح علیکم اِن طلقتم النساء مالم تمسوھن او تفرضوا لھن فریضۃ" +

Polygamy curtailed and restricted not on one side but on many sides.

۴- ہر چند کہ کثرت ازدواج قانون قدرت اور نظام الٰہی کے خلاف نہیں اور بعضے ملکوں کی آب و ہوا کی تاثیر اور وہاں کے رہنے والوں کی طبیعت کا مقتضا اسکے جواز کا باعث ہے مگر عرب میں یہ اکثار بھی بہت بے موقع اور حد کے درجہ پر تھا - اور چونکہ ازواج کا معاملہ انسان کی تہذیب معاش اور حسن معاشرت میں بہت کچھ دخل رکھتا ہے لہٰذا اسلام نے اس میں بھی اصلاح ضروری تصور کی اور کلام الٰہی میں بڑی حکمت سے "فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلث وربٰع" میں کثرت ازدواج کے عدد کو بہت کم کر کے گھٹا دیا - اور نیز "فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ" میں عدالت کی ایسی سخت اور مضبوط قید لگا دی جو درحقیقت ہر ایک کو کثرت ازواج پر جرأت نہ کرنے دے گی اور بعد اسکے خود تنزیل میں ایسی عدالت کے قائم نہ رکھ سکنے اور اسکے قائم کرنیکی حرص کرنے پر بھی قاصر رہنے کا مذکور فرما دیا ہے "ولن تستطیعوا اَن تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ" (نساء)

له اور تم ہرگز عدالت یعنی برابری نہ رکھ سکو گے عورتوں میں اگرچہ اس کا شوق بھی کرو سو نرے پھر بھی نہ جاؤ کہ ڈال رکھو ایک کو جیسے ادھر میں لٹکتی +

اور آیت "ذلک ادنیٰ ان لا تعولوا" میں اسی ممانعت کثرت ازدواج پر حسب تفسیر امام شافعیؒ Polygamy discouraged. اشارہ پایا جاتا ہے تفسیر بیضاوی میں ہے فعوبان لا یکثر عیالکم ونعل المراد بالعیال الازواج - اسی صورت میں اس آیت کے معنی یہ ہونگے کہ تمہاری بیبیاں بہت نہ ہوجاویں چنانچہ جس شخص کی عورتیں زیادہ ہوں تو کہتے ہیں اعال الرجل مگر اس محاورہ پر باب اعال یعیل سے تعیلوا ہونا چاہئے - کہتے ہیں کہ حمیر کی زبان میں ایسا ہی بولتے ہیں یعنی تعولوا بمعنی تعیلوا - یہی تفسیر امام شافعی نے اختیار کی ہے اور طلحہ بن المطرف نے بھی اس آیت کو تفسیر کے طور پر تعیلوا بیان کیا ہے اور ایسے ہی طاؤس نے بھی +

تفسیر معالم التنزیل میں ہے قال الشافعی ان لا یکثر عیالکم وما قاله احد انما یقال اعال یعیل عالة اذا کثر عیاله - وقال ابو حاتم کان الشافعی رضی الله عنه اعلم بلسان العرب منا فلعله لغة ویقال هی لغة حمیر - وقرء طلحة بن المطرف ان لا تعیلوا - وهی حجة لقول الشافعی رضوان الله +

اور تفسیر کبیر میں ہے نقل عن الشافعی رضی الله عنه انه قال "ذلک ادنیٰ ان لا تعولوا" معناه ان لا یکثر عیالکم - ومن المشهور ان طاؤس کان یقرء ذلک ان لا تعیلوا - اور نیز امام فخر الدین رازیؒ نے اچھی طرح پر رد کیا ہے ان اعتراضوں کو جو بعضے مقلدین نے اس بحث میں امام شافعیؒ پر کئے تھے (دیکھو تفسیر سورہ نساء آیۃ ۳) +

مسلمانوں ہی میں ایسے لوگ بہت کم ہونگے جو یہ سمجھتے ہونگے کہ اسلام نے کثرت ازدواج میں اپنی اصلاح فرمائی +

ساواری جو ایک فرانسیسی مترجم قرآن ہے سورہ نساء کے ذیل میں لکھتا ہے کہ جب یہ آیت "فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدة" نازل ہوئی تو عرب کے لوگوں میں اکثر پاس آٹھ آٹھ اور دس دس عورتیں تھیں اور وہ ان سے بدسلوکی سے پیش آتے تھے - کثرت ازدواج کا ممالک مشرقی میں ہمیشہ دستور رہا ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُسے گھٹا کر بہت کم کر دیا" انتہیٰ - اور ہمارے یہاں کی روایتیں بھی اسی کی موید ہیں - احمدؒ اور ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نے روایت کی ہے - ان غیلان بن سلمة الثقفی لما اسلم وله عشر نسوة فی الجاهلیة فاسلمن معه فقال النبی صلعم امسک اربعاً وفارق سائرهن اور شرح السنة میں روایت ہے عن نوفل بن معاویة قال اسلمت وتحتی خمسة نسوة فسألت النبی صلی الله علیه وسلم فقال فارق واحدة وامسک اربعاً [۵] +

---

[۵] یہ روایتیں مشکوٰۃ میں ہیں - ان کا مطلب یہ ہے - کہ غیلان کے پاس دس عورتیں تھیں تو نبی صلعم نے فرمایا کہ چار رکھو اور باقی کو جدا کر دو اور نوفل کے پاس پانچ تھیں ان سے بھی ایسا ہی کہا گیا +

نحمیاہ اور عزیر نبیوں نے بھی اس قسم کے حکم دیئے چنانچہ جن یہودیوں نے خلاف توریت اجنبی عورتوں سے نکاح کر لئے تھے وہ چھڑا دیئے (صحیفہ عزرا باب ۱۰ درس ۱۱ و ۱۲ و ۱۹) +

طامس کارلائیل ایک مشہور عالم محقق کا قول اس مقام پر نقل کرنا بے موقع نہ ہوگا وہ لکھتے ہیں اسلام کی میل الی الشہوات کی نسبت بہت کچھ تقریریں اور تحریریں ہوئی ہیں اور یہ اعتراضات انصاف کی حد سے بڑھکر ہیں۔ وہ پروانگیاں جو ہم کو قبیح معلوم ہوتی ہیں اور جن کی اجازت اُنہوں نے دی وہ خاص اُن کی ایجاد نہ تھیں اُنہوں نے ان باتوں کو عرب میں قدیم الایام سے مروّج اور غیر معیوب پایا مگر (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو کچھ کیا وہ یہ کیا کہ اُن کو روک دیا نہ صرف ایک ہی طرف سے بلکہ کئی پہلو سے دلکچر ۲ صفحہ ۴۲ مطبوعہ ۱۸۷۲ء) +

۹۔ سورۂ نساء کی ۳ آیت جو پچھلی دفعہ میں نقل ہوئی اور جس کی بحث ۸ دفعہ میں ہو چکی ہے چار عورتوں تک کے حکم میں بہت صاف ہے۔ اور عورتوں میں آزاد اور غیر آزاد دونوں داخل ہیں۔ (Concubinage discouraged.)

اور ہر ایک شخص جس کو یہود کے مسائل مخترعہ اور ایام جاہلیت کی رسم کی تقلید اور سبق ظن نہ ہو وہ قرآن کے لفظوں سے تو ایسا ہی سمجھے گا۔ چنانچہ جارج سیل مترجم قرآن (مات ۱۷۳۶ء) نے مقدمہ کتاب اور ذیل سورۂ نساء میں ایسا ہی بیان کیا ہے کہ ازواج اور سراری یعنی بیبیاں اور لونڈیاں یہ دونوں اس قید اربع میں محدود ہیں فقط مگر اب رسم تو یہ پڑی کہ لونڈیوں کے واسطے کوئی تعداد ہی نہیں!! تاہم ہم کو فقہاء اور اہل الرائے کا اس قدر شکر گذار ہونا چاہئے۔ کہ اُنہوں نے آزاد عورت پر لونڈی کو جمع کرنا جائز نہیں کیا۔ امام ابو حنیفہ اسی کے قایل تھے چونکہ اجتہادی بات قرار پائی اس لئے اور علماء شیعہ[۵۱] وسُنی نے کچھ انکار کچھ اقرار کیا مگر آؤ ہم قرآن کو تو دیکھیں اُس میں کیا ہے۔ پانچویں پارہ کے شروع میں لکھا ہے +

"ومن لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنات المومنات فمن ما ملکت ایمانکم من فتیاتکم المومنات ذلک لمن خشی العنت منکم وان تصبروا خیر لکم[۵۲] +

اس میں فتیات مومنات سے نکاح کی اجازت تو ہے مگر تین شرطوں سے (۱) جبکہ

---

۵۱ ان الایة صریحة فی انحصار سبب الاباحة فی القسمین المذکورین وهما الازواج وملک الیمین علی سبیل انفصال الحقیقی ای اما ازواج او ملک یمین بحیث لا یجتمعان ولا یرتفعان" +

کنز العرفان فی تفسیر آیات الاحکام۔ کتاب النکاح

(ذیل آیت والذین هم لفروجهم حافظون) +

۵۲ یعنی جس کو مقدور نہ ہو آزاد بیبیوں سے نکاح کرنے کا تو مسلمان لونڈیوں کو نکاح میں لے آوے یہ اسکے واسطے جو کوئی ڈرے تکلیف میں پڑنے سے اور اگر صبر کرو تو بہتر ہے تمہارے حق میں +

آزاد عورت سے نکاح کا مقدور نہ ہو (۲) بے نکاح رہنے میں زنا میں پڑ جانیکا اندیشہ ہو[۵۱] (۳) وہ لونڈیاں مسلمان ہوں +

پہلی شرط تو وہ بات جاتی رہی کہ بیبیاں بھی ہوں اور لونڈیوں کا بھی ریوڑ بھرا جاوے اور تیسری شرط سے وہ بات جاتی رہی کہ لڑائی میں مشرک عورتوں کا گلا پکڑ لائے اور اُن پر تصرف کیا +

پس لونڈیوں سے نکاح کر لینے کا حکم کسی طرح قابل اعتراض نہیں ہو سکتا بلکہ عین حکمت و مصلحت ہی تھا اور معہذا اس کی قباحتیں بہت واضح اور صاف ہیں اسی لئے ضرورت شدید اور ناچاری کا یہ علاج ہی تھا +

امام فخر الدین رازیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں الایۃ دالۃ علی التحریم من نکاح الاماء وانہ لایجوز اقدام علیہ الا عند الضرورۃ والسبب فیہ وجوہ[۵۲] فلہذہ الوجوہ ما اذن اللہ فی نکاح الامۃ الا علی سبیل الرخصۃ +

مگر پھر بھی کلام الٰہی میں یہی حکم ہے کہ ان تین شرطوں کی رعایت پر اگر لونڈیوں سے نکاح نہ کیا جاوے تو بہتر ہے "وان تصبروا خیر لکم" تفسیر کبیر میں ہے (مسئلہ) المراد ان نکاح الاماء بعد رعایۃ الشرایط الثلثۃ اعنی عدم القدرۃ علی التزوج بالحرۃ وخوف العنت وکون الامۃ مومنۃ الاولیٰ ترکہ لما بینا من المفاسد الحاصلۃ فی ھذا النکاح۔ اور تفسیر مدارک التنزیل نسفی میں ہے۔

---

[۵۱] ولم یختلفوا فی ان ذلک راجع الی نکاح الاماء فکانہ قال فمن ما ملکت ایمانکم من فتیاتکم المؤمنات ذلک لمن خشی العنت منکم وھو الضرر الشدید الشباق۔ قال فیما رخص فیہ من مخالطۃ الھنامی" واللہ یعلم المفسد من المصلح ولو شاء اللہ لاعنتکم ای لشدد الامر علیکم والزمکم التمیز طعامکم من طعامھم تلحقکم بذلک ضرر شدید۔ وقال ودوا ما عنتم قد بدت البغضاء من افواھم ای احبوا ان تقعوا فی ضرر الشدید۔ وللمفسرین فیہ قولان۔ احدھما ان الشبق والشدید والغلمۃ العظیمۃ ربما یحملہ علی الزنا فیقع فی الحد علی الدنیا والعذاب العظیم فی الاخرۃ فھذا ھو العنت +

والثانی ان الشبق الشدید والغلمۃ عظیمۃ قد یتادی الی اختناق الرحم واما فی حق الرجال فقد یتادی الی اوجاع الورکین والظھر والاکثر علی الوجہ الاول لانہ ھو الالیق ببیان القرآن + تفسیر کبیر

[۵۲] لونڈیوں سے نکاح کی مضرتوں میں پانچ وجہیں امام رازی نے لکھی ہیں جن کو ہم نے متن میں چھوڑ دیا ہے اُن کا خلاصہ یہ ہے (۱) جو اولاد ہوگی وہ بھی رقیق ہوگی (۲) وہ لونڈی باہر نکلنے پھرنے اور غیروں سے میل جول رکھنے میں ناشایستہ ہو جاویگی (۳) اُس لونڈی کے مالک کا حق اس پر اُسکے شوہر سے زیادہ ہے پس وہ اپنے شوہر سے باخلاص نہیں مل سکتی (۴) اگر اُس کا مالک اُس کو کسی اور کے ہاتھ بیچ ڈالے تو یا تو نکاح ٹوٹ جاویگا یا مالک جدید کہیں کا سفر کرے تو وہ ساتھ جاویگی بہرحال شوہر کو بڑی مضرت پہنچیگی (۵) اگر اس کا مہر مقرر ہوا ہوگا تو اُسے اختیار نہ ہوگا کہ مہر بخش دے ان وجوہ پر ہنسی بھی آتی ہے اور رونا بھی +

وصبرکم عن نکاح الاماء متعففین خیرٌ لکم لانّ فیہ ارقاق الولد ولانہا خراجۃ ولاجۃ ممتہنۃ مبتذلۃ وذلک کلہ نقصان یرجع الی الناکح ومہانتہ والعزۃ من صفات المومنین وفی الحدیث الحرایر صلاح البیت والاماء ھلاک البیت +

۱۰- یہاں پر یہ اعتراض پیش ہونگے کہ جب لونڈیوں کی اولاد میں ایسی ذلت اور اہانت ہے تو کیا گمان کیا جاوے اُن بزرگوں کے حق میں مثلاً حضرت اسمٰعیل جو ہاجرہ سے تھے حضرت ابراہیم بن النبی جو ماریہ قبطیہ سے تھے یا محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ یا شہربانو رضی اللہ تعالیٰ عنہا مادر ائمہ اہلبیتؑ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ہاجرہ کو لونڈی سمجھنا بے وجہ ہے وہ کسی طرح پر لونڈی نہیں ہوسکتیں - عوام یہود تو ضرور اس امر میں تعصب کرتے ہیں اور مسلمانوں کی روایتیں اس امر خاص میں اس وجہ سے اعتبار کے قابل نہیں کہ اصل لفظ اصحاب یا ائمہ نے ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی نسبت کچھ ہی فرمایا ہو مگر چونکہ راویوں کی عقل اور دماغ میں ملک یمین سمار ہا ہے اور یہود نے بھی ایسا مشہور کر رکھا ہے پس وہ خواہ مخواہ روایت بالمعنی میں لفظ جاریہ یا ملک یمین ہی کہینگے - مگر یاد رہے کہ ربانین یہود کی روایتیں اس مضمون کی ہیں کہ ہاجرہ فرعون کی بیٹی تھیں اور اُس نے ابراہیم علیہ السّلام کی کرامت اور بزرگی دیکھکر اُن کو اُنہیں دیا تھا (دیکھو کتاب بریشیت ربّاہ - ۵۱) علاوہ ازیں جن عورتوں کی نسبت کتب عہد عتیق میں لکھا ہے کہ حرم تھیں (جیسے ہاجرہ) تو وہ لفظ فقہ کی اصلاحی ملک یمین کے ہم معنی نہیں ہے - وہ تو شرعی بیبیاں تھیں جو حقوق زوجیت میں پہلی بی بی کے برابر ہوا کرتی تھیں - فرق اتنا ہی تھا کہ انتظام خانہ داری میں پہلی ہی بی بی کو دخل رہا کرتا تھا - اور اگر یہ دوسری بی بی جو حرم کہلائی پہلے خادمہ تھی تو بعد نکاح بھی بدستور خدمت کرتی رہتی تھی (دیکھو تفسیر ہارن جلد ۳ صفحہ ۲ ب ۳) +

اور ماریہ قبطیہ سے ابراہیم بن النبی کا پیدا ہونا ایسا تاریخی واقعہ اور قطعی مثال نہیں ہے جس سے وہ ذلت اور خرابی لازم آوے جو اولاد ام ولد میں لازم آتی ہے کیونکہ (۱) ماریہ تین عورتوں کا نام روایتوں میں ہے اور

Maria the coptic was not a concubine-rather an imaginary personage.

یہ تینوں یا دونوں خادم النبی کہلاتی ہیں ابن حجر عسقلانی نے تین نام لکھے ہیں - ابن مندہ نے ایک ماریہ جسکی کنیت ام الرباب ہے اور دوسرے ایک اور ماریہ خادم النبی الگ الگ لکھی ہیں اور ان سے روایت کی ہے مگر ابو نعیم نے دونوں کو ایک کردیا ہے اور ماریہ قبطیہ ہنوز علیحدہ ہیں - ایسے اختلافوں سے ٹھیک نہیں معلوم ہوتا کہ کیا تھا (۲) یہ بھی قطعی نہیں کہ ماریہ کے پیٹ سے ابراہیم بن النبی پیدا ہوئے ہوں علی ابن الحسین جنید الرازی نے اپنی تاریخ میں ابراہیم کو بطن خدیجہ سے لکھا ہے اور ماریہ کا ذکر بھی نہیں کیا اور ابن مندہ نے لکھا ہے "واستسرے جاریۃ قریظیۃ فولدت لہ ابراھیم" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم کسی قید کی ہوئی لونڈی یہود قریظیہ سے پیدا ہوئے تھے (۳) ماریہ کی بعض

مخصوص رعایتیں از قسم ضرب حجاب وغیرہ جو روایتوں میں ہے اُس سے پایا جاتا ہے کہ ماریہ سے لونڈیوں کی طرح پیش نہیں آیا جاتا تھا بلکہ بیبیوں کی طرح (۴) ایک عیسائی بادشاہ کا ایک نبی کو دو چھوکریاں تحفہ میں بھیجنی محض خلاف قیاس اور تعجب انگیز ہے (۵) ماریہ قبطیہ از قبیل عامہ امار نہیں ہو سکتیں وہ کسی لڑائی میں قید نہیں ہوئیں اور نہ وہ خریدیا فروخت ہوئیں بلکہ مدینہ میں آنے سے پیشتر مسلمان ہو چکی تھیں (دیکھو ابن سعد کی روایت کتاب الاصابہ میں) ان وجوہ پر نظر کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ بعید نہیں ہے کہ ماریہ ایک خادمہ ہونگی اور انہیں کی کنیت بھی ام الرباب ہو گی اور اسی کو ابن سعد وغیرہ نے اپنے خیال سے کہدیا کان یطاھا بملک یمین +

زیادہ تعجب کی چند وہ غیر صحیح روایتیں ہیں جن کو اصحاب صحاح نے روایت نہیں کیا مگر اَور لوگوں نے روایت کی ہے کہ نزول سورہ تحریم کا سبب ماریہ قبطیہ کو ایک مرتبہ حرام کرلینا تھا +

That a Chapter of the Koran was revealed in the affair of maria the coptic is utterly wrong.

یہ روایت جیسا کہ ظاہر ہے سخاوت اور اسارت ادب سے خالی نہیں ہے۔ مگر ہم کو نقلاً بھی اُس کی صحت میں کلام ہے (۱) اس وجہ سے کہ عمائد اہل صحاح مثل بخاری ومسلم صاحب الصحیحین نے اس قصہ کی روایت نہیں کی اور اُن کا باوجود ضرورت اور حاجت کے اس قصہ کو طرح دینا اُس کی بے اعتباری کی دلیل ہو سکتا ہے۔ (۲) انہیں اہل صحاح نے اسی سورہ تحریم کی شان نزول میں نہ صرف یہی کیا کہ اس قصہ کو باوجود احتیاج چھوڑ دیا ہو بلکہ اسکے معارضہ میں ایک اَور ہی سبب یعنی تحریم عسل کی روایت کی ہے (۳) تحریم ماریہ کی سب روایتیں اخبار آحاد ہیں۔ (۴) مُعنعن ہیں (۵) بعضی مرسل بھی ہیں (۶) کوئی بھی ان میں سے مرفوع نہیں۔ اور ایسی روایتوں سے گو فقہی احکام کا استنباط ہؤا کرے مگر قطعیت واقعہ اور تاریخی حالات کے ثبوت میں یہ اخبار بالکل غیر مفید عام ہیں +

اَب ہم اس میں تھوڑی سی قدح تفصیلی بھی کرتے ہیں (۱) نسائی نے جو انس سے روایت کی ہے اُس میں ماریہ کا نام نہیں (کانت لہ امۃ یطاءھا فلم یزل بہ حفصۃ وعایشۃ حتی حرمھا) پس کچھ مفید نہیں (۲) طبری نے زید بن اسلم تابعی سے روایت کی ہے مگر اس روایت میں قطع نظر اس سے کہ ام ابراہیم کی کنیت میں اختلاف ہے ایک بڑا نقص یہ ہے کہ وہ روایت مرسل ہے اور اسی لئے ضعیف ہے۔ علامہ سیوطی نے تدریب الراوی شرح تقریب النواوی میں لکھا ہے۔ ثم المرسل حدیث ضعیف لا یحتج بہ عند جماھیر المحدثین کما حکاہ عنھم مسلم فی صدر صحیحہ وابن عبد البر فی التمہید وحکاہ الحاکم عن ابن مسیب ومالک والشافعی وکثیر من الفقہاء واصحاب الاصول والنظر للجھل بحال المحذوف لانہ یحتمل ان یکون غیر صحابی واذا کان کذلک فیحتمل

ان یکون ضعیفا وان اتفق ان یکون المرسل لا یروی عن ثقة فالتوثیق مع الابہام غیر کافٍ کما سیاتی۔ ولانہ اذا کان المجہول المسمّٰی لا یقبل فالمجہول عینا وحالا اولی (۳) طبرانی نے اور ابن مردویہ نے ابوہریرہ سے معنعن روایت کی ہے جس میں تحریم ماریہ کا ذکر ہے مگر وہ خبر معنعن ہے اور وہ ویسی ہی غیر معتبر ہے جیسی مرسل (۴) طبرانی کی ایک اور روایت ہیں طریق الضحاک عن ابن عباس الخ ہے اور ضحاک کثیرالارسال ہے اور اُس کی روایت ابن عباس سے بلاواسطہ نہیں ہے قال الزین العراقی والضحاک لم یسمع من ابن عباس اور علامہ سیوطی نے اتقان فی علوم القرآن میں لکھا ہے وطریق ضحاک بن مزاحم عن ابن عباس منقطعة فان الضحاک لم یلقه پس روایت منقطعہ غیر صحیح ہے (۵) سعید بن منصور نے ابی مسروق او حضرت عمرؓ سے جو روایت کی ہے اُس میں ماریہ قبطیہ کا نام نہیں اور وہ روایتیں معنعن ہیں پس ضعیف ٹھہرینگی اور نیز اصل راویوں نے اپنا ماخذ نہیں بیان کیا +

ایک تالیف جدید میں قصہ تحریم ماریہ کے ثبوت میں بڑا اہتمام کیا گیا مگر حاصل کچھ نہیں ہوا۔ صفحہ ۱۳۱ میں لکھتے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے باب "لم تحرم ما احل اللہ لک" عن سعید بن جبیر انہ اخبرہ انہ سمع ابن عباس یقول اذا حرم امراته لیس بشیئ وقال لکم فی رسول اللہ اسوة حسنة۔ قال الشارح واشار ذلک الی قصة ماریہ انتہی۔ مگر اس میں سارا زور وشور مستدل کا شارح کے قول پر ہے مگر وہ شارح کا صرف خیال ہے ممکن ہے کہ تحریم عسل کی طرف اشارہ ہو +

دوسری روایت انہوں نے نقل کی روی النسائی عن سعید بن جبیر ان رجلا سال ابن عباس فقال انی جعلت امراتی علی حراما فقال کذبت لیست علیک الحرام ثم تلی یا ایہا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک +

مگر اس میں تو قصہ ماریہ کا کہیں سان وگمان بھی نہیں۔ ظاہر ہے کہ ابن عباس نے اسمیں عموم لفظ قرآن سے استدلال کیا۔ یہ کچھ ضرور نہیں کہ سبب بھی خاص وہی ایک ہو۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں اختلف اہل الاصول ہل العبرة لعموم اللفظ او بخصوص السبب والاصح عندنا الاول وقد نزلت آیات فی اسباب ثم اتفقوا علی تعدیتہا الی غیر اسبابہا الخ +

اب ان روایتوں کے سوا اگر اور کوئی سند اس قصہ باطل کی پیش ہوگی تو اس میں بھی انہیں ضوابط اور قواعد سے نظر کی جاوے گی +

اور والدہ محمد بن حنیفہ کی مثال بھی بالکل غلط ہے کیونکہ وہ لونڈی نہ تھیں اور نہ اُن پر حضرت علیؓ نے لونڈی کے طور پر تصرف کیا چنانچہ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے اپنی تصنیفات میں صاف لکھا ہے "لم یستبحہا بالسبی بل نکحہا ومہرہا" +

اور حضرت شہر بانو بھی ملک یمین نہیں تھیں بلکہ وہ مدینہ میں آتے ہی قید سے رہا ہو گئیں
تھیں دیکھو مناقب ابن شہر آشوب اور بحار الانوار کی ۱۰ جلد +

(۱۱) عورتوں کے حق میں آزادی بہبودی تہذیب اور عفت لباس میں احترام (سورہ نور)
اور اُن سے گفتگو میں ادب (ولا تواعدوھن سرًا الا ان تقولوا قولًا معروفا - ۲ ح) کے احکام جاری کئے اور

Islam elevated and improved the state of female sex.

ایسے احکام ان کی حالت کے موافق اور مناسب صادر کئے جو حکما رسابقین سے نہ ہو سکے تھے اور ایسے ایسے احکام جن کو بجز اُس خالق حقیقی کے جو مرد اور عورت کی فطرت اصلی سے واقف اور اُن کا بنانیوالا ہو اور کوئی آگاہ نہیں ہو سکتا - جو بدرسمیں اور قبیح رواج عورتوں کی نسبت تھے اور جو کچھ اُنکے حق میں ظلم و زیادتی مردوں کی طرف سے ہوا کرتی تھی ان سب باتوں کی اصلاح کی - جاہلیت کی بدرسموں میں سے ایک یہ رسم عام تھی کہ باپ کے مرنیکے بعد بیٹا اُس کی سب بیبیوں کا جبرًا اور کرہًا ہوا کرتا تھا اور اُن سے نکاح بھی کر لیتا تھا مگر ان سب قبیح اور مکروہ دستوروں کو قطعًا موقوف کیا +

"یاایہا الذین امنوا لایحل لکم ان ترثوا النساء کرھًا" اور "ولا تنکحوا ما نکح اباءکم من النساء الا ما قد سلف انہ کان فاحشۃ ومقتا وساء سبیلا" (نساء) +

ایک مقام پر آنریبل ولیم میور صاحب اپنی سیرت محمدی (جلد ۳ صفحہ ۳۰۲) میں اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ ایک امر خاص میں محمد صلعم نے عورتوں کو ایک سخت اور ناگوار قباحت سے چھڑایا وہ یہ تھی کہ بیٹا اپنے باپ کی بیبیوں کا وارث ہوا کرتا تھا +

یہ رسم جیسے کہ قدیم سے ہوتی آئی تھی اُس وقت میں بھی اس کی ایک مثال ہے یعنی زید بن آمر بن نفیل اور حضرت عمر ابن خطاب بن نفیل باہم چچیرے بھائی اور ایک حساب سے چچا بھتیجے تھے یعنی آمر نے اپنے باپ کی بیوہ جیدہ سے نکاح کیا اور اُس سے زید ہوا جو آمر کا بیٹا اور نفیل کی بیوی کا بھی بیٹا ہوا (ایضًا جلد ۲ صفحہ ۵۲) جو جو ایسی صورتیں ہوئیں اور جو اور بھی اُس وقت موجود ہونگی وہ الا ما قد سلف کے حکم میں ہیں بنی اسرائیل بھی ایسا کر بیٹھتے تھے (۲ - صموئیل ۱۶/۲۲) +

(۱۲) عورت کو قرآن نے جملہ حقوق اور اختیارات میں مرد کے ہم مرتبہ اور تمام قابلیتوں میں مردوں کے مساوی قرار دیا ہے +

"لھن مثل الذی علیھن بالمعروف ۵۱" (جلد ۲) +

"للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن ۵۲" (نساء ۵ ع) +

---

۵۱ عورتوں کا بھی حق ہے جیسا اُن پر حق ہے موافق دستور کے (بقرہ ۲۸ ع) +

۵۲ مردوں کو حصہ ہے اپنی کمائی سے اور عورتوں کو حصہ ہے اپنی کمائی سے (ح ۵) +

بجز اس ایک قدرتی فوقیت کے جو صانع مطلق نے مرد کو عورت پر دی ہے +

"الرجال قوامون علی النساء"[۵۱] (۵ ح ۳ ع) +

"وللرجال علیہن درجۃ"[۵۲] (بقرہ ح ۲۸ ع)

عورتوں کے حقوق کے باب میں قدیم رسوم سے قطع نظر کر کے صرف انگلستان کے قانون کو دیکھا جاوے کہ ان لوگوں نے باایں ہمہ اصلاح و تہذیب عورتوں کے حق میں کیسے جور اور حیف کو جائز رکھا ہے اور مردوں کی خود رائی کے تابع کر دیا ہے۔ نکاح کے بعد بہت سے احکام میں عورت کی ذات ہی نہیں قایم رہتی وہ گویا اپنے شوہر میں مستہلک ہوگئی وہ اپنے نام سے کوئی معاہدہ نہیں کر سکتی اور اُس کی ذاتی جائداد جو قبل نکاح سے حاصل کی ہو وہ بھی شوہر کی ملک میں آتی ہے اور اُسے اختیار ہوتا ہے جیسے چاہے اُسے صرف کر دے۔ عورت کو اتنا بھی حق نہیں ہوتا کہ وہ اپنے نام سے یا اپنی ذات خاص کے لئے ضروریات خرید کرے یا منگوا بھیجے۔ گو مرد پر نان نفقہ عورت کا واجب ہے مگر رسم انگلستان میں اس کی تعمیل کرا پانیکا کوئی صاف ذریعہ نہیں ہے اور نہ عورت کو روٹی کپڑے کی نالش کر سکنے کا حق ہے مگر کچھ ضمنی صورتیں نکالی گئی ہیں۔ اور نیز بہت سے مدارج بدسلوکی اور اذیت کے ایسے ہیں جن کا کچھ چارہ نہیں نہ عورت کی کوئی فریاد سنتا ہے نہ عدالت کچھ کر سکتی ہے گو عورت اپنے شوہر سے مفارقت کر کے عرصہ سے الگ رہے مگر جو کچھ جائداد وہ حاصل کریگی وہ شوہر ہی کی ہوگی اگر عورت پیشتر سے کچھ بندوبست نہ کر لے تو عورت کا وہ مال و اسباب جو اُس نے ایام مفارقت میں حاصل کیا ہے اُسکے شوہر کے قرضخواہ اُسے لے سکتے ہیں۔ مرد کو اپنی کل جائداد کا اختیار حاصل ہے چاہے وہ اپنے سین حیات غیروں کو دے جاوے عورت کو کچھ نہیں دے سکتا۔ جب ایسے دستور جاری ہوں اور مرد تنک مزاج اور موم کی ناک ہو تو عورت کی بڑی حق تلفی ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں بعضی باتوں میں عورتوں کی رعایت اور مردوں کی حق تلفی بھی ہے۔ جرائم سنگین میں تو نہیں مگر اور جرموں میں اگر عورت اور مرد دونوں اُسکے مرتکب ہوئے ہوں تو عورت سزایاب نہ ہوگی جہان کی وجہ سے عورت کو یہاں تک بیپروائی ہے کہ زنا کی سزا سے بھی محفوظ ہے!! اور اگر عورت اپنے شوہر کا کیسا ہی مال و متاع لیجاوے تو اکثر صورتوں میں دونوں سے ایک بھی سزا نہ پاوے غرض یہ سب افراط و تفریط کے بیموقع قانون ہیں جن کی مہذب قومیں پابند ہیں گو اب اُسکے ابطال کیلئے بہت کچھ زور مارتی ہیں اور اُسکی شناعت و قباحت رفع کرنے کو حیلے بھی پیدا کئے ہیں مگر وہ امیروں کے لئے۔ اوسط اور ادنے درجہ کی قومیں اُن سے محروم ہیں البتہ اسکاٹ لینڈ کے قانون بعض باتوں میں کچھ معقول ہیں مگر پھر بھی

۵۱ مرد حاکم ہیں عورت پر +

۵۲ مردوں کو عورتوں پر درجہ ہے +

سب کے سب احکام الٰہی اور وحی کی اصلاح کے محتاج ہیں +

(۱۳) تمام ممالک ایشیا میں خصوصاً یہودیوں اور یونانیوں میں نکاح ایک قسم کی خرید و فروخت کا معاملہ ہوتا تھا کہ بیاہ کرنے والا لڑکی کے باپ کو ایک رقم معیّن دیتا تھا (پیدایش ۳۴ و ۱۲ - اصول ۱۸ و ۲۵ - اور ہوسیع نبی نے اپنی بیوی پندرہ روپیہ اور ڈیڑھ حومر جو خریدی تھی ۳/۲) اور ابتک بھی یہ رسم در روس ترک اور ملک ہا وران کے عیسائیوں اور بعض اعراب میں ہے مگر قرآن نے نکاح ایک عقد قرار دیا جو طرفین کے اختیار اور رضامندی سے ہوتا ہے اور زر مہر عورت کے باپ کو نہیں ملتا بلکہ خود عورت کا حق ہوتا ہے +

"وأتوا النساء صدقاتهن نحلة" سلہ (نساء ۱ع) +

"فما استمتعتم به منهن فآتوهن اجورهن فريضة" سلہ (نساء ۴ع) +

بعضے اعتراض کرنے والوں نے لفظ اجر پر اک گونہ تعریض کی ہے گویا اس کو نامناسب لفظ سمجھے مگر در اصل اس میں اشارہ ہے اس پر کہ زر مہر عورت کا اجر ہے جس کی وہ مستحق ہے نہ کہ اس کی قیمت جو اس کا باپ لیلے +

قرآن نے عورت اور مرد کی باہمی گذران میں کمال عدالت اور محبت کو برابر قایم رکھنا ضرور قرار دیا ہے اور مہر کا تقرر اور نکاح فسخ ہونیکی صورت میں واجب الادا اور ناقابل نقصان ہونیکی وجہ سے عورت کو خوش دل مطمئن رہنے اور مرد کو اس کا نیاز مند اور محتاج الیہا ہونے اور ہمیشہ کو ملے رہنے کی تدبیر کردی - اتحاد زوجین کی برکت اور مسرت اور اسکے نتیجہ میں حسن معاشرت کی حالت سے قرآن خوب واقف ہے +

Social affection and comfort of domestic life.

"وخلق لكم من انفسكم ازواجا لتسكنوا اليها وجعل بينكم مودة ورحمة" سلہ (روم ۳ع) +

اور پھر اسی طمانیت اور محبت نرم دلی کو جو باہم زوجین میں ہونی چاہئے ایک دائمی اور غیر قابل انتزاع اور لازوال اور غیر لایق انفصام تشبیہ میں بیان فرمایا +

"هن لباس لكم وانتم لباس لهن" سلہ (بقر ۱۸۲) +

اور چونکہ اسی غرض تجویز نکاح سے اقامت تدبیر منزل اور تعاون باہمی انتظام خانہ داری اور

سلہ اور دے ڈالو عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے +

سلہ پھر جو تم کام میں لائے ان عورتوں میں سے ان کو دو ان کے حق جو مقرر ہوئے +

سلہ بنا دیے تم کو تمہاری قسم سے جوڑے کہ چین پکڑو ان کے پاس اور رکھا تمہارے بیچ پیار اور مہر +

سلہ وہ پوشاک ہیں تمہاری اور تم پوشاک ہو ان کی +

تحصین فرج ہے اور یہ باتیں بغیر دائمی نکاح اور آپس میں مثل لباس ایک دوسرے کے محتاج رہنے اور ملے رہنے کے نہیں ہوتیں اس لئے ضرور ہوا کہ فطرت کی راہ سے اُن میں باہم مودت اور رافت خلق کی جاوے اور یہ سب مصلحتیں جو نکاح کے دائمی قائم رکھنے میں خیال میں آسکتی ہیں ان دو لفظوں میں بیان کر دیں ❖

مُحصنین غیر مسافحین ۵ (نساء) ❖

اس جملہ کی پہلی جز محصنین میں تمام حکمتیں اور بھلائیں جو نکاح سے متصور ہیں داخل ہیں اور جزو دوم غیر مسافحین میں تمام قباحتیں جو چند روزہ نکاح اور غیر منضبط طریق سے باہم معاشرت کرنے سے پیدا ہوتی ہیں منع کر دی گئیں۔ درحقیقت یہ فقرہ عجب جامع اور مانع ہے اور اس میں اثبات اور نفی سے تمام حکمت منزلی کے مصالح اور مفاسد سکھلائے گئے ہیں ❖

۱۵۔ جبکہ اس بیان سے نکاح کی مصلحتیں معلوم ہوئیں تو اسکی مقتضا سے طلاق کی ممانعت بھی (الا بعض ناگزیر حالتوں میں) ثابت ہوئی Divorce discouraged. کیونکہ برابر نکاح اور طلاق کی رسوم جاری رکھنے میں صرف عورتوں سے لذت حاصل کرنی ہے حالانکہ اسلام نے نکاح کی اصل علت محصنین قرار دی نہ کہ مسافحین۔ پھر جبکہ نکاح کی بنا تعاون پر ہے۔ اور مرد و عورت باہم باعث اطمینان اور ایک دوسرے کے مددگار دینی اور دنیاوی باتوں کے ہوئے (جیسا کہ لباس کی تشبیہ سے ظاہر ہے) تو پھر جب طلاق کی رسم نکلی تو یہ بات جاتی رہی۔ علاوہ ازیں اس رسم سے دونوں کے دلوں پر اس عقد اور نظم کی عظمت بھی جاتی رہتی ہے ایک کو دوسرے پر اطمینان اور اعتماد نہیں رہتا باہم کا اخلاص اور پیار جاتا رہتا ہے۔ دلوں میں نفاق پیدا ہو جاتا ہے اور طلاق کے اندیشہ میں خیانت اور اضطراب اور تربیت اولاد میں بالکل بے ترتیبی اور اصلاح منزل میں ابتری پڑ جاتی ہے۔ اور جہاں جہاں قرآن مجید میں نکاح کا ذکر اور زنا سے ممانعت ہے انہیں مقامات میں ان سب قباحتوں پر بھی اشارہ ہے ❖

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں (صفحہ ۳۲۵) ❖

اعلم ان فی الاکثار من الطلاق وجریان الرسم بعدم المبالاۃ بہ مفاسد کثیرۃ وذلک ان ناسا ینقادون لشھوۃ الفرج ولا یقصدون اقامۃ تدبیر المنزل ولا التعاون فی الارتفاقات ولا تحصین الفرج۔ وانما مطمح ابصارھم التلذذ بالنساء وذوق لذۃ کل امراۃ فیھیجھم ذلک الی ان یکثروا الطلاق والنکاح۔ ولا فرق بینھم وبین الزناۃ من جھۃ ما یرجع الی نفوسھم ولا تمیز واعنھم باقامۃ النکاح والموافقۃ لسیاسۃ المدینۃ وھو قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ الذواقین والذواقات

۵ قید میں آنے کو نہ مستی نکالنے کو ❖

وایضاً ففی جریان الرسم بذلک اهمال لتوطین النفس علی المعونة الدائمة وشیمة الدائمة وعسی ان فتح هذا الباب ان یضیق صدرہ لا تصدرها فی شیء من محقرات الامور فینذ فعان الی الفراق - واین ذلک من احتمال اعیاء الصحبة والاجماع علی ادامة هذا النظم وایضاً فی اعتیادهن بذلک وعدم مبالاة الناس به وعدم حزنهم علیه یفتح باب الوقاحة - وان لا یجعل کل منهما ضرر الآخر ضرر نفسه وان یکون کل واحد الاخر یجهد لنفسه ان وقع الافتراق وفی ذلک ما لا یخفی +

(۱۶) طلاق کی رسم تو یہودیوں میں عام اور بکثرت تھی اور موسوی شریعت میں اُس کو شاید مطلقاً جائز کر دیا تھا حتی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اُس کا عذر کرنا پڑا (متی ۱۹/۸) حضرت مسیح سے کچھ پیشتر نکاح کے باب میں فقہاء یہودیوں میں دو مذہب ہو گئے تھے شماعی اور اُسکے مقلدوں کی یہ رائے تھی کہ صرف فعل قبیح کے ارتکاب پر یا فاحشہ مبینہ پر طلاق دیجاوے اور ہلل اور اُسکے مقلدین کا یہ مذہب تھا کہ ادنےٰ سی خطا پر بھی عورت کو طلاق دیدینی چاہیئے - ان لوگوں کا یہ قول تھا کہ اگر کسی کو اپنی عورت بُری معلوم ہو تو اُسے نکال ڈالے (استثنیات ۲۴ و ۱) ربی عقبہ کہتا ہے کہ اگر کوئی مرد کسی عورت کو اپنی عورت سے خوبصورت پاوے تو اپنی عورت کو نکالدے کیونکہ لکھا ہے کہ اگر وہ اُسکی نظر میں اچھی نہ معلوم ہو الخ - قرآن صریح اُسکے خلاف کہتا ہے " فان کرهتموهن فعسیٰ ان تکرهوا شیئاً ویجعل الله فیه خیراً کثیراً "[۵۱] (نساء ۳ ع) معلم ہلل کہتا ہے کہ اگر کسی کی عورت اپنے شوہر کا کھانا بہت نمک ڈال کے خراب پکاوے یا اُسے زیادہ بھون دے تو وہ عورت طلاق دیجاوے مگر قرآن کہتا ہے " لا تدری لعل الله یحدث بعد ذلک امراً "[۵۲] (طلاق) +

یورپ کے ملکوں میں رومن کیتھلک مذہب کی رُو سے تو جیسا کہ کونسل آف ٹرینٹ ۱۵۶۲ء میں قرار پایا زنا کے بعد بھی طلاق نہیں ہو سکتی - انگلستان وغیرہ ملکوں میں جب سے اصلاح ہوئی ہے تب سے قاعدہ طلاق میں کچھ تبدیل ہوئی نیویارک میں صرف زنا پر طلاق ہوتی ہے اور اَور ملکوں میں زنا پر اور نہایت ظلم سے بدسلوکی پر اور قصداً مفارقت اختیار کرنے پر اور عرصہ دراز

---

۵۱ پس اگر وہ تم کو نہ بھاویں تو شاید تم کو نہ بھاوے ایک چیز اور اللہ رکھے اُس میں بہت خوبی +

المعنی فان کرهتموهن فلا تفارقوهن بکراهة الانفس وحدها فربما کرهت النفس ما هو اصلح فی الدین وادنی الی الخیر واحبت ما هو بضد ذلک ولکن النظر فی اسباب الصلاح وانما صح قوله فعسیٰ ان تکرهوا جزاً للشرط لان المعنی فان کرهتموهن فاصبروا علیهن مع الکراهة فلعل لکم فیما تکرهون خیراً کثیراً لیس فیما تحبون - مدارک التنزیل نسفی +

۵۲ اُس کو خبر نہیں شاید نیا نکالے اللہ اُسکے پیچھے کوئی کام +

تک نامعلوم غائب رہنے پر بھی طلاق ہوتی ہے - اور انگلینڈ میں طلاق کا باعث زنا اور ایذا رسانی ہی ہوتا ہے اور اسکاٹ لینڈ میں زنا یا قصداً چھوڑ کر چلے جانے سے طلاق ہو جاتی ہے انگلستان میں قانون وکٹوریا جاری ہونے سے پہلے ایسی عورت کے لئے جسے اُس کے خاوند نے قصداً چھوڑ دیا ہو چارہ جوئی اور دادرسی کی سبیل نہ تھی - اب ایسی صورت میں عدالت سے افتراق ہو جاتا ہے اور اگر مفارقت کے ساتھ زنا بھی ہمردیف ہو تو طلاق بھی ممکن ہے +

(۱۷) قرآن سے مرد کو کبھی اختیار نہیں دیا کہ بلا وجہ شدید اور بغیر پیشتر کی اطلاع کے دفعۃً واحدۃً اور مطلقاً اور فوراً اور بلا کسی شرط کے طلاق دیدے اور معاشرت اور تمدن کی خوبی اور خوشی اور برکت کو اپنی تنک مزاجی یا شکر رنجی سے کھو ڈالے اور برباد کر دے - میں یہاں چند اشارے کلام مجید سے طلاق کی ممانعت پر نقل کرتا ہوں +

Texts of the Koran discouraging divorce.

(۱) "وعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسیٰ ان تکرھوا شیئاً ویجعل اللہ فیہ خیراً کثیراً" (نساء ۳ ع) +

یعنی گزران کرو عورتوں کے ساتھ اخلاق سے پھر اگر تم کو وہ بُری معلوم ہوں تو اس پر صبر کرو اور اُن کو جُدا نہ کرو شاید تم کو نہ پسند ہو ے کوئی چیز مگر خدا نے اسی میں اصلاح اور خیر اور برکت رکھی ہو - دیکھو تفسیر مدارک مندرجہ دفعہ سابق +

(۲) "وبعولتھن احق بردھن فی ذالک ان ارادوا اصلاحاً" (بقر ۲۸ ع) +

یعنی عدت کے زمانہ میں اُن کے خاوندوں کا حق ہے اُن کا پھیر لینا اگر چاہے صلح کرنی اس میں ترغیب ہے اس پر کہ ملے رہنے میں صلاح ہے اور الگ ہو جانے میں فساد +

(۳) "لا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتموھن شیئاً" الآیۃ (بقر ۲۹ ع) +

یعنی تمکو حلال نہیں کہ لے لو کچھ اپنا دیا ہوا عورتوں کو الخ اس کو ملاؤ اُس آیت سے جہاں مہر کو قنطار کے لفظ سے تعبیر کیا ہے یعنی ڈھیر والا بلا نہایت اس میں بھی مصلحت ہے کہ جب زرمہر سے کچھ بھی لے لینا حرام ٹھہرا اور ادھر مہر کی کوئی حد نہیں رکھی تو یہ اسی ممانعت طلاق کا بندوبست ہے +

(۴) "فان طلقھا فلا تحل لہ حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ فان طلقھا فلا جناح علیھما ان یتراجعا" +

یعنی اگر کوئی تیسری بار بھی طلاق دیدے تو پھر وہ اس پر حلال نہیں ہو سکتی مگر اس صورت میں کہ وہ عورت کسی اَور سے نکاح کر لے اور پھر شاید وہاں سے ایسی ہی نا اتفاقی ہو کر طلاق تک نوبت آوے تب ہو سکتا ہے اس میں ہمیشہ حرام ہو جانیکی دھمکی ایسی ممانعت طلاق کی تدبیر ہے - اور جب ایسی ایسی تحریریں اور تدبیریں منع طلاق کی ہیں تو دوسری جگہ سے طلاق کیوں

ہونے لگی تھی +

(۵)۔ زید نے اپنی بی بی کو طلاق دینا چاہا جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعاً منع فرمایا "وامسک علیک زوجک واتق اللہ" (احزاب ۲۲ ع ۴) +

(۶) "والصلح خیر" (نساء ۱۹ ع) +

یعنی عورت اور مرد میں باہم صلح کر لینی خوب چیز ہے +

(۷) "لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا" (طلاق) +

یعنی کیا معلوم ہے کہ خدا اسکے بعد نیا کام نکالے یعنی اُن میں صلح کی توفیق اور ترک ارادہ طلاق کی سبیل کر دے +

۱۸۔ قرآن میں وہی تین موقع طلاق کے جائز ہو سکنے کے پائے جاتے ہیں اور وہ صورتیں وہی ہیں جو اصلی اور قدرتی عقد کی غرض اور نکاح کے مقصود کے خلاف ہیں اور ایسی صورتوں میں طلاق کو جائز رکھنا عین حکمت اور مصلحت ہے +

Divorce permitted not to gratify the levity, caprice or profligacy of either party but only in the case of unfaithfulness of nuptial vow.

(۱) ایک صورت طلاق کو بے الزام جائز رکھنے کی یہ ہے کہ عقد کے بعد اور خلوت ہونے سے پیشتر طلاق دیدیجاوے تو اس میں کوئی گناہ یا قباحت غلطی نہیں ہے کیونکہ یہ نکاح کوئی لغوی نکاح نہیں ہے بلکہ اصطلاحی نکاح ہے یعنی وہ ایک معاملہ ہے قول و قرار کا اور اس سے وہ غرض جو فطرت الٰہی میں خلق ازواج سے ہے حاصل نہیں ہوئی ہے +

"لا جناح علیکم ان طلقتم النساء ما لم تمسوھن" (بقر ۳۱ ع) +

یعنی اگر عورتوں کو جن سے عقد ہوا ہو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دیدو تو کچھ مضائقہ نہیں ہے الخ۔ ایسے ہی احزاب کی ۴۸ آیۃ ۶ ع میں اصطلاحی نکاح میں بھی عورت کے لئے بڑی رعایت اور احسان کیا ہے یعنی جب ایسی صورت میں مہر مقرر ہوا ہو تو دستور کے موافق اُس کو خرچ دینا چاہیئے اور اگر مہر مقرر ہو چکا ہو تو نصف مہر دینا چاہیئے اس قدر تو ضروری ہے اِلّا عورت سب چھوڑ دے یا مرد سب دیدے تو اور بھی بہتر ہے (دیکھو اُسی آیت کے بعد کی آیتیں) +

(۲) دوسری صورت امکان طلاق کی یہ ہے کہ عورت زنا کرے چونکہ خدا نے نکاح کو تحصین کا ذریعہ بنایا ہے۔ اور ہر جگہ محصنین غیر مسافحین ولا متخذی اخدان کے لفظ فرمائے ہیں[۵۱] تو جب اسکے خلاف کوئی فعل ہو گا وہ فطرت الٰہی وضع ربانی اور شرع اسلامی کے خلاف ہو گا[۵۲] و لا

---

[۵۱] نساء ۴ ع (ذکور) اور مائدہ ۱ ع +

[۵۲] اسکے پہلے کو ھا پر وقف موجود ہے اور یہ جملہ مستانفہ اور جدیدہ ہے +

تعضلو هن لتذهبوا ببعض ما اٰتیتموهن الّا ان یاتین بفاحشۃ مبیّنۃ' (نساء ۶۳) یعنی جائز نہیں کہ تم اپنی بیبیوں کو بند رکھو تاکہ اُن سے کچھ مہر یں چھڑا لو مگر اس حالت میں کہ جب وہ صریح بے حیائی کا کام کریں۔عن الحسن الفاحشۃ الزنا فان فعلت حل لزوج ان یسالہ الخلع (مدارک) یعنی حسن کہتا ہے کہ فاحشہ سے مراد زنا ہے اور جب عورت زنا کرے تو مرد کو جائز ہے کہ اُس سے خلع چاہے۔اور یہی مضمون سورہ طلاق کی پہلی آیت میں بھی ہے" ولا تخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشۃ مبیّنۃ" یعنی مت نکالو انکے گھروں سے اور وہ بھی نہ نکلیں مگر جو کریں صریح بے حیائی +

(۳)۔تیسری صورت امکان اور جواز طلاق کی گو نہ خواہ مخواہ طلاق کی یہ ہے کہ نشوز اور ایذا اور بدخلقی عداوت نفاق سوء العشرۃ اور فساد منزل کی صورتیں پیش آویں اس کا علاج طلاق ہی نہیں بلکہ اس کی تدارک اس طرح پر چاہیئے +

(ا)" واللّٰتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلاً" (نساء ۶) +

یعنی جن عورتوں کی بدخوئی کا تم کو ڈر ہو تو اُن کو سمجھا دو اور جدا کرو سونے میں اور اگر اس پر بھی نہ مانیں تو مارو (آہستہ سے تادیباً) پس اگر مان جاویں تو اُن پر الزام نہ تلاش کرو (یعنی طلاق نہ دو) +

(ب)۔وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا ان یریدا اصلاحًا یوفق اللّٰہ" +

یعنی اگر تم ڈرو کہ وہ دونوں آپس میں ضد رکھتے ہیں تو کھڑا کرو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک منصف عورت والوں میں سے اگر یہ دونوں (منصف) چاہینگے صلاح تو خدا ملاپ کر دیگا ان میں +

(ج)" وان امراۃ خافت من بعلھا نشوزا او اعراضاً فلا جناح علیھما ان یصلحا بینھما صلحًا والصلح خیر واحضرت الانفس الشح وان تحسنوا وتتقوا فان اللّٰہ کان بما تعملون خبیراً" (نساء ۱۹ ع) +

یعنی اگر کوئی عورت ڈرے اپنے خاوند کے لڑنے سے یا جی پھر جانے سے تو وہ دونوں آپس میں صلح کر لیں اور صلح خوب چیز ہے اور جیئوں کے آگے دھری ہے حرص اور اگر تم نیکی کرو ان عورتوں سے (اس طرح پر کہ گو وہ تمہیں ناگوار ہوں مگر تم صبر کئے رہو اور اُن کی صحبت کی رعایت کرو) اور بچو (لڑنے سے اور جی پھر جانے سے) تو خدا کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے +

بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ مسیح علیہ السلام نے صرف حرامکاری کی صورت میں طلاق

جائز رکھی ہے گر جس لفظ کا ترجمہ حرامکاری کیا جاتا ہے وہ نہ صرف زناہی کے واسطے ہے بلکہ اس سے نشوز اور بیوفائی اور عذر جو عورت کی طرف سے ہو مراد ہے چنانچہ سڈن اور ملٹن نے رسالہ اگزور عبریہ اور اعتقادات عیسویہ میں بہت سی اسناد ربانیاں یہود کے محاورے اور کتب مقدسہ کے حوالوں سے ثابت کیا ہے +

۱۹۔ جبکہ مرد اور عورت میں جو ایک بڑی مضبوط زنجیر اور پکے عہد سے باندھی گئی اور فطرت الٰہی کے قانون کے محکوم ہیں کوئی وجہ شدید اور باعث قوی نہ بسر ہوسکنے یا غرض اصلی کے نہ حاصل ہوسکنے کا ہو تو نااتفاقی شدید اور بے لطفی ناقابل برداشت کی حالت میں یا زوج کے ترش مزاج یا تلون طبع ہونیکی صورت میں اس عہد موثق اور عہد دائمی کا ایسی آسانی سے دفعۃً اور بغتۃً ٹوٹ جاسکنے کا حکم نہیں دیا بلکہ علاوہ ان تدارک اور تدبیروں کے جن کا بیان پچھلی دفعہ میں مفصل گذرا جب بناچاری و بمجبوری ارادہ طلاق اور قصد مفارقت کی نوبت آجاوے تب بھی ایک مدت دراز مہلت فکر اور غور کرنے کو دی گئی اور اس عرصہ میں بھی کئی ایک تدبیریں صلح کی قایم کردیں +

(۱) "اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن واحصوا العدۃ واتقوا اللہ" (سورہ طلاق) [1]

عدت کے مقرر ہونے میں ایک خاص اور بڑی مصلحت یہی ہے کہ باہم صلح ہو جاوے۔ اور بعولتھن احق بردھن فی ذالک کا بیان اسی پچھلی دفعہ میں گذرا +

(۲) پھر اس عدت میں عورت کو اپنے گھر سے نہ جانے دینا چاہیئے اور نہ وہ عورت خود جاوے الّا یہ کہ زنا کی صورت ہو +

لاتخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن الّا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ (طلاق) +

(۳)۔ پھر جہاں مرد خود رہے وہیں عدت والی عورت کو بھی جگہ دے +

"واسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم ولا تضاروھن لتضیقوا علیھن" (طلاق) +

یہ سب تدبیریں اس مصلحت سے ہیں کہ ان کے باہم سے رنجش دور ہو اور باہم رغبت کریں اور ہر کوئی ناعاقبت اندیش ذراسی سوء مزاجی یا اختلاف پر طلاق نہ دے بیٹھے +

(۴) بالآخرہ سورہ طلاق میں یہ بھی ہے کہ عدت پوری ہو جانے کے بعد یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ طلاق ہی دیجاوے اور مفارقت ہی اختیار کیجاوے بلکہ یہ حکم ہے +

"فاذا بلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او فارقوھن بمعروف" +

یعنی جب وہ پہنچیں اپنے وعدہ کو تو یاد رکھ لو دستور سے یا جانے دو دستور سے +

۲۰۔ اکثر مخالفوں نے قرآن میں طلاق کے احکام کو دیکھکر سمجھا کہ صاحب قرآن کی نظر

[1] جب تم طلاق دو عورتوں کو تو طلاق دو ان کی عدت پر اور گنتے رہو عدت اور ڈرو اللہ سے +

میں یہ ایک ہلکی سی بات ہے اور عدم مبالات کی نظر سے دیکھکر سمجھتے ہیں کہ قرآن نے عموماً طلاق کے جواز سے حسن معاشرت کی خرابی تدبیر منزل کا فساد اور باہم آسایش کی گزران میں بدنظمی اور تربیت اولاد میں ابتری روا رکھی مگر اُن لوگوں نے ان حکموں میں کبھی غور سے نظر نہیں کی کسی فقیہ سے احکام پوچھ لئے یا احکام قرآنی کو اُس کی رائے پر حمل کر لیا اور ظاہر ہے کہ فقیہ کا منصب حمایت اسلام و دفع مطاعن نہیں ہے اس کو ہر ایک صورت اور ضرورت کے احکام جو احکام قرآنی اور رائے اور قیاس سے نکل سکیں بتادینے سے کام۔ البتہ متکلمین اسلام کا یہ کام ہے +

طلاق کو ایسے ناگزیر اور سخت موقع پر جن کا ہم نے بیان کیا ہے جائز رکھنا انسان کے حق میں بڑی بہبودی اور احسان کا کام ہے ایسے ازدواج سے جن میں دونوں کی زندگی حرام اور عیش تلخ ہو مخلصی دلانا عین حکمت ہے۔ جو لوگ طلاق کے باب میں بہت سخت ہیں وہ بھی دو ایک صورت طلاق کی جائز رکھتے ہیں۔ پھر جب کسی ضرورت شدید سے اُس کا جواز ماننا پڑا تو پھر اُس کے احکام قلمبند کرنے بے عقلی ہیں اور نہ اُن احکام کے بیان سے طلاق کی اباحت ایسی بے پروائی آزادی اور مطلق العنانی سے ثابت ہو سکتی ہے۔ اگر ایام جاہلیت کی رسوم ازدواج و طلاق کو دیکھا جاوے تو ثابت ہووے کہ جملہ احکام طلاق ان بدرسموں کی اصلاح اور تہذیب میں صادر ہوئے ہیں جن کی حرکتیں بہایم اور درندوں کی مانند تھیں یا ان شدید التعصب وہم باطل کی درستی کے لئے تھے جو وقوع زنا پر بھی طلاق کو جائز نہ سمجھتے تھے پس ان سب افراط اور تفریط پر نظر کر کے اُس کی قباحتیں روکی گئیں اور برائیاں دفع کی گئیں نہ کہ از سر نو اجازت دی گئی ہو یا ابتداءً جاری کیا ہو +

(۲۱) اب ہم پھر اُن احسانات اسلام کا بیان کرتے ہیں جو بنی نوع انسان پر مبذول فرمائے گئے +

Beneficial ordinances in the favor of female sex.

ایام جاہلیت میں طلاق کے حیلہ سے بہت ظلم کیا کرتے تھے مثلاً عورتوں کو حبس میں کر رکھتے تھے یا معطّل چھوڑ دیتے تھے تاکہ وہ زر مہر میں سے کچھ چھوڑ دیں یا طلاق کے بعد بھی اُن کو اس غرض سے روک رکھتے تھے کہ کسی اور سے نکاح نہ کریں تاکہ زوج سابق کی ذلت نہ ہو مگر قرآن نے ان سب باتوں کو منع کیا اور زن مطلقہ سے کچھ واپس لینا کیسا اُلٹا اسے کچھ دینا واجب ٹھہرایا +

(۱) "ولا تمسکو ھن ضرارا لتعتدوا ومن یفعل ذالک فقد ظلم نفسہ" یعنی عورتوں کو بند نہ کرو ستانے کے لئے اور جو کوئی ایسا کرے اُس نے اپنے حق میں بُرا کیا (بقرہ ۲۹ع) +

(۲) "فاذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فلا تعضلو ھن ان ینکحن ازواجھن اذا تراضوا بینھم بالمعروف" یعنی جب طلاق دی تم نے عورتوں کو اور وہ پہنچ چکیں عدّت کو تو اب نہ روکو اُنکو

کہ نکاح کرلیں اپنے خاوندوں سے جب راضی ہوجاویں موافق دستور کے (ایضاً ۳ع) +

(۳) اس میں اس بات کا بھی اشارہ نکلتا ہے کہ عورت کے میکے کے لوگ اُس کو بعد عدت اپنے شوہر سے پھر ملجانے کو نہ روکیں +

(۴) "وللمطلقات متاع بالمعروف حقا علی المتقین" (بقر- ۳ ع) +

(۵) - اگر طلاق پانے والی عورت پیٹ سے بھی ہو تو جبتک وہ بچہ نہ جنے اُس کو کھانا کپڑا اپنی حیثیت کے موافق دینا ضرور ہے - اور اگر بچے کو دودھ بھی وہی پلاوے تو پھر اُسکی اُجرت جُداگانہ +

(۶) "وان کن اولات حمل فانفقوا علیہن حتی یضعن حملہن فان ارضعن لکم فاتوھن اجورھن" (طلاق) +

یعنی اگر وہ عورتیں پیٹ سے ہوں تو اُن کو نفقہ دو جبتک بچّہ ہو اور اگر دودھ پلاویں تمہاری خاطر تو اُن کو دو اُن کے نیگ +

۲۲ - بیوؤں کے نکاح اور لونڈی اور غلاموں کے نکاح کا عام حکم عرب کی رسم کے خلاف اور رومن کیتھلک کے علے الرغم جاری کیا چنانچہ فرمایا (Objections refuted). ہے "وانکحوا الایامیٰ منکم والصالحین من عبادکم وامائکم - ان یکونوا فقراء یغنہم اللہ من فضلہ" ۵لے (نور ۴ ع) +

اس آیت کا آخری فقرہ کہ اگر وہ لونڈی اور غلام محتاج ہونگے تو خدا اُن کو اپنے فضل سے مالدار کردیگا اس پر دلیل ہے کہ غلام بھی اپنے مال کے مالک ہوتے ہیں اگلے زمانہ میں اور اب بھی غلاموں کی یہ خرابی ہے کہ وہ آپ کسی جائداد کے مالک نہیں تصور کئے جاتے اور اسی وجہ سے غلاموں کے مالک اُن کو ازدواج سے بھی محروم رکھتے تھے +

اہل عرب اپنے باپ کی جوروؤں کے نکاح میں مضائقہ کرتے تھے اس طرح کہ وارث خاندان اپنی سوتیلی ماؤں کو روک رکھتا تھا تاکہ وہ دوسری شادی نہ کریں اور عیسائیوں میں ایک قسم ایسی عورتوں کی تھی جو تمام عمر بے شوہر رہتی تھیں اور ایک فرقہ ایسے مردوں کا تھا جو مذہبی امور کی پابندی سے تمام عمر نکاح نہیں کرتے تھے اور پوپ اور کونسل کے فتوے اس باب میں بہت سی قباحتوں کے باعث ہوئے اور اُن کی بنا نہ صرف پوپ کی بدعات اور رسوم پر تھی بلکہ پولوس مقدس کی رائے کا رجحان بھی باوجود طمطاؤس ۱:۱۵ کے اسی طرف تھا دیکھو اول کرنتھیون باب ۷ ورس ۸ و ۲۶ و ۳۷ و ۳۸ و ۴۰ +

۵لے اور بیاہ دو رانڈوں کو جو تم میں ہوں اور جو نیک ہوں تمہارے غلام اور لونڈیاں اگر وہ ہونگے مفلس اللہ اُن کو غنی کرے گا اپنے فضل سے +

اور جو جو قباحتیں ان بدرسموں کے پیدا ہونے میں اور جو جو قاعدے کلیسیا میں بڑے بڑے عہدے پانے والوں کے تجرد کے لئے مقرر ہوئے اُن کی ایک بڑی تاریخ ہے۔ عیسوی مشائخ میں سے جیروم (د ۴۲۰ء) اور امبروس (د ۳۹۷ء) اور رومانی اُسقفوں میں سے داماسیوس (د ۳۸۴ء) اور سری سیوس (د ۳۹۹ء) اس کے بڑے حامی تھے اور ۳۰۵ء کی کونسل البریس میں ہر بشپ اور ڈیکن اور پادریوں کو تجرد کا عام حکم ملا اور تولیدو کی کونسل ۵۸۹ء میں یہ حکم نکلا کہ کلرجی (پادری) کسی عورت سے مشتبہ پایا جاوے تو قاضی اس عورت کو بیچ ڈالے اور اسکی قیمت مسکینوں کے صرف میں لاوے۔ اُسقف جرجیس اکبر تجرد کے مسئلہ کا بڑا حامی تھا اور ایک نقل مشہور ہے کہ جب اُس نے اپنا تالاب صاف کرایا تو اُس میں چھ ہزار بچوں کی کھوپریاں نکلیں۔ یہ نتیجہ اُس قانون کا تھا جس میں اُس نے دینی عہدہ داروں کو مناکحت سے ممانعت کی تھی۔ اس نتیجہ میں جو جو خرابیاں ہوئیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ پادریوں کے لڑکے جو باوجود اس تجرد کے ہوئے بغیر نہیں رہتے تھے کالعدم قرار دیے گئے اور بینیڈکٹ ۸ نے کونسل پیوپیا ۱۰۲۲ء میں اُن لڑکوں کو کالعدم قرار دیکے ہمیشہ کی غلامی میں دیدیا۔ اور شہنشاہ ہنری ثانی نے ان احکام کی تعمیل میں سیاست بھی ہمردیف کردی۔ آخر الامر سینکڑوں برس کے بعد ان خرابیوں کی اصلاح شروع ہوئی۔ اور لوتھر گو سب سے اوّل تو نہیں گر وہ بھی منجملہ منکرین مسئلہ تجرد تھے اور ۱۵۲۵ء میں کھترین دین پورا سے جو دائمی تجرد کی نذر کر چکے تھے مگر پھر اس سے پھر گئے تھے نکاح کیا۔ قرآن میں اس رہبانیّت کی اصلاح ان لوتھر وغیرہ لوگوں سے صدہا سال پیشتر ہو چکی تھی۔ اور جو ٹھیک ٹھیک اس کی منشاء اور کیفیّت تھی اس پر اشارہ ہوا ہے ✦

"ورھبانیۃ ابتدعوھا ماکتبنٰھا علیھم الا ابتغاء رضوان اللہ فمارعوھا حق رعایتھا" (حدید ۴ع) ✦

یعنی عیسائیوں نے دنیا چھوڑنا نیا نکالا ہم نے ان پر واجب نہیں کیا تھا یہ اُنہوں نے خدا کی رضامندی کے لئے نکالا مگر جیسے نباہنا چاہئے تھا نہ نباہا ✦

اور لارھبانیۃ فی الاسلام بارہ سو برس سے مشہور ہے ✦

۲۳۔ اس مقام پر چند اعتراضات متعلق مسائل نکاح و طلاق نقل کر کے اُن کا جواب (Objections refuted) لکھنا بہت ضرور ہے گو میں دیکھتا ہوں کہ مضمون طول ہوا جاتا ہے۔ مگر ان اعتراضوں سے یہ فائدہ ہے کہ عوام ملاؤں کی آنکھیں کھلیں اور جو اسے یہ فائدہ ہے کہ اسلام یا قرآن پر سے بیجا تہمتیں رفع ہوں اور اُسکے احکام کی خوبیاں ظاہر ہوں اور نیز جو کچھ خالص احکام قرآن اور رسوم باطلہ میں فرق ہے وہ بھی عیاں ہو جاوے ✦

اعتراض

لونڈیوں کی تعداد کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ اُن سے ہر کوئی مسلمان بلا لحاظ اپنی چار عورتوں کے اور بغیر کسی رسم ماقبل یا ضمانت مابعد تصرف کر سکتا ہے اور لونڈیاں بنانے کی رسم اس نامحدود اجازت کے لئے ایک ضروری شرط ہے اور کوئی مسلمان اپنے دل سے یا خوشی سے اس کے بند ہونے پر راضی نہ ہوگا ٭

جواب

ہم نے اپنی نویں دفعہ میں بیان کیا ہے کہ قرآن مجید کے لفظ نساء میں آزاد اور غیر آزاد دونوں داخل ہیں پس چار کے عدد سے محدود ہیں۔ اور یہ بھی وہیں بیان ہو چکا ہے کہ لونڈیوں سے نکاح اُس صورت میں تھا جب کہ آزاد سے نکاح کا مقدور نہ ہو پس جبکہ ایک کا وجود دوسرے کی نفی پر موقوف ہے تو دونوں کے جمع کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ اور ہم نے بعض فقہا کے قول کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اذا کان تحتہ حرۃ لم یجز لہ نکاح الامۃ (ابو حنیفۃ امام۔ تفسیر کبیر) پس یہ اعتراض قرآن پر بیجا ہے۔ اور بغیر کسی رسم کے اُن کا تصرف بھی میں تسلیم نہیں کرتا کیونکہ فانکحوھن باذن اھلھن میں صاف نکاح کا حکم ہے اور پھر دوسرا فقرہ محصنات غیر مسافحات[۱] اور ولا متخذی اخدان اور یہی صورتیں مداومت کی ہیں۔ اور ضمانت کے واسطے مہر کا تعین کنیزکوں سے ویسا ہی ہے۔ جیسا کہ آزاد سے واٰتوھن بالمعروف اور دیدو اُن کو اُن کے مہر موافق دستور کے (نسا، ۴ع)۔ اور یہ بات کہ مسلمان کبھی اس رسم ملک یمین کے بند ہونے پر راضی نہ ہونگے اس کا جواب فقہا کے ذمہ ہے ٭

۲۔ اعتراض

یہ اکثر کہا جاتا ہے کہ اسلام نے عورتوں کی حالت میں تہذیب اور اصلاح کی۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ اسلام نے ازدواج کی صورت میں بہ نسبت زمان جاہلیت کے عورت کی حالت زیادہ تر ذلیل اور پست کر دی ہے البتہ ایک امر خاص میں تو یعنی بیٹے کا اپنے باپ کی بیواؤں کا وارث ہونا اس میں تو اسلام نے عورت

جواب

شریعت اسلام کی اصلاحوں کی خوبی اور خصوصاً منزلی تدبیروں کا حسن تب ہی خوب معلوم ہوتا ہے۔ جب جاہلیت کی رسوم اور آداب نکاح اور ملکوں کے بلکہ بلادِ فرنگ کی اب تک کی رسوم ازدواج کو بلا سبق ظن اور تعصب قرآن کے احکام سے مقابلہ کیا جائے ٭

جو باتیں معترض نے منکوحہ عورتوں کے

[۱] یعنی وہ لونڈیاں قید میں آتیاں نہ مستی نکالیں اور نہ چھپٹی بازی کرتیاں ٭

کو ایک سخت اور شدید خراب حالت میں چھوڑ دیا ہے اور کوئی آزاد عورت شریعت اسلام کی رُو سے اپنی مرضی کے خلاف نکاح کرنے پر مجبور نہیں ہو سکتی۔ مگر ازدواج کی صورت میں جو حیثیت عورتوں کی اسلام نے قرار دی ہے وہ ایک ایسی کمینی اور ذلیل مخلوق ہے جو اپنے شوہر کی خدمت کے لئے مخلوق کی گئی ہے اور بغیر ایک گھنٹہ کے پیشتر سے خبر دینے کے نکال دیجاتی ہے اور خاوند کو ایسا اختیار مطلقاً فوراً بے غور و تامل طلاق دینے کا دیا ہے مگر عورت کے لئے کوئی رعایت اس قسم کی نہیں رکھی وہ تو اپنی مرضی کے خلاف اور معطل ہمیشہ اپنے خاوند کی لونڈی بنی ہوئی اور معلق رہتی ہے۔ جب کہ درحقیقت طلاق ہو جاوے تو وہ اپنے مہر کا دعویٰ کر سکتی ہے گو اس بات کا علم کہ عورت ایسا دعویٰ کر سکتی ہے دفعتاً مرد کی رائے نہ بدلنے کی ایک ناخوش روک تو ہے مگر لونڈیوں کے حق میں یہ ناقص قید بھی نہیں ہے اور مرد کو صرف طلاق ہی کا اختیار نہیں ہے بلکہ حبس کرنے اور مارنے کا حکم بھی صاف صاف دیا گیا ہے۔ دیکھو سورۂ نساء کی ۳۴۔ آیت" +

حق میں قرآن سے منسوب کی ہیں وہ بے بنیاد ہیں۔ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ قرآن نے ازواج کی پیدایش مردوں کی تسکین اور محبت اور رافت کے واسطے کی ہے[۵۱]۔ اور پھر اُن کو باہم ایک دوسرے کے لباس سے تشبیہ دی ہے[۵۲] اور اس میں اُن کے عزیز اور گرامی اور بالکل محتاج الیہا ہونے پر اشارہ کیا ہے اور اُن سے نیک طریق پر معاشرت کرنے اور صلح قائم رکھنے کی مکرّر وصیت فرمائی ہے[۵۳] اور اُنکے حقوق کو آزادی اور اختیار اور جملہ تصرفات میں مردوں کے مساوی قرار دیا ہے[۵۴] اور جہاں تک نیچر اور عرف نے اجازت دی ہے جیسے عورتوں پر حق ہے ویسا ہی اُن کا بھی حق ہے[۵۵] +

اور تعجب ہے کہ معترض نے طلاق کو ایسا سمجھا کہ بغیر ایک گھنٹے کی نوٹس کے بھی مطلقاً اور فوراً موثر ہو جاتی ہے یا کوتہ اندیشی اور غصّہ کی حالت میں فوراً نافذ ہو جاتی ہے حالانکہ جو وجوہ اور اسباب نکاح کے قرآن میں لکھے ہیں وہ خود ہی مانع طلاق ہیں اور پھر صورت ناگزیر اور واقع لا علاج جو باعث فساد منزل اور موجب انفکاک نظم ہو اس میں سے ایک یا دو مرتبہ کی طلاق کو کافی نہیں سمجھا بلکہ ایک بڑی مدّت فکر اور تامل کے واسطے مقرر فرمائی اور

---

۵۱ سورۂ روم ۳ع +

۵۲ سورۂ بقر ۱۸۲ آیت +

۵۳ سورۂ نساء ۵ع +

۵۴ سورۂ بقر ۲۸ع +

۵۵ سورۂ نساء ۳ع +

اُس میں صلح کی ترغیب دی اور پھر عدت اور رجعت اور تیسرے مرتبہ میں اس بات کی تخویف فان طلقہا فلا تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ سب تدبیریں طلاق کے حفظ اور ضبط کے واسطے ہیں۔ اور مرد کی رائے بدل جانیکا تدارک طلاق نہیں قرار دیا بلکہ جھگڑے اور ناخوشی کے رفع دفع کرنیکی تدبیریں اور ہیں جو ۱۸ دفعہ کی ۳ ضمن میں بیان ہوئی ہیں +

اور یہ بھی عجب ہے کہ معترض نے اس بات سے انکار کیا کہ گویا طلب طلاق کا عورت کو اختیار نہیں دیا گیا حالانکہ فلا جناح علیہما فیما افتدت بہ میں صاف مسئلہ خلع کا بیان ہے +

اور جو عورت کے معلق رہنے یا عموماً معروض علیہا ہونیمیں لکھتے ہیں وہ بھی خلاف تصریحات قرآنی ہے کیونکہ ہر جگہ حسن معاشرت پر تاکید ہے فعاشروہن بالمعروف (۴ ج ۱۴ع) اور بالتخصیص اسی مقدمہ میں یہ بھی فرمایا فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقہ اور یہ بھی عجب ہے کہ لونڈیوں کے حق میں اداء مہر کی شرط نہیں حالانکہ واتوھن اجورھن بالمعروف (۵ج ۴ع) ہر کوئی قرآن میں پڑھ سکتا ہے +

اور نشوز کی حالت میں کمال حکمت اور مصلحت ہے پہلے نصیحت کر دینا اور اگر اس سے اصلاح نہ ہو سکے تو ہجرت کی فی المضاجع اور جب یہ تدبیر بھی فساد منزلی کی اصلاح کو کافی نہ ہو تو بناچاری اور مصلحتاً تادیب بھی مناسب ہے اور یہ سب صورتیں طلاق کی تدبیر سے بہت ہی نرم اور کم ہیں نہ کہ خوردہ گیری کے لایق +

پس ایسا مارنا جس کی تفسیر ضرب غیر مبرح سے کی گئی ہے اور گویا طلاق کا بدل ہے عورتوں کی حالت کو نقصان اور مضرت نہیں پہنچا سکتا اور اور جگہ قرآن میں عورتوں کو ضرر پہنچانے کی صاف ممانعت ہے۔ چنانچہ۔

ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا (بقرہ ۲۹ع) +

ولا تضاروھن لتضیقوا علیہن (طلاق) +

۳ - اعتراض

استبدال زوج یعنی ایک عورت کو طلاق دینا اس غرض سے کہ دوسری سے نکاح کریں قرآن میں تسلیم کیا گیا ہے صرف اس شرط سے کہ مہر پورا ادا کیا جاوے پس جبکہ مابہا السرور اس طرح پر مجبور اور مقہور اور مقید اور مہجور

جواب

ان اردتم استبدال زوج کو ایک حکم ابتدائی اور جواز استبدال کی پروانگی سمجھنا خلاف مراد کلام الٰہی ہے کیونکہ آیت کا مقصود یہ ہے کہ طلاق کی حالت میں زر مہر میں سے کچھ بھی لے لینا کسی طرح درست نہیں۔ اور

اور فی الفور دفعۃً غصہ میں یا اضطرار اُنکا لدی جاوے تو یہ کیونکر کہا جاوے کہ شریعت اسلامی نے عورتوں کے حق میں بہبودی کی۔ مجھے اس کہنے میں کچھ تامل نہیں کہ زمان جاہلیت میں عورت کو زیادہ آزادی بڑی صحت و تندرستی زیادہ عفت سے اختیار حاصل تھا ؛

اس طرح کے واپس لینے کو امر ناحق اور صریح گناہ قرار دیا اور نیز اسے خلاف عہد بھی بتلایا پس اس آیت میں گو ضمناً جواز طلاق کو تسلیم کیا مگر مقصود ممانعت طلاق ہے کیونکہ جب مہر کامل ادا کرنا اور اس میں سے کچھ بھی نہ لینا ایک حکم محکم قرار دیا اور ادھر مہر کی کوئی حد نہیں رکھی بلکہ قنطار کے لفظ سے اس کی تعداد کا بے شمار ہونا ظاہر کیا تو ایسی صورت میں طلاق کے مقدمے بہت ہی کم نکلینگے گویا کہ طلاق کو ایک بڑی مشکل شرط پر موقوف رکھا تو اس کا مقصود منع طلاق ٹھہرا نہ کہ جواز اور ایک لطف یہ ہے کہ اردتم کا لفظ فرمایا ہے جس سے وقوع طلاق کی تسلیم و تجویز نہیں نکلتی۔ خلاصہ یہ کہ اس آیت سے جواز طلاق (اور وہ بھی ناپسندیدہ) اور قبیح طریقے سے) میں پیش کرنا ایک ناقص شہادت ہے۔ اور اس آیت کو اس طرح بیان کرنا کہ اس سے طلاق کو ترویج دی ایک بڑی بیباکی ہے کیونکہ اس کا مقصد یہ نہیں کہ تم طلاق دیا کرو بلکہ محل کلام یہ ہے کہ زر مہر میں سے کچھ نہ لیا کرو۔ گو ایسا موقع ابھی وقت پیش آویگا جبکہ طلاق ہوگی۔ مگر اس حکم کی منشا دیکھنی چاہیئے کہ طلاق کے جواز کو صرف ضمناً تسلیم کر لیا ہے نہ یہ کہ اس سے اس کو بالاستقبال جائز کیا ہو اور اسی لئے اردتم کا لفظ بھی کہا اور محاورات میں بسا اوقات ایسا بول جاتے ہیں کہ نتیجہ میں گفتگو کرنی منظور ہوتی ہے تو سبب کا ذکر فرض و تسلیم کی صورت میں ہو جاتا ہے مگر اس سبب کے جائز یا ناجائز ہونے کا ذکر مقصود نہیں ہوتا ؛

اور در حقیقت اس آیت میں اس متلون مزاج ناعاقبت اندیش کی چھچھوری حرکت پر جو گھڑی میں گھر بناوے اور گھڑی میں بگاڑے تنبیہ کر دی ہے تاکہ وہ بلا سبب اور بغیر ضرورت محض لذت حاصل کرنے کے لئے استبدال زوج چاہتا ہو۔ اس صورت میں یہ حکم اس ارادہ کا قوی مانع ہوگا۔ پس ان سب تقریروں کے خلاصہ میں ہم کہتے ہیں کہ زمان جاہلیت کے آداب میں بلکہ یہود اور رومن کی رسوم میں بھی عورت کی ذات بہت بدتر کمتر ذلیل تر حالت میں اکثر بے اختیار اور قیدی کی طرح بسر کرتی تھی اور حسن معاشرت کے بہت سے فائدے اور زوجیت کے بہت سے حقوق سے محروم رہتی تھی اور انگلستانی رسمیں ابتک اسکے حق میں سخت اور شدید ہیں مگر اسلام کے شارع نے احکام قرآن میں عورتوں کی حالت کو ایام زوجیت اور بیوگی میں اگلے زمانہ کی حالتوں سے کہیں بڑھکر بہتر اور برتر کر دیا۔ اور عدالت کے حکم اور عاشروھن بالمعروف کی وصیت تامروا بینکم بالمعروف کے فتوے سے اس سے زیادہ خوشحال اور فارغ البال کر دینے

سے اس اصلی غرض کو جس پر محصنین غیر مسافحین میں اشارہ کیا ہے اس قدرتی تسکین اور باہمی اطمینان کو جو ھن لباس لکم سے مراد ہے بڑے کامل طور سے پورا کیا +

۴- اعتراض

اور لونڈیوں کے حق میں جو مسلمانوں کی غلامی میں ہوں دشوار ہے کہ اُن کی حالت مذلت سے زیادہ جنس انسان کی اور کوئی حالت قیاس میں آسکے ان سے تو کمترین مخلوقات کی حیثیت سے سلوک کیا جاتا ہے۔ قید و بند تو اُن پر ایسی ہے گویا کہ وہ منکوحہ ہیں مگر حقوق زوجیت سے وہ صاف صاف محروم ہیں وہ بالکل اپنے مالکوں کے اختیار میں ہیں صرف ایک صورت مخلصی کی یہ ہے کہ جب وہ اُم ولد ہو جاوے تو بک نہیں سکتی اور مالک کی وفات پر آزاد ہو جاتی ہے سو بھی قرآن شریف میں نہیں ہے ماریہ قبطیہ کی مثال پر قیاس کیا جاتا ہے +

جواب

لونڈی اور غلام کی کامل آزادی اسلام میں ہو چکی ہے اس کا ذکر آگے آتا ہے مگر یہاں پر اسی قدر کافی ہے کہ اُس وقت میں کنیزکوں سے تجویز کی تجویز ایک شاذ و نادر صورت میں ہے اور وہ بھی مصلحت سے خالی نہ تھی۔ یعنی جس شخص کو نکاح آزاد کا مقدور نہ ہو اور بے نکاح رہنے میں زنا کا اندیشہ ہو مگر باایں ہمہ پھر بھی لونڈیوں کے نکاح سے اجتناب ہی بہتر قرار دیا چنانچہ فرمایا کہ۔

"وان تصبروا خیر لکم" +

(دیکھو اس مضمون کی ۹ دفعہ) +

۵- اعتراض

طلاق کے قاعدوں میں ایک قاعدے کی نسبت بے بولے رہا نہیں جاتا کہ ایک خاوند دو مرتبہ طلاق دیکر تو پھیر سکتا ہے مگر تیسری مرتبہ کے بعد پھیر نہیں سکتا اور یہ فعل کیسا ہی ناحق اور مضر ہو اور کیسے ہی غصہ کا نتیجہ ہو اور اس سے کیسا ہی کچھ نہ اُس بے جرم عورت کو۔ نہیں بلکہ اس کے معصوم بچوں کو اثر پہنچتا ہو اور وہ شوہر بھی کیسا ہی کچھ اس ظلم کی اصلاح چاہتا ہو مگر اب وہ منسوخ ہی نہیں ہو سکتی مگر یکمرہ طلاق دی ہوئی

جواب

طلاق بائن کی جو اخلاقی اور منزلی اور تمدنی قباحتیں بیان ہوئی ہیں وہ احکام قرآنی پر عاید نہیں ہوتیں۔ قرآن میں پہلے ہی اس کوتہ اندیش تنک مزاج تلون طبع خفیف الحرکت سبکسر مرد کے غیظ و غضب اور جوش و خروش اور عدوان کا علاج کر دیا ہے اور کئی تدبیریں اسکے روک تھام کی مثلاً عدت کا مقرر ہونا اور ظاہر ہے کہ اتنے عرصۂ دراز میں وہ شخص اچھی طرح اپنے ارادہ سے پشیمان ہو کر باز آسکتا ہے اور نیز یہ کہ مدت عدت

عورت ایک سخت شرط پر پھر آسکتی ہے کہ پہلے اس کا کسی اَور سے نکاح ہو اور یہ بھی اسے طلاق دیدے (بقرا۲۳) +

مسلمانوں کی حیا وغیرت کا اسی پر قیاس کرلیا جاوے کہ مطلقہ بائن کے پھر جائز ہونے کے لئے ایک مستحل یعنی عارضی شوہر گویا اُجرت پر رکھ لیا جاتا ہے اس کی ایک مثل مشہور ہوگئی ہے الف عشق ولا مستحل +

تک دونوں ایک ہی جگہ ایک ہی مکان میں رہیں جو خاص اس غرض سے تھی کہ دونوں میں باہم صلح ہوجاوے۔ پھر اس عدت کے بعد بھی ضرور نہیں کہ طلاق ہی دیجاوے بلکہ اختیار رہے کہ یا رخصت کریں یا رہنے دیں تو کیا اتنے عرصہ میں اور ان تدبیروں پر بھی تلون مزاج کی دفعۃً طیش اور غضب سے باز آنیکا موقع نہ ملیگا اور کیا اب بھی وہ اپنی مجبوری اور بے سببی کا عذر کرسکتا ہے اور کیا اتنی مدت تک اس کی بدخلقی بمستمر رہیگی پس ان تینوں طلاقوں میں (الطلاق مرتان) اے علی التفریق دون الجمع فان طلقہا اے ثالثۃً) (فلا تحل لہ) جو جُدا جُدا اِک عرصہ معتدبہ کے بعد ہوں شریعت نے کوئی عذر اور حیلہ ناگہانی قصد اور فلتۃ ناخوشی کا اٹھا نہیں رکھا کہ جس سے اب جلدبازی اور تیزمزاجی پر ندامت اور افسوس ہو بلکہ اِک اختیاری فعل ہے کہ اُس کا الزام اپنی ہی عقل وتمیز پر ہوسکتا ہے +

اور حلالہ کا حکم بھی اس رسم طلاق کے گھٹانے اور کم کرنے کی نظر سے ہوا ہے اور بیشک اُس کی رسوائی کسی صاحب غیرت کو ایسے ارادہ پر جرأت نہ کرنے دیگی یعنی کوئی باحمیت نہ طلاق بائن دیگا نہ حلالہ کی رسوائی اُٹھائیگا۔ اور محلل لہ اور محلل کی شناعت پہلے ہی بیان ہوچکی ہے ابھی ہم حجۃ اللہ البالغہ میں دیکھتے ہیں لعن رسول اللہ صلعم المحلل والمحلل لہ +

اور یہ تو ایک بڑی غلط فہمی ہے کہ گویا شریعت نے اس بے جرم صاحب عفت کی پردہ دری اس رسم سے گوارا کی ہو کیونکہ مستحل صرف اس عورت کو اس غرض سے کہ وہ اگلے شوہر کو اس حیلہ سے حلال ہوجاوے پہلے ہی سے ارادہ کرکے تھوڑی دیر کے لئے نکاح کرے تو وہ ہرگز درست نہ ہوگا کیونکہ نکاح میں تو مداومت اور تحصین اور عدم سفاح اور تعاون فی العشرت اور باہم کی تسکین اور اتحاد مراد اور مقصود ہے تو ایسی صورت میں محلل کا نکاح دائمی ہوگا جب تک کہ کوئی ایسی ہی ناگزیر صورت طلاق کی جن کا بیان آگے ہوچکا ہے پیش نہ آوے۔ پس اس عورت کا بائن ہونے کے بعد حلال نہ ہونا اُس مرد کے لئے سزا ہے۔ کہ اُس نے عہد الٰہی اور قانون قدرت کی رعایت نہ کی۔ موسوی شریعت میں بھی مطلقہ اپنے شوہر پر حرام ہوجاتی تھی مؤبداً (سمار ۲۴) مگر قرآن کی نظر میں اتفاق کو ترجیح ہے افتراق پر +

(۲۴)۔ حیف ہے اگر اس مقام پر جناب پیغمبر صلعم کی خاص ازواج طیبات کے احکام

نہ بیان کئے جاویں گو اس تحریر کی وضع سے یہ بحث خارج ہو +

ہر ایک انسان کی عقل ضرور اس امر کی طلبگار ہوگی کہ مصلح قوم اور ہادی انام نے (جس نے ایسی حکمت اور مصلحت کے احکام جاری کئے اور زمانہ جاہلیت کی رسوم قبیحہ اور عادات ضارہ کو روکا اور کم کیا) خود ایسا نمونہ کیسا دکھلایا۔ اور بالضرور ہر ایک شخص کا وجدان اس پر گواہی دیگا۔ کہ ناصح ملت اور مصنف مذہب خود بھی ایک نمونہ ہونا چاہیئے۔ تمام اخلاق اور حسنات اور خیرات کا تاکہ لوگ اُس سے نفرت نہ کریں اور یہی امر اصل ہے مسئلہ عصمت کی +

جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام ازدواج عجب حکمت کے احکام تھے جن سے ہم اب بھی اس بات پر استدلال کر سکتے ہیں کہ کسی متبنّٰی[ع۱] سے ایسے احکام صادر ہونیکی توقع اور احتمال نہیں کیونکہ یہ احکام بڑی تنگی اور قید نفس اور حرمان شدید کے ہیں۔ اوایل سورہ نساء کی آیت جس میں عورتوں کی حد مقرر ہے نازل ہونے سے پیشتر[ف۱] جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ حکم ہوا تھا کہ ازواج موجود (جن کا عدد بعد کی مقرر کی ہوئی نصاب سے زیادہ تھا) حلال ہیں اور تنزیل میں بھی ان کی حلت کو ظاہر فرمایا گیا[ف۲] اس طرح پر یاایھا النبیّ انا احللنا لک ازواجک التی اٰتیت اجورھن

ع۱ بناوٹی بیٹی

ف۱ یہ بات کہ سورہ احزاب پہلے نازل ہوئی نساء سے اُس کے ثبوت میں یہ دلیلیں ہیں +

(۱) قصیدہ تقریب المامول فی ترتیب النزول تصنیف برہان الجعبری کا ایک شعر یہ ہے +

لاحزاب مائدۃ امتحان والنساء   مع زلزلت ثم الحدید تاملا +

(۲) ابن ضریس نے فضائل القرآن میں ابن عباس سے روایت کی ہے اس میں مدنی سورتیں اس طرح پر ترتیب دی ہیں "ثم البقرہ ثم الانفال ثم اٰل عمران ثم الاحزاب ثم الممتحنہ ثم النساء الخ" +

(۳) بیہقی نے عکرمہ سے روایت کی ہے دلائل النبوۃ میں اس میں مدنی سورتوں کی ترتیب اس طرح پر ہے۔ ویل للمطففین والبقرہ واٰل عمران والانفال والاحزاب والمائدہ والممتحنہ والنساء الخ +

ف۲ اس اظہار تحلیل سے یہ نہیں لازم آتا کہ اب تک جو کچھ ہوا وہ غیر حلال تھا کیونکہ ابتک جو ہوا تھا اُس کی حلت سنت یعنی فعل رسول اور انبیاء سابقین کے دستور اور قوم کی رسم اور قانون قدرت کی مطابقت سے ہوا تھا اور اب اسی تحلیل کا اظہار ہوا بایں معنی کہ ہم حلال کر چکے ہیں ان کو مگر آیندہ الخ +

اور ایسی کئی مثالیں ملسکتی ہیں جن میں نزول حکم متاخر ہے اور عمل متقدم مثلاً آیۃ وضو جو بالاتفاق بعد ہجرت نازل ہوئی مگر اس کا عمل مکی ہے ایسی ہے آیت جمعہ جو مدنی ہے مگر جمعہ کی فرضیت مکی ہے ایسے ہی فرضیت زکوۃ کا حکم بہت متاخر ہے اور اس کا عمل اوایل ہجرت سے ہے دیکھو اتقان میں ایک خاص باب اسی بیان میں ہے ما تاخر نزولہ عن حکمہ (نوع ۱۲) +

اور یہاں تو سب صیغے ماضی کے ہیں اور وہ بھی امر کی صورت میں نہیں ہیں بلکہ خبر کے طور پر ہیں پس یہ آیت سابق ہی کی حلت ظاہر کرتی ہے۔ آیندہ کے واسطے کوئی حکم نہیں دیتی +

وما ملکت یمینک مما افاء اللہ علیک[51] وبنات عمک وبنات عمٰتک[52] وبنات خالک وبنات
خالٰتک التی هاجرن معک[53] وامراۃ مومنة ان[54] وهبت نفسها للنبی ان اراد النبی
ان یستنکحها خالصة لک من دون المومنین[55] قد علمنا ما فرضنا علیهم فی ازواجهم وما ملکت
ایمانهم لکیلا یکون علیک حرج ط (احزاب ۴۹) (یعنی ہم نے حلال کیں تجھ کو تیری عورتیں دیا ہم
جائز کر چکے ہیں تجھ کو تیری عورتیں) جن کے مہر تو دے چکا اور جن کا تو مالک ہو چکا فی کے ذریعہ سے
اب جو مہر دے چکنے کی وجہ سے حلال نہیں اُن کی تفصیل ہے) تیری چچا زاد اور پھوپی کے قبیلہ
کی عورتیں اور ماموں زاد اور خالہ کے قبیلہ کی عورتیں جنہوں نے ہجرت کی تیرے ساتھ اور وہ
عورت جس نے اپنے آپ کو عرض کیا نبی پر اور نبی نے بھی چاہا اُس کو نکاح میں (مراد خدیجہ
رضی اللہ عنہا شاید) (یہ احکام جن میں اس وقت موجود عورتوں کے جائز رکھنے کا حکم ہے اس طرح
پر کہ عین ان عورتوں کا اور ذات شخصیہ اُن عورتوں کی حلال ہو چکی اس حیثیت سے کہ اُن میں
تغیر اور تبدل نہ ہو سکے) خاص تیرے ہی لیے (تاکہ تو ضبط اور قید میں نمونہ ہو اوروں کو اور تاکہ
اُس سے ظاہر ہو تیری عدم متابعت نفس اور مجبوری احکام الٰہی کی گو وہ خلاف ہوں خواہش
ہائے بشری کے) سوائے سب مسلمانوں کے (کیونکہ) ہم کو معلوم ہے جو اُن پر حکم ہوا ہے
اُن کی نسبت جو اُن کی عورتیں ہیں اور اُن کے ہاتھ کے مال ہیں (مسلمان لونڈیاں) (وہ یہ کہ
ان کے لئے ذات معین نہیں اور اُن میں تغیر و تبدل اور کمی بیشی معروف طور پر ہو سکتی ہے مگر
تیرے لئے خاص اُن عورتوں کی تخصیص ہے جن میں کمی بیشی اور تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔)

---

[51] تفسیر جلالین میں مما افاء اللہ کی تفسیر میں صفیہ اور جویریہ کا نام لکھا ہے اور یہ دونوں مشہور ہے کہ آزادی کی حالت میں نکاح میں آئیں +

[52] بنات عم سے نساء قریش مراد ہیں +

[53] بنات خالک سے نساء بنی زہرہ مراد ہیں +

[54] "ان وهبت" کوئی ایسی عورت مدینہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ تھی۔ عن عبد اللہ ابن عباس ومجاهد لم یکن عند النبی امراۃ وهبت نفسها منه (معالم التنزیل) اور نہ اس میں کوئی حکم مستقبل کا ہے۔ کچھ ضرور نہیں کہ ان شرطیہ ہو محتمل ہے کہ "قد" کے معنی میں ہو اور تعلیل کے واسطے ہو۔ پس حضرت خدیجہ مراد ہونگی اور ذکرہ ممکن ہے کہ تعظیم کے لئے ہو +

[55] یعنی سورہ فرقان اور مومنون اور بقر میں جو کچھ ازواج کی نسبت احکام اور وصیت ہوئی۔ اور یہ صورتیں مقدم ہیں۔ احزاب پر دیکھو قصیدہ تقریب المامول فی ترتیب النزول اور ابن ضریس کے رسالہ فضائل القرآن میں ابن عباس کی روایت +

تاکہ تجھ پر گناہ نہ ہو (اُن خوردہ گیروں کی نظر میں جو محض کثرت پر نظر کر کے طعن کریں کہ نبی نے متابعت نفس کے لیئے ایسا کیا حالانکہ اصل حقیقت اُن کی فہم کے خلاف ہے چنانچہ فرمایا اگر -

"لا یحل لک النساء من بعد ولا ان تبدل بهن من ازواج ولو اعجبک

له من بعد التسع وهو فی حقه کالاربع فی حقنا او من بعد الیوم حتی لو ماتت واحدة لم تحل له نکاح اخری (بیضاوی) +

بعضے لوگوں کو اس آیت میں بڑی غلط فہمی واقع ہوئی ہے - یعنی اس آیت کو منسوخ بتلاتے ہیں مگر قطع نظر اس سے کہ نسخ قرآن میں ہوا ہے یا نہیں ایک اور لطف یہ ہے کہ اس کا ناسخ اس سے پہلے ہے ان ھذا النبی عجاب حالانکہ آیات کی ترتیب توقیفی ہے اور اس پر اجماع بھی ہے - اور یہ بتواتر ثابت ہے کہ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح سے قرآن پڑھتے تھے جس طرح اب آیتیں مرتب ہیں پس ممکن نہیں کہ اُن آیتوں کی ترتیب میں ایسی صریحی تاریخی غلطی ہو گئی ہو - علامہ سیوطی اتقان میں فرماتے ہیں - الاجماع والنصوص المترادفة علی ان ترتیب الایات توقیفی لا شبهة فی ذالک اما الاجماع فنقله غیر واحد منهم الزرکشی فی البرهان وابو جعفر بن الزبیر فی مناسباته وعبارته ترتیب الایات فی سورها واقع بتوقیفه صلی الله علیه وسلم وامره من غیر خلاف فی هذا بین المسلمین - انتهے - اور پھر قاضی ابوبکر (باقلانی) کا قول نقل کیا ہے - ان الایات ضبطت عن النبی صلی الله علیه وسلم ترتیب ای کل سورة ومواضعها وعرفت مواقعها کما ضبط عنه نفس القرآن وذات التلاوة الخ +

علاوہ ازیں جس آیت کو اُس کا ناسخ ہونا تفسیر بیضاوی کمالین اور معالم میں نقل کیا ہے یعنی ترجی من تشاء منهن وتؤوی الیک من تشاء اس میں ایک حرف بھی اس پر دلالت نہیں کرتا کہ ازواج موجودہ کے سوا انکے غیر سے نکاح کیا جاوے - بعض نے اور بھی ترقی کر کے یہ کہا ہے کہ اس ۵۱ - آیت کی اور بھی پہلے کی یعنی ۴۹ - آیت اسکی ناسخ ہے - لاحول ولا قوۃ - نسخ کیا ہوا ایک ہے کہ پیچھا ہی نہیں چھوڑتی - بادلیل اور بغیر ضرورت الٹی پلٹی باتیں خلاف تحقیق جو جی میں آتا ہے - صرف بات کی پچ پر کہدیتے ہیں - البتہ یا للعجب ایک قول حضرت عایشہ کا نقل کرتے ہیں کہ ما مات رسول الله حتی احل له النساء یہی الفاظ ہیں تفسیر کشاف وکبیر اور صحیح ترمذی کے اور اس سے کوئی حرف زیادہ نہیں ہے اور یہ سچ ہے اس میں اشارہ ہے اس پر کہ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت ازواج کی حلت تنزیل میں ظاہر ہو چکی ہو پس نسخ کا مذکور تو کہیں خواب و خیال میں بھی نہیں ہے اب اگر اس پر بھی نہ مانیں اور حضرت عائشہؓ کے قول کو پھیر پھار کر اپنے ہی مطلب پر لاویں تو اُس کے معارضہ میں ہم انس کا قول پیش کرینگے جو کہتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتے تک وہی حرمت کا حکم جو لا یحل لک النساء من بعد میں تھا قائم رہا چنانچہ تفسیر معالم التنزیل میں ہے قال انس ومات علی التحریم +

تائید الاسلام مطبوعہ ۱۳۰۳ھ کے ص ۱۰۸ و ۱۰۹ میں دو روایتیں ترمذی سے اس مطلب کے لیئے نقل ہوئی ہیں

حسنهن الا ما ملکت یمینک[ا] ط (احزاب ۵۲) +

یعنی اس وقت سے سب عورتیں تجھ پر حرام ہیں اور اس لئے اُن عورتوں کے سوا جن کا ذکر ہوا) بدلے اور عورتیں کرنی بھی (ایسی حالت میں کہ اُن میں کوئی مرجاوے یا طلاق پاوے) حرام ہوئیں گو اوروں کی صورت پسند بھی ہو تب بھی تجھ کو یہ سخت قید اور بند اور مشتہیات نفس کے خلاف بلکہ میلان قلب کے بھی خلاف حکم دیا گیا جس میں نبی کا ضبط اور سایر مسلمین سے عفت اور مخالفت نفس میں استقلال اور برتری ظاہر ہوا اور یہ بھی معلوم ہو جاوے کہ کوئی جھوٹا آدمی ایسے احکام اپنی غرض کے خلاف صادر نہیں کر سکتا) مگر یہ حرمت اُن عورتوں سے متعلق نہیں ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۶ | کہ سورہ احزاب کی ۵۲ آیت کے بعد ۴۹ آیت نازل ہوئی یہاں زیادہ تفصیل کی گنجایش نہیں مگر اس قدر تنبیہ کرنی ضروری ہے کہ یہ دونوں روایتیں صحیح نہیں ہیں کیونکہ وہ حسن ہیں اور حسن صحیح سے کمتر ہے اُسکے راوی درجہ عدالت تک نہیں پہنچے گو فاسق بھی نہ ہوں اور دوسرے یہ کہ وہ روایتیں صرف عبدالحمید بن بہرام کے واسطے سے ہیں اور اُس نے عبداللہ بن موسےٰ سے روایت کی ہے مگر عبد بن حمید کی روایت جو منقول ہے وہ وہ ہے جو شہر بن حوشب سے ہو چنانچہ ابو عیسےٰ ترمذی نے ان روایتوں کے بعد لکھا ہے سمعت احمد بن الحسن یذکر عن احمد بن حنبل قال لا باس بحدیث عبدالحمید بن بہرام عن شہر بن حوشب انتھی۔ پس وہ روایتیں کبھی اس لایق نہ ہونگی کہ وہ نظم و ترتیب قرآن کو مخل کر دیں یا کسی واہیات اور منکر مضمون کی اُن سے تائید ہو سکے +

[ا] ایک مخالف نے یہ اعتراض کیا کہ گو اس آیت میں پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو ازواج کی اجازت نہ ہوئی مگر ملک یمین میں تو آزادی حاصل ہے۔ اس مقام پر جو لفظ اڈلیجی لُد اصل اعتراض میں ہے وہ تو ایک تیر جگر دوز ہے مگر عامہ مسلمین کو اسکی کیا پروا ہے۔ الا اور حقیقت کوئی یہ پوچھے کہ حضرت ملک یمین لغت کی راہ سے لونڈی کو کہتے ہیں یا یہ لفظ منقول شرعی یعنی فقہا کی اصطلاح ہے۔ پہلی صورت کی سند لائیے اور دوسری صورت میں قرآن کے الفاظ کو فقہا کی اصطلاح پر محدود و محمول نہ فرمایئے۔ ابی العالیہ اور سعید بن جبیر اور عطا اور سدی متقدمین مفسرین نے تصریح کی ہے کہ ملک یمین نکاح میں پائی جاتی ہے (دیکھئے تفسیر مجمع البیان اور نیز تفسیر کبیر) پس چونکہ مضمون عدم حلت نسوان زنان موجودہ و منکوحہ پر بھی حاوی تھا کہ اس وقت کے بعد سے تم پر عورتیں حلال نہیں۔ اس لئے الا ما ملکت یمینک کہنا ضرور ہوا کہ جو عورتیں ملک نکاح میں آ چکی تھیں وہ مستثنے رہیں +

اور ملکت جو ماضی کا صیغہ ہے وہ تو حقیقت میں ماضی پر دلالت کرتا ہے اُس کو مستقبل پر حمل کرنا مجازی طور پر ہے اور حقیقت سے مجاز کی طرف جانے کے لئے کوئی قرینہ صارفہ عن الظاہر ضرور ہونا چاہیئے۔ ایک صاحب فارسی کا یہ شعر تو پڑھتے ہیں۔ چار جا ماضی بیاید معنیش مستقبلہ الخ۔ مگر کوئی صاحب حقیقت سے عدول کرنے کی ضرورت شدید اور مانع قوی اور قرینہ واضح بیان نہیں کر سکتے۔ اور ظاہر ہے کہ صرف بیاید کچھ کام نہیں آ سکتا۔ فتدبر و لا تکن من الجاھلین و قاتل حتی یاتیک الیقین +

جو تیری ملک نکاح میں آچکی ہیں (کیونکہ پہلے سے فعل نبی اور عطاے مہر سے نکاح میں بطور معروف آچکی اور پچھلی آیت میں ان کی تحلیل بھی ظاہر ہو چکی ہے ✦

پس اب اس بیان سے ظاہر و ثابت ہوتا ہے کہ اس پہلی آیت میں (احزاب ۵۹ - آیۃ) نہ تو کسی نئی بات کی ایجاد ہے اور نہ کسی امر غیر موجود کے پیدا ہونیکا حکم اور نہ آیندہ کو کسی نئی بات کا استحقاق ہے اور نہ کوئی مفید مطلب پروانگی ہے اور جو کچھ تخصیص من دون المؤمنین ہے وہ ممانعت اور قید کی صورت ہے نہ کہ آزادی اور بے قیدی کی کیونکہ عوام مسلمین کے لئے صرف عدد کا تعین تھا نہ کہ منکوحات کا اور ممکن ہے کہ موت یا طلاق کی صورت میں ہمیشہ ادل بدل ہوتا رہے مگر جناب پیغمبر صلعم کی نسبت تخصیص تھی منکوحات کی کہ نہ تو ان عورتوں سے زیادہ کوئی اور نکاح کر سکتے تھے اور نہ اُن کے بدلے میں نکاح کر سکتے تھے پس ظاہر ہے کہ جناب پیغمبر کو نکاح کے باب میں اور مسلمانوں کی بہ نسبت زیادہ وقت اور قید اور ممانعت تھی اور ایسا ہی شان نبی کے لایق بھی تھا پس یہ صریح امتناعی احکام اور قہر نفس اور تحصین شدید کے جو مقتضائے بشریت پر صبر اور میلان قلبی پر جبر کرنے کے ہیں اُن سے صاف ثابت ہے کہ جناب پیغمبر صلعم نے جیسے اور احکام تنزیل وحی کے مسلمانوں کی عفت اور پرہیزگاری کے بیان فرمائے اُن سے زیادہ اپنی مخالفت نفس کے احکام ظاہر فرمائے ✦

اس تقریر سے ڈیون پورٹ والوفانڈ صاحبوں کے اعتراضات تو باطل ہو ہی گئے مگر بعض نافہم مسلمان جو اسلام کے نادان دوست ہیں اُن کی رکیک توجیہات اور خام خیالات بھی باطل ہو گئے - وللہ الحمد علیٰ ذالك ✦

۲۵ - اور منجملہ برکات اسلام ایک یہ ہے کہ اپنی جان کی حفاظت اور مہلکوں سے صیانت کا حکم ہے ✦

Suicide and gladatorial shows mitigated.

(۱) - ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ[1] - (بقر ۱۹) ✦

(۲) - ولا تقتلوا انفسکم (۵ ج ۲ ع) ✦

خودکشی جس پر اس پچھلی آیت میں اشارہ ہے جاہلیت کے زمانہ میں عرب و روم وغیرہ آباد ملکوں میں جہاں سیاست اور قانون بنے تھے بے روک ٹوک جاری تھی اور بعضی صورتیں آپ سے آپ جانیکی عبادت میں داخل تھیں ✦

ایک ڈوئل کی رسم ممالک فرنگ میں عجیب رسم تھی کہ دو آدمی باہم مقاتلہ کرتے تھے

---

[1] افضل العلما ڈیل صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد صلعم نے بالکل اپنے لوگوں کی آزادی کی تعلیم دی - انتہی - درحقیقت لوگوں کی آزادی بہت بڑی نعمت ہے اور اُس کا ثمرہ قوم اور ملک کی اصلاح پر بہت مفید ہے ✦

اور گواہ بھی حاضر رہتے جو اُن کے ہاتھ میں آلات حرب دیتے اور انتظام کرتے تھے اور اسکی بنا یہ اعتقاد ہوا کہ ضرور ہے کہ خدا ظالم کو بلا واسطہ سزا دے اور مظلوم کی نصرت کرے۔ چنانچہ یہانتک یہ رسم بڑھی کہ مقدمات حقیقت میں اسی رسم کو محک عدالت اور عیار حقیقت قرار دیا۔ اگر ایک افتادہ زمین پر تنازع ہے تو اُنھوں نے کہا کہ آؤ لڑیں جو مر جاوے وہ غیر حق پر تھا۔ کیا خوب عدالت تھی اور کیا اچھا فیصلہ ہوتا تھا۔ اسلام میں شروع سے اُس کی اصلاح ہوئی اور صرف گواہوں پر یا قسم پر عیار عدالت قرار پایا اور نیز ذاتی تنازعات خارج از عدالت بھی اسی ڈوائل سے طے ہوا کرتے تھے۔ اسلام میں بہت اُڑ کے ہوا تو مباہلہ ہوا +

کہتے ہیں کہ سنہ ۵۰۱ء میں جرمن گنڈیبالڈ بادشاہ نے اس رسم کو قسم کی جگہ فصل خصومات میں مقرر کیا۔ ان دونوں قسم کے ڈوایل یعنی ایک تو عدالت کی حیثیت سے دوسری مغائر عدالت کئی طرح پر جاری رہی یعنی تلواروں سے لڑنا اور پستولوں سے گولی مارنا اور دوانیٹی ایک زہر آلود ایک روٹی کی بنی ہوئی کھلانا۔ انگلستان کے بادشاہوں نے آخر زمانہ میں اس رسم کے بند کرنیکا بڑا اہتمام کیا لیکن فرانس میں اُس کا رواج کثرت سے رہا +

۲۶۔ اور کئی ایک احکام بڑی تاکید سے ہر ایک طبقہ کے انسان سے نیکی اور رعایت کرنے کے قرآن میں بکثرت ہیں +

(۱) وبالوالدین احسانا وبذی القربی والیتامی والمساکین والجار ذی القربی والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم (نساء ع ۵) +

پھر سورۂ بقر میں ہے :-

Isl·m inculcates to show kindness to parents, to kindred, to orphans, to poors, to neighbours whether kinsmen or strangers, to a fellow traveller, to wayfarers, to slaves and captives, &c.

(ب) "واتی المال علی حبہ ذوی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب"۔ (۲-ح) +

اس میں (۱ و ۲) والدین سے نیکی کرنی (۳) رشتہ داروں سے (۴) یتیموں سے (۵) محتاجوں سے احسان کرنا (۶) پڑوسی ناتے والے سے (۷) اور بیگانے پڑوسی سے (۸) اپنے رفیق سے (۹) مسافر سے (۱۰) غلاموں سے خادموں سے (۱۱) قیدیوں سے نیک سلوک کرنا اور اُنکو اپنا مال دینا بڑی تاکید سے واجب قرار دیا ہے +

اس میں کوئی جنس انسان کی ایسی باقی نہیں رہی جس پر اسلام نے شفقت کرنے اور نیکی سے پیش آنیکا حکم نہ دیا ہو۔ نہ صرف ایک یا دو ہی جگہ بلکہ مختلف طور سے اور جُدا جُدا تقریب سے ان احسانات اور خیرات کو بیان فرمایا ہے +

(ج) "(۱) ما انفقتم من خیر (۲) فللوالدین (۳) والاقربین (۴) والیتامیٰ (۵) والمساکین (۶) وابن السبیل"۔ (۲ج) +

(د) "(۲) وبالوالدین احسانا واما یبلغن عندک الکبر احدھما او کلاھما فلا تقل لھما اف ولا تنھرھما وقل لھما قولا کریما۔ واخفض لھما جناح الذل من الرحمۃ وقل رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا"۔ (۱۵-ج) +

اور ماباپ سے نیکی کرو اور جو کوئی ان دونوں میں سے بڈھا ہو جاوے تو نہ گھرک اور نہ جھڑک اُن کو اور اُن سے ادب کی بات کہہ۔ اور جھکا ان کے آگے کندھے عاجزی کر کے پیار سے اور کہہ اے رب ان پر رحم کر جیسا پالا اُنہوں نے مجھے چھوٹا سا" +

(ھ) "واتِ (۳) ذی القربیٰ حقہ (۵) والمساکین (۹) وابن السبیل" +

یعنی اور دیدے پالنے والوں کا حق اور محتاج کا اور مسافر کا (ایضاً) +

(و) "ولا یأتل اولوالفضل منکم والسعۃ ان یوتوا (۴) اولی القربیٰ (۵) والمساکین (۹) والمھاجرین فی سبیل اللہ"۔ (نور) +

اور قسم نہ کھاویں بڑائی والے تم میں سے اور کشایش والے کہ ناتے والوں محتاجوں اور خدا کی راہ میں وطن چھوڑنے والوں کو مال نہ دیویں +

(ز) "ووصینا الانسان (۲) بوالدیہ احسانا حملتہ امہ کرھا ووضعتہ کرھاً" (احقاف ۲ع) +

اور ہم نے تقیید کیا ہے انسان کو اپنے ماباپ سے بھلائی کا پیٹ میں رکھا اُس کو اُس کی ماں نے تکلیف سے اور جنا اُس کو تکلیف سے +

(ح) "فلا اقتحم العقبۃ وما ادراک ما العقبہ (۱۱) فک رقبۃ او اطعام فی یوم ذی مسغبۃ (۴) یتیما ذامقربۃ او (۵) مسکینا ذامتربۃ" +

اور انسان نہ ہمک سکا گھاٹی کو اور وہ گھاٹی کیا ہے۔ آزاد کرنا غلام کا یا کھانا کھلانا بھوک کے دن میں بے باپ کے لڑکے کو جو ناتے وار ہے یا محتاج کو جو خاک میں رُلتا ہے" (بلد) +

(ط) "فاما الیتیم فلا تقھر واما السائل فلا تنھر" (ضحیٰ) +

سو جو یتیم ہو اُس کو نہ دبا اور جو مانگتا ہو اُس کو نہ جھڑک +

ان احکام کو جو جملہ طبقات ناس کی ہر ایک قسم پر حاوی ہیں توریت اور انجیل اور حکما سلف کی وصیتوں سے مقابلہ کرلو ایسی جامعیت اور تفصیل ایسی عمدہ ترتیب اور قدرتی نظام کی رعایت اور عموماً احسان کے احکام نہ پاؤ گے +

۲۷- غلاموں کی حالت بالتخصیص بڑی اصلاح کی محتاج تھی اُن کی آزادی اور آیندہ کے سدباب کے لئے بڑی کوشش اور اہتمام ہُوا اور کتاب کا امر محکم اور حکم لازم صادر کیا ✣

Islam liberated slaves not as only a merit, but as strict and an indispensable duty.

" والذین یبتغون الکتاب مما ملکت ایمانکم فکاتبو ھم ان علمتم فیھم خیراً و اٰتوا ھم من مال اللہ الذی اٰتاکم " (نور) [۱] ✣

یعنی جو کوئی لونڈی یا غلام یہ کہے کہ میں اتنی مدت میں اس قدر روپیہ کما دوں گا مجھے بھی آزاد

[۱] داؤد الاصفہانی وغیرہ (جن کو یہ اہل الرائے اصحاب الظواہر کہتے ہیں) اور اَور علما یہ کہتے ہیں کہ یہ امر کتابت کا ایجاب کے واسطے ہے یعنی جب غلام درخواست کرے اپنی آزادی کی اقرار نامہ پر اور مالک سمجھے کہ اُس میں اُس کی بہتری ہے تو فوراً آزاد کردے ✣

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جب اسلام کی اصلی نیکی اور خیر اور اصلاح پر نظر کرتے ہیں تو بالضرور ہم اپنے وجدان سلیم سے یہی پاتے ہیں کہ یہ حکم وجوب کے واسطے ہے کئی وجہ سے (۱) یہ کہ امر تو ایجاب کے واسطے ہوتا ہے اور اس کا سیدنا دل بھی اسی کی تائید کرتا ہے کہ خریطیب بن عبد العزی کے غلام نے جس کا نام صبیح تھا کتابت چاہی تو اُسکے آقا نے انکار کیا اس پر یہ حکم ہُوا پس ظاہر ہے کہ انکار کے مقابلہ میں حکم دیا تو ضرور ہے کہ وہ حکم واجب ہو (۲) حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو مکاتب کرنیکا حکم دیا اُس نے انکار کیا تو اُنھوں نے اُس کی تعزیر کی پس اگر کتابت واجب نہ ہوتی تو اُس کو مارنا جبر اور ظلم ٹھہرتا حالانکہ اصحاب میں سے کسی نے اُن پر اعتراض نہیں کیا تو گویا یہ مسئلہ اجماعی ہوگیا (۳) عمر ابن دینار عطا و داؤد بن علی اور محمد بن جریر بیاں پر وجوب کے قائل ہوئے ہیں پس ان سب قراین پر نظر کرنے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ کتابت واجب ہے اور درحقیقت یہ بڑی فضیلت ہے اسلام کی ✣

جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ امر مندوب ہے ان کی واہیات سی حجت اور نامعقول سا قیاس ہے وہ کہتے ہیں کہ مکاتب کرنا اور بیچ ڈالنا برابر ہے اور بیع کرنا واجب نہیں ہے تو مکاتب کرنا بھی واجب نہ ہوگا کہ مستحب ہو مگر افسوس کہ اُنھوں نے حکم کتابت کی خوبی نہیں پائی- انکے ذہن اور طبیعتیں ایسی پست اور دبی ہوئی ہیں کہ انسان کی بھلائی اور فطرتی آزادی اور غلاموں کے آزاد کرنے کے محاسن اور اسلام کا مقصد اصلی غلاموں کے حق میں رعایت اور احسان کرنا اور اس امر خاص میں تمام دنیا کے مذاہب اور شرایع پر فوقیت اور فضیلت پانا اُن کی سمجھ ہی میں نہیں آتا- کتابت کے معاملہ کو بھی اُنھوں نے قرضہ کا سا معاملہ سمجھ لیا حالانکہ اُنہیں کے اصولِ موضوعہ پر کتابت کا روپیہ کوئی دَین صحیح نہیں ہے کیونکہ آقا کا غلام پر کوئی قرضہ نہیں ہو سکتا ✣

اصل حقیقت یہ ہے کہ مکاتبت کا روپیہ آقا کو دلوانے کا حکم صرف اُسکے آنسو پونچھنا ہیں ورنہ ادھر تو آقا کو حکم واجب ہے کہ مکاتب کو اپنے مال میں سے دو ✣

اور لطف یہ ہے کہ امام شافعی اس " واٰتوا ھم من مال اللہ الذی اٰتاکم " کو واجب جانتے حالانکہ یہ فرع ہے کتابت کی پس مکاتبہ بھی واجب ہوگا کیونکہ واجب کا مقدمہ بھی تو واجب ہے ✣

علاوہ ازیں ایک اَور اعتراض اس حکم کے مندوب ہونے پر یہ ہے کہ مندوب درحقیقت مامور بہ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ مندوب میں ایجاب نہیں ہے اور امر ایجاب ہی کیواسطے حقیقت میں ہوتا ہے اور اگر مندوب مامور بہ ہو سکے تو ترک مندوب گناہ ہوگا حالانکہ ترکِ مندوب بالاتفاق معصیت نہیں تو مندوب مامور بہ بھی نہیں ہو سکتا دیکھو مسلم الثبوت مقالہ ۲ باب ۲- اور کشف المبہم (صفحہ ۱۸۸ تا ۱۹۰) ✣

پس ثابت ہُوا کہ اس آیت میں امر ایجاب کے واسطے ہے ✣

کردو تو اُن کو اقرار لکھدو اگر ان میں نیکی دیکھو اور دو اُن کو اللہ کے مال سے جو تم کو دیا ہے +

اور جب مالک سے اس طرح اقرار نامہ ہو جاوے تو پھر سب پر (جن میں مالک بھی ہے) واجب کیا کہ اس کا زرِ کتابت پورا کر دیں اور مالک کو بھی لازم ہوا کہ اس اقرار میں سے ایک مقدار کثیر چھوڑ دے چنانچہ کلبی اور مقاتل اور نخعی نے یہی تفسیر کی ہے اور امام شافعیؒ کا بھی مختار ہے کہ مالک پر واجب ہے کہ مکاتب کو مال دیوے کیونکہ امر وجوب کے لئے ہے +

تفسیر کبیر میں ہے ثالثہا ان ھذا الامر من اللہ تعالیٰ للسادۃ والناس ان یعینوا المکاتب علی بما کتابتہ یمکنہم و ھذا قول الکلبی وعکرمہ والمقاتل والنخعیؒ قال الشافعی یجب علی المولی ایتاء المکاتب و ھو ان یحط عنہ جزء من مال الکتابت او یدفع الیہ جزأ مما اخذ منہ وحجۃ الشافعی ظاہر قولہ واتوھم من مال اللہ الذی اتاکم والامر للوجوب الخ +

اور چونکہ امر وجوب کے واسطے ہے تو اب ہمارا استدلال اس آیت سے یہ ہے کہ جبکہ غلاموں کی آزادی کتابت کے ذریعہ سے واجب ٹھہرائی گئی تو جو چیز اس آزادی کی ضد ہے یعنی غلام بنانا وہ حرام اور منع ٹھہرائی گئی کیونکہ اصول میں مسلّم مسئلہ ہے۔ وجوب الشئی یتضمن حرمۃ ضدہٖ +

اور اصطلاحات پر بنا نہ رکھی جاوے تو بھی عقلاً ظاہر ہے کہ جس چیز کے گھٹانے کم کرنے روکنے اور موقوف کرنے کے واسطے تدبیریں کی جاویں گی تو ایسی شئے کا زیادہ کرنا یا ابتداء کرنا بڑھانا اور رواج دینا ضرور ممنوع ہوگا پس جبکہ اسلام نے فکِ رقبہ اور عتاق اور مکاتبہ کے احکام وجوبی صادر کئے تو اُس کی ضد استرقاق کو ضرور منع کیا +

ایک شبہ یہاں پر یہ ہو سکتا ہے کہ مکاتب کر کے چھوڑ دینے میں قید لگائی گئی ہے۔ ان علمتم فیہم خیرا کی۔ پس شرط کے مفقود ہونے پر بدستور غلامی کی حالت قایم رہیگی +

مگر یہ شبہ بے اصل ہے کیونکہ ضرور نہیں کہ ہر جگہ اَن شرطیہ ہو۔ اِنۡ اَور طرح بھی قرآن میں کئی جگہ آیا ہے منجملہ اسکے تعلیل اور قد کے معنے میں اور جس چیز کا فعل محقق الوقوع ہو وہاں تعلیل ہی کے معنی مناسب ہونگے۔ دیکھئے :-

۱- لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ +

۲- اتقوا اللہ ان کنتم مومنین +

۳- وانتم الاعلون ان کنتم مومنین +

اور قد کے معنے اس آیت میں +

۴- فذکر ان نفعت الذکریٰ +

اس میں شرط کے معنے صحیح نہیں کیونکہ ذکر اور وعظ تو ہر حال میں مامور بہ ہے ایسے ہی

مکاتبہ میں بھی شرط کے معنی صحیح نہیں کیونکہ کتاب تو مامور بہ اور امر وجوبی ہے پس آیت کے معنی بہت چسپاں اور مناسب ہونگے کہ جو تمہارے غلام تم سے آزادی پر اقرار نامہ لکھوانا چاہیں اُن کو لکھدو کیونکہ تم اُن میں بھلائی جان چکے ہو +

اور اس تفسیر پر ان علمتم فیہم خیرا میں اس بات پر بھی اشارہ ہے کہ مکاتبہ تو واجب ہی ہے مگر بلا درخواست کتابت بھی فی نفسہ غلام کی آزادی واجب ہے +

۵- اور لفظ اِنْ کی بحث میں دور کیوں جاؤ اسی آیت کے بعد کی آیت میں دیکھئے۔ اِنْ کیا معنی دیتا ہے +

ولاتکرھو فتیٰتکم علی البغاء اِن اردن تحصُّنًا +

۲۸- نہ صرف ایک مکاتب کرنیکا ہی حکم دیا بلکہ بہت سے احکام جن سے غلاموں کی سختی جاتی رہی اور اُن کی حالت میں بہ نسبت سابق کے بہت کچھ آسایش اور بہبودی میں ترقی ہو گئی چنانچہ ہمارے یہاں کی کتب صحاح و مسانید و مجامع میں بہت سی حدیثیں اور فقہ کی کتابوں میں بہت سے مسایل ایسے عمدہ اور کثرت سے ہیں کہ اگر اسی قدر ہی احکام ہوتے تو بھی بہ نسبت اَور قوموں کے رسم قانون کے مسلمانوں کی رسم و قانون میں بہت ترقی و آسانی تھی اور انہیں احکام قرآنی اور مسائل فقہیہ کی بدولت ہند کے مسلمانوں میں غلاموں اور خدمتگاروں میں صرف نام کا ہی فرق رہگیا تھا۔ اور چونکہ اسلام کو غلاموں کے حق میں زیادہ رعایت منظور رہی ہے۔ اس لئے غلام کو اس ملک میں اپنے مایحتاج کی فکر نہیں کرنی پڑتی تھی اور نہ اس کو اپنے بال بچوں کی طرف سے تردد رہتا تھا اسکے مسلمان آقا کو خود ہی اس کی تمام ضروریات کی فکر واجب و لازم ہوتی تھی اور اس سے بہ نرمی اور ملایمت سے پیش آیا جاتا تھا۔ اور اس اتفاق کے بدلے میں غلام سے صرف گھر کا معمولی اور آسان کام لیا جاتا تھا یہ کیفیت میں اُس وقت کی بیان کرتا ہوں جب ہندوستان میں انگریزی عملداری کی جانب سے غلاموں کی حالت میں دست اندازی نہیں ہوئی تھی (دیکھو رسالہ مکناٹن مطبوعہ ولسن) ہم کو اس بات کے ثبوت میں کہ مسلمانوں کے فقہی مسائل کا برتاؤ بھی غلاموں کے حق میں بہ نسبت اَور قوموں کی شریعت کے بہت نرم اور ملایم ہے یہ قول پیش کرنا ضرور ہے کہ جب ہندوستان میں مسٹر رچارڈسن بندیلکھنڈ کے جج اور مجسٹریٹ نے سنہ ۱۸۰۸ء میں انسداد رسم غلامی میں ایک مسودہ قانون تصنیف کیا تو اس میں اُنھوں نے یہ رائے دی کہ اگر ہندوستان میں سے رسم غلامی کو قطعاً موقوف کر دینا مناسب نہ ہو تو ہندوؤں کے شاستر کے احکام ترک کر کے

Treatment of slaves among Muhammedans is more liberal than in other nations.

اُن کی جگہ ہر ایک بات میں شریعت اسلام کے احکام کو رواج دیا جاوے کیونکہ وہ غلاموں کے حق میں بہت ہی ملائم ہیں +

۲۹- یہ سب تدبیریں تو اُس وقت کے موجود غلاموں کی آزادی کی تھیں اور ہر چند کہ عقل خیر اندیش کو آیندہ غلام بنانا اس سے ممنوع پایا جاتا مگر اس وقت کے اذہان اور عقول انسان کے فطرتی آزادی کا ادراک اچھی طرح نہیں کر سکتے تھے اور ہر ایک بشر کا وجدان سلیم اس پر گواہی دیتا ہے کہ وہ کبھی اپنی ذات یا عزیزوں کے لئے غلامی پسند نہ کریگا اور یہ ایک قدرتی دلیل ہے اُس کے فطرت الٰہیہ کے خلاف ہونیکی کہ اُسکی ناجوازی اور ناگواری انسان کی طبیعت اور جبلت میں رکھدی گئی ہے الّا رسم قدیم جاہلیت کی گمراہی سے عوام لوگ اسکے محاسنِ عقلی کو خوب نہیں پاتے تھے اور ایسے امور کی اصلاح صرف علوم کی بتدریج اشاعت اور تزکیہ اور حکمت کی تعلیم سے ہو سکتی ہے تاکہ ہر ایک قوم احکام الٰہی کی بصیرت اور عقل کی ہدایت سے دریافت کرے کہ درحقیقت تمامی خلق اللہ کی بہبود اور عافیت اور عقلی اور مذہبی تمدنی اور حسن عشرت کی اصلاح اسی آزادی پر موقوف ہے اس لئے ضرور ہوا کہ آیندہ کی رسم غلامی کے موقوف اور مسدود ہونے کے لئے صاف صاف حکم دیا جاوے- چنانچہ سورہ محمد میں فرمایا:-

The Koran (Chapter XLVII) and (4 abolished future slavery and concubinage by ordering that the Captives of war to be either dismissed freely or ransomed a law of universal obligation.

"فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاما منًا بعد واما فداء حتی تضع الحرب اوزارھا" +

چونکہ لڑائیوں کے قیدی غلام بنائے جاتے تھے غلامی کی رسم کی ابتدا یہی معلوم ہوتی ہے اور اُس وقت کی رسم میں لڑائی کے قیدیوں سے چار طرح پر سلوک کیا جاتا تھا (۱) قتل کرنا (۲) غلام بنانا (۳) احسان رکھکر چھوڑ دینا (۴) فدیہ لیکر چھوڑنا- اس آیت نے صرف ۳ و ۴ صورت پر لڑائی کے قیدیوں کے حق میں عمل کرنا منحصر کیا- اور ۲-۱ اگلی صورتوں کو بالکل موقوف اور مسدود کر دیا- اور یہ اسلام کی ایسی برکت اور اتنا بڑا احسان ہے کہ کسی مذہب و ملت میں ایسی تدبیر انسان کی فلاح اور اصلاح کی نہیں کی گئی +

۳۰- اس آیت محکم پر کئی طور سے بحث ہوئی ہے اور رسالہ تبیین الاسلام عن شین الامۃ والغلام میں سید احمد خان صاحب بہادر سی- ایس- آئی نے بسط و تفصیل بالا کلام سے اسکے ہر ایک پہلو اور جانب پر بحث کی ہے اور اسلام میں یہ اول تحریر و تصنیف ہے جو اس آیۃ

کی تنزیہ اور تفسیر میں ہوئی ہو اور جس نے تمام عالم پر اسلام کی فضیلت ثابت کی ہو اور ہمارا یہ مضمون ایسے فقہی مباحثوں کے لئے نہیں ہے اس میں ہم مختصر گفتگو نفس آیت کے متعلق کرینگے +

(ا) زمانہ نزول آیت

مسلمانوں میں یہ اصطلاح کہ فلاں صورت مکی ہے یا مدنی مختلف ہے۔ بعض تو اس اصطلاح کو زمانہ کی بنا پر رکھتے ہیں یعنی تاریخ کی حیثیت سے جو آیت قبل ہجرت نازل ہوئی ہو وہ مکی ہے اور جو بعد ہجرت ظاہر ہوئی ہو وہ مدنی ہے خواہ مکہ ہی میں سال حج یا سال فتح کو آئی ہو۔ اور بعضے اس اصطلاح کو صرف مکان کے متعلق رکھتے ہیں یعنی جو سورہ مکہ میں نازل ہوئی خواہ قبل ہجرت یا بعد ہجرت وہ مکی ہے اور جو مدینہ میں وہ مدنی ہے (دیکھو تفسیر اتقان فی علوم القرآن۔ نوع ۱) اور اسی اصطلاح کی بنا پر سورۂ محمد بھی مختلف ہے۔ بعضے کہتے ہیں مدنی ہے اور یہ سچ ہے کیونکہ بعد ہجرت نازل ہوئی اور بعضے کہتے ہیں کہ مکی ہے اور یہ بھی سچ ہے کیونکہ مکہ میں نازل ہوئی یعنی سنہ ہجری میں پس یہ سورت جو بعد ہجرت کے مکے میں نازل ہوئی اس لئے مدنی ہے اور مکی بھی۔ پس یہ صرف اصطلاح کی تکرار تھی نہ کہ حقیقت میں اسکے شہر مکہ میں بعد ہجرت نازل ہونے پر کچھ شبہ اور تردد ہو +

علامہ سیوطی نے اس سورہ کو مختلف فیہ سورتوں میں درج کیا ہے (مقام مذکور) اور لکھتے ہیں سورۃ محمد حکی النفسی قولا غریبا انہا مکیۃ اس میں غرابت صرف اصطلاح کی بنا پر ہے نہ کہ حقیقت میں +

(ب) آیت کی دلالت

اس میں کچھ گفتگو اور نزاع نہیں ہو سکتی کہ اس آیت میں لڑائی کے قیدیوں کے لئے بجز من اور فدا کے اور کوئی صورت نہیں ہے اور اختیار نہیں کہ سوائے ان دو صورتوں کے اور کسی طرح سے پیش آیا جاوے۔ متعدد مفسرین صحابہ و تابعین جو اس آیت کے نسخ کے قائل ہیں وہ ہمارے استدلال کے موید ہیں کیونکہ اگر اس آیت سے قیدیوں کا غلام بنانا بھی کسی تاویل بعید و توجیہ غیر سدید سے نکل سکتا تو نسخ کی کیا ضرورت تھی۔ تفسیر کمالین میں ہے۔ روی عن ابن عمر عباس والحسن ابن سیرین وقال ابو حنیفۃ والاوزاعی ھی منسوخۃ لقولہ تعالیٰ فی البراءۃ واقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم لان البراءۃ اخر ما نزل وروی عن قتادۃ ومجاھد وعطاء والسدی وروی عن ابن عباس ایضاً اور تفسیر بیضاوی میں ہے منسوخ عند ابی حنیفۃ او مخصوص بحرب بدر فانھم قالوا یتعین القتل او الاسترقاق اور بیضاوی کے حاشیہ پر لفظ منسوخ کی ذیل میں لکھا ہے +

والیہ ذھب ابن عباس وقتادۃ وابن جریج والسدی والضحاکؒ ومجاھد وروی

نحوہ عن ابی بکر رضی اللہ عنہ +

پس ان فقہاء مفسرین جن میں صحابہ وتابعین بھی داخل ہیں یعنی (۱) ابن عمر (۲) عباس (۳) حسن ابن سیرین (۴) ابوحنیفہ (۵) اوزاعی (۶) قتادہ (۷) مجاہد (۸) عطار (۹) سدی (۱۰) ابن عباس (۱۱) ابن جریج (۱۲) ضحاک (۱۳) ابی بکر رضی اللہ عنہ۔ اس آیت میں بجز ان دو صورتوں کے اور کوئی تیسری صورت نہیں سمجھتے تھے اور اسی لئے بضرورت قتل یا استرقاق اس کو منسوخ بتلاتے ہیں۔ اور (۱۴) امام شافعی و (۱۵) مالک و (۱۶) حنبل تو اس آیت کو مخصوص بھی نہیں بتلاتے۔ چہ جائیکہ منسوخ۔ چنانچہ محلّے شرح موطا میں لکھا ہے۔ قولہ فاما منًّا بعد واما فداء الخ اے فاما تمنون منا بالاطلاق واما تفدون فداء بالاسترقاق وھو ثابت عند الائمۃ الثلاثۃ منسوخ عند ابی حنیفۃ لقولہ اقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم لان سورۃ براءۃ اخرما نزل او مخصوص بحرب بدر وبتعین عندھم القتل والاسترقاق فالمن العتاقۃ لاغیر یعنی یا تو اُن کو احسان رکھکر چھوڑ دو اور یا بمقابلہ استرقاق کے اُن سے فدیہ لیلو اور یہ آیت تینوں اماموں کے نزدیک غیر منسوخ ہے اور ابی حنیفہ کے نزدیک منسوخ ہے۔ اُقتلوا المشرکین سے کیونکہ سورہ براءۃ آخر نازل ہوئی یا بدر کی لڑائی سے مخصوص ہے اور اُن کے نزدیک قتل اور استرقاق متعین ہے پس مَنّ کے معنے بجز چھوڑ دینے کے اور کچھ نہیں ہیں +

(ج) بحثِ نسخ

امام شافعیؒ اور مالکؒ اور احمدؒ تو اس آیت کو ثابت بتلاتے ہیں الّا حضرت حنفیہ اسکو منسوخ ٹھہراتے ہیں اور ناسخ اس کا سورہ برارت کی پانچویں آیت کو قرار دیتے ہیں +

نسخ کی بحث میں تاریخ کا تعین تو ضرور ہے کیونکہ منسوخ کو زمانہ میں تقدم ہونا چاہیئے اور ناسخ کو تاخر مگر امر تنقیح طلب میں کسی قدر بے انضباطی ہوتی ہے اور عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ سورۂ برارت آخر ما نزل ہے مگر یہ حجت ٹھیک نہیں ہے آیتوں کے باب میں تو روایتیں بہت ہی مختلف ہیں اور ہر ایک نے اپنے علم اور رائے سے بعض بعض آیتوں کو آخر ما نزل قرار دیا ہے الّا سورتوں میں بھی اختلاف ہے +

اخرج مسلم عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال اخر سورۃ نزلت اذا جاء نصر اللہ والفتح +

اخرج الترمذی والحاکم عن عایشۃ قالت اخر سورۃ نزلت المائدۃ +

واخرج ایضاً عن عبد اللہ ابن عمر قال اخر سورۃ نزلت سورۃ المائدہ و الفتح (اذا جاء نصر اللہ) +

وفی حدیث عثمان المشہور براءۃ من اخر القرآن نزولا۔ (اتقان نوع ۸) +

(عن البراء ابن عازب اخر سورۃ نزلت کاملۃ براءۃ بخاری) +

اگر یہ روایتیں صحیح ہوں تو ان اختلافات کی تطبیق اس طرح پر ہو سکتی ہے کہ ہر ایک شخص نے اپنی معلومات کو بیان کیا پس اس میں کوئی بات قطعی نہیں ہے +

قال البیہقی یجمع بین ہذہ الاختلافات ان صحت بان کل واحد اجاب بما عندہٗ +

قال ابوبکر فی الانتصار۔ ہذہ الاقوال لیس فیہا شئی مرفوع الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال قالہ بضرب من اجتہاد وغلبۃ الظن یحتمل ان کلا منہم اخبر عن اخر ما سمعہ من النبی الخ (اتقان ۱۲) +

پس تنقیح طلب اس امر کو قرار دینا چاہیئے کہ (۱) آیا دونوں آیتوں میں یعنی سورہ محمدؐ کی ۴ آیت اور سورہ براءۃ کی ۴ آیت میں ایسا اختلاف ہے کہ بغیر تسلیم نسخ کے رفع ہی نہیں ہو سکتا اور (۲) ان دونوں میں کونسی آیت (نہ کہ سورت) مقدم ہے تاریخ نزول کے اعتبار سے (نہ کہ تاریخ اشتہار یا قراءت خاص کے لحاظ سے) +

ہم نے جو یہ دو امر تنقیح طلب قرار دیئے ہیں اُن کو سب محققوں نے نسخ کے لئے ضروری قرار دیا ہے۔ ابن الحصار نے کیا خوب تقریر کی ہے +

انما یرجع فی النسخ الی نقل صریح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او عن صحابی یقول آیۃ کذا نسخت کذا وقد یحکم بہ عند وجود التعارض المقطوع بہ مع علم التاریخ لیعرف التقدم والتاخر ولا یعتمد فی النسخ علی قول عوام المفسرین بل ولا اجتہاد المجتہدین من غیر نقل صحیح ولا معارضۃ بینۃ لان النسخ یتضمن رفع حکما و اثبات حکم تقرر فی عہدہ صلی اللہ علیہ وسلم فالمعتمد فیہ النقل والتاریخ دون الرای والاجتہاد۔ یعنی نسخ میں تو صرف رسول کے بیان صاف پر یا صحابی کے قول پر کہ اس آیت نے اُس آیت کو منسوخ کیا رجوع ہو سکتا ہے اور جبکہ دونوں آیتوں میں قطعی تعارض پایا جاوے اور ساتھ ہی اُسکے تاریخ سے اُن کا آگے پیچھے نازل ہونا بھی ثابت ہو جاوے تب نسخ مانا جا سکتا ہے۔ اور یوں نسخ میں عوام مفسروں کا قول اعتبار کے لائق نہیں ہے بلکہ مجتہدوں کے اجتہاد کا بھی اعتماد نہیں ہے کیونکہ نسخ میں ایک حکم کا جو رسول کے وقت میں مقرر تھا اُٹھانا یا ثابت کرنا ہوتا ہے پس اس میں نقل اور تاریخ ہی پر اعتماد ہو سکتا ہے نہ کہ رائے اور اجتہاد پر +

پس اَب ہم ان دونوں تنقیحوں کی نسبت یہ لکھتے ہیں۔کہ

(۱) ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض واقع نہیں ہے سورہ محمدؐ کی چوتھی آیت میں قیدیوں کا حکم ہے کہ جب لڑائی کے بعد بقیۃ السیف رہ جاویں ان قیدیوں کو یا تو احسان رکھکر چھوڑ دیا جاوے اور یا فدیہ لیکر چھوڑ دیا جاوے۔اور سورہ برات کی چوتھی آیت میں حکم ہے کہ مشرکوں کو جنہوں نے عہد توڑا ہے قتل کیا جاوے۔پس ان میں کچھ تعارض نہیں ہے +

(۲) کوئی حدیث صحیح جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے آج تک مدعیان نسخ نے نقل نہیں کی جس سے یہ معلوم ہوتا کہ برات کی چوتھی آیت سے سورہ محمدؐ کی چوتھی آیت کو منسوخ کیا +

(۳) کسی صحابی سے کسی خبر واحد یا ضعیف میں بھی یہ منقول نہیں ہے کہ اس آیت نے اُس آیت کو منسوخ کر دیا اور نہ مدعیان نسخ کوئی ایسی روایت بتلا سکے۔البتہ اوزاعی کا ایک قول پیش کیا گیا ہے۔چنانچہ ترمذی نے لکھا ہے۔قال الاوزاعی بلغنی ان ھذہ الآیۃ قولہ تعالیٰ فاما منا بعد واما فداء نسختہا فاقتلوھم حیث ثقفتموھم۔گر اوزاعی ہوں یا کوئی اور ہوں اُن کو ایسے بے پرکی خبریں ملا کریں ایسی خبروں سے کیا ہوتا ہے جبتک کہ نقل صریح اور روایت صحیح جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے نہو ایسی خبریں محض بیکار رہیں +

(۴) نسخ کا امکان انہیں احکام میں ہو سکتا ہے جو غیر موقت ہوں اور سورہ محمدؐ کی چوتھی آیۃ تو موقت ہے حتی تضع الحرب اوزارھا پس یہ کسی طرح منسوخ نہیں قرار پا سکتی۔علامہ سیوطی نے تفسیر اتقان نوع ۴۷ میں لکھا ہے۔وقسم ھو قسم مخصوص لامن قسم المنسوخ وقد اعتنی ابن العربی بتحریرہ فاجاد کقولہ ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا۔والشعراء یتبعہم الغاوون الا الذین امنوا۔فاعفوا واصفحوا حتی یاتی اللہ بامرہ۔وغیر ذالک من الآیات التی خصت باستثناء او غایۃ وقد اخطا من ادخلہا فی المنسوخ ومنہ قولہ ولا تنکحوا المشرکات حتی یومن۔قیل انہ نسخ بقولہ والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب وانما ھو مخصوص بہ۔انتہی +

(۵) آیتوں کی تاریخ نزول معلوم ہونی بہت دشوار ہے اور ہر ایک راوی اپنے علم اور قیاس سے کہتا ہے۔اور اسکے علاوہ سبب نزول کی اصطلاح ایسی غیر منضبط اور وسیع مقرر ہوئی ہے کہ جس بات پر کسی آیت سے استدلال کیا جاتا ہے یا اس آیت کی مراد بیان کرنی مقصود ہوتی ہے وہاں بھی یہی بولتے ہیں نزلت فی کذا۔پس اکثر تو ایسی روایتیں محض راویوں کے اجتہاد اور رائے پر ہیں نہ کہ تاریخی حالات اور نقل واقعات پر۔ابن تیمیہ نے لکھا ہے قولہم نزلت الآیۃ فی کذا یراد بہ تارۃ سبب نزول ویراد بہ تارۃ ان ذلک داخل فی الآیۃ وان لم یکن السبب کما تقول عنی بھذہ الآیۃ کذا۔اور زرکشی نے برہان میں لکھا ہے۔قد عرف

من عادة الصحابة والتابعین ان احدهم اذا قال نزلت هذه الآیة فی کذا فانه یرید بذلك انها تتضمن هذا الحکم لا ان هذا کان السبب فی نزولها فهو من جنس استدلال علی الحکم بالآیة لا من جنس النقل لما وقع۔ پس جبکہ محاورات کی یہ کیفیت اور اطلاقات کی یہ صورت ہو تو دشوار ہے کہ واقعی سبب نزول دریافت ہو سکے +

(۲) کسی موقع خاص یا مشہد عام پر چند آیات کا پڑھا جانا یہ نہیں ثابت کرتا کہ وہ آیت اُسی وقت نازل ہوئی ہو۔ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو سورہ برات کے شروع کی آیتیں دیکر بھیجا تھا کہ حج اکبر کے دن ۹ھ ہجری میں پڑھ سنانا اس سے یہ لازم نہیں آیا کہ سورہ برات کی وہ آیتیں اُسی وقت نازل ہوئی تھیں +

(د) والمحصنات من النساء کی تفسیر

بعضے لوگوں نے سورہ نسار کی ۲۸۔ آیت اس مراد سے پیش کی ہے کہ سورہ محمدؐ کے بعد بھی آزاد عورتوں کی جو قید ہو آویں لونڈی بنانے کی اجازت ہے (استغفر اللہ) اور حضرت ابو سعید خدری کی روایت پیش کی ہے جس کا ماحصل بروایت مسلم و ترمذی نسائی اور ابو داؤد (قطع نظر از زیادت و نقصان الفاظ) یہ ہے کہ اوطاس کے قیدیوں میں عورتیں بھی پکڑی آئیں تھیں مسلمانوں نے اُن عورتوں سے مباشرت کرنے کو گناہ سمجھا اور خوف کھایا کیونکہ اُنکے ازواج موجود تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی والمحصنات من النساء الا ما ملکت ایمانکم الخ اس میں نزول کا لفظ ان معنوں میں تو صحیح نہیں ہے کہ یہ آیت اسی قدر اور اُسی وقت نازل ہوئی تھی کیونکہ تاریخ کی راہ سے سورہ نسار ۵ھ ہجری کے قبل کی ہے۔ اور ۲۶ - اور ۲۷ - آیت کے سیاق سے بھی اُس کا علیحدہ ہونا بے موقع معلوم ہوتا ہے مگر ہاں نزلت یا تو وہی اصطلاح ہے کہ یتضمن ذالك الحکم - یا راوی نے اُس کو اُسی وقت سُنا ہو یا اور سلسلہ کے راویوں نے اُس کو غیر منضبط طور سے بیان کیا غرض اُس سے قطع نظر کر کے نفس روایات کا مضمون جیسا میں سمجھتا ہوں عین حق و صواب ہے اور اُس وقت کے مسلمانوں کا اندیشہ و تامل بھی اُن کی احتیاط اور پرہیزگاری پر دال ہے +

لشکر میں تو سب ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں خصوصاً اوطاس وغیرہ لڑائیوں میں مکّہ کے لوگ جو ابھی جدید الاسلام تھے بہت جمع تھے اور اوطاس کے قیدیوں میں عورتوں کو دیکھکر بعض ایّام جاہلیت کی رسم[1] برتنے کا ذکر کیا ہوگا۔ مگر اور اصحاب نبی نے اس امر کو گناہ سمجھا اس لئے

[1] ایام جاہلیت میں جس عورت کو قید کر لیتے لڑائی میں اسکے اگلے نکاح کو فسخ سمجھکر اس سے بے تکلف اور بلا توقف تصرف جائز سمجھتے تھے اسلام میں اس کی بڑی ممانعت ہوئی +

کہ ان عورتوں میں کے ہر ایک کے ازواج بھی مشرکوں میں موجود تھے (اور بعض بے شوہر بھی ہوں گی اور بعض کے شوہر بھی قید میں ساتھ ہی ہونگے) کیونکہ قید ہو جانے سے نکاح تو فسخ نہیں ہو سکتا۔ پس[۵۱] وہی ۲۷۔ آیت سورہ نساء کی اس وقت پڑھی گئی جو ۲۶۔ آیت سے متعلق ہے۔ اور جس کے معنے یہ ہیں کہ زنان عفیفہ تم پر حرام ہیں مگر وہ عورتیں جن کو تم بِلک نکاح میں لے آئے اور اس طرح سے اُن لوگوں کو حکم الٰہی سُنا کر اُس ارادہ قبیح سے باز رکھا +

مگر بعضے جاہلیت کی سی تربیت اور طبیعت والے راوی اپنے سبق ظن کی وجہ سے اس واقعہ کو اُلٹا سمجھے یا قصداً اسی رسم کی طرف اُسے پھیرنے لگے مگر بعضے راویوں نے جن پر تہذیب اسلام نے زیادہ اثر کیا تھا اتنا فقرہ شرح کے طور پر بڑھایا اذا انقضت عدتھن[۵۲] حالانکہ اس آیت میں محصنات سے زنان شوہر دار مراد ہی نہیں ہو سکتیں پھر عدت کی کیا ضرورت ہے۔ پھر بعضے مفسّروں نے اس میں ایک اور حکم الٰہی کی مخالفت دیکھکر یہ تاویل کی کہ وہ قیدی عورتیں مسلمان ہو جاویں تب اُن پر یہ حکم جاری ہو ورنہ مشرکہ سے تو ملک یمین کے طور پر مباشرت جائز نہیں (دیکھو تفسیر الجلالین ۵ح آیت ۱) حالانکہ کتب سیر و مغازی میں اوطاس کی قیدی عورتوں کے مسلمان ہو جانیکا ذکر نہیں ہے +

اور نہ اُن کی استبراء کا زمانہ پورا ہونیکا پایا کیونکہ بہت تھوڑے ہی عرصہ میں اُن کی قید اور رہائی احسان کے طور پر حسب حکم سورہ محمد آیت ۴ ہو گئی تھی +

غرضیکہ یہ تاویلیں اور شفاعتیں ان معنوں پر اُٹھانی پڑتی ہیں جو بعضے راویوں اور فقیہوں نے اپنے سبق ظن سے اختیار کر لی ہیں ورنہ کلام الٰہی تو ہر ایک عیب و قصور سے پاک ہے +

۱۲۔ معاملات میں سچائی اور عدالت و دیانت داری ایفائے عہد اور وزن اور پیمانہ میں راستبازی اصلاح منزل اور اطاعت حکام اور منع فتنہ و فساد اور ادائے امانت کے احکام غرض جو جو باتیں حسن معاشرت کے اصول اور بنیاد ہیں اور جن پر ریاستوں اور سلطنتوں میں امن و امان قایم رہتا ہے اور جن پر خلایق کی بہبود منحصر ہے اُن کی نسبت صاف صاف تعلیم ہوئی ہے +

Islam enjoins charity, ruthfulness in testimony, honestly in weights and measures and the faithful observance of covenants.

(۱) ویل للمطففین الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون واذا کالوھم او وزنوھم یخسرون (تطفیف) +

---

۵۱ قال ابوحنیفۃ لو سبی الزوجان لم ینفسخ النکاح ولم تحل للسابی (تفسیر بیضاوی) +

۵۲ ابو علقمۃ الہاشمی کی ایک روایت میں یہ فقرہ بڑھا ہوا ہے اور اسی کی اور روایتوں میں نہیں ہے +

(۲)۔لا تطغوا فی المیزان۔اقیموا الوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان۔(رحمٰن) +

(۳)۔ولا تبذر تبذیراً۔ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین وکان الشیطان لربہ کفورا (اسریٰ) +

(۴)۔ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسطہا کل البسط فتقعد ملوما محسورا +

(۵)۔اوفوا بالعہد ان العہد کان مسئولا۔(ایضاً) +

(۶)۔اوفوا الکیل اذا کلتم وزنوا بالقسطاس المستقیم (ایضاً) +

(۷)واوفوا بالعہد اذا عاہدتم ولا تنقضوا الایمان بعد توکیدہا۔ولا تتخذوا ایمانکم دخلا بینکم فتزل قدم بعد ثبوتہا (اسریٰ) +

(۸)۔یا ایہا الذین امنوا لا تخونوا اللہ والرسول وتخونوا اماناتکم (انفال) +

(۹)۔واذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذا قربیٰ وبعہد اللہ اوفوا ذالکم وصّٰکم بہ (انعام) +

(۱۰)۔یا ایہا الذین امنوا اوفوا بالعقود (مائدہ) +

(۱۱)۔واحفظوا ایمانکم (مائدہ) +

(۱۲)۔یا ایہا الذین امنوا کونوا قوامین بالقسط شہداء للہ ولا یجرمنکم شنان قوم علیٰ ان لا تعدلوا۔اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ (ایضاً) +

(۱۳)۔یا ایہا الذین امنوا کونوا قوامین بالقسط شہداء للہ ولو علیٰ انفسکم او الوالدان والاقربین (نساء) +

(۱۴)۔ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلہا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ان اللہ نعما یعظکم بہ (نساء) +

(۱۵)۔ولا تصعر خدک للناس ولا تمش فی الارض مرحاً ان اللہ لا یحب کل خوّان کفورٍ واقصد فی مشیک واغضض من صوتک (لقمان) +

(۱۶)۔ولا تمش فی الارض مرحاً انک لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا (اسریٰ)

(۱۷)۔یا ایہا الذین امنوا لا یسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیرا منہم ولا نساء من نساء عسیٰ ان یکن خیرا منہن ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان (حجرات) +

(۱۸)۔یا ایہا الذین امنوا اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضاً ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتا فکرھتموہ (حجرات) +

(۱۹)۔اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم +

(۲۰)۔ وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینہما فان بغت احدٰیہما علی الاخرٰی فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٓئَ الی امر اللہ فان فاءت فاصلحوا بینہما بالعدل واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین۔ انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم (حجرات) +

اور بھی چند متفرق احکام جو مصالح نوعیہ کے قایم رکھنے اور اُن میں باہم گر تعلقات کی رعایت اور پابندی کے لئے ضرور ہیں یہ ہیں +

(۲۱)۔ ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربٰی وینہٰی عن الفحشاء والمنکر والبغی (نحل) +

(۲۲)۔ یاایہا الذین امنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون۔ انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوۃ فہل انتم منتہون (مائدہ) +

(۲۳)۔ طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لہم[۵۱] (ایضاً) +

---

[۵۱] شیخ الاسلام محی الدین نووی نے شرح صحیح مسلم (صفحہ ۱۹۰۔ جلد ۲ مطبع منشی نولکشور) میں لکھا ہے وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم قال المفسرون المراد بہ الذبائح ولم یستثن منہا شیئاً لا لحماً ولا شحماً ولا غیرہ وفیہ حل ذبائح اہل کتاب وھو مجمع علیہ ولم یخالف فیہ الا الشیعۃ ومذہبنا ومذہب الجمہور اباحتہا سواء سموا اللہ تعالیٰ ام لا۔ وقال قوم لا یحل الا ان یسموا اللہ تعالیٰ فاذا ذبحوا علی اسم المسیح او کنیسۃ ونحوہا فلا تحل تلک الذبیحۃ عندنا وبہ قال جماہیر العلماء (یعنی مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں ذبیحہ کی حلت مراد ہے اور کوئی چیز اس میں سے مستثنےٰ نہیں ہوئی نہ گوشت نہ چربی نہ کچھ اور اس میں اہل کتاب کے ذبیحوں کی حلت ہے اور اس پر سب کا اجماع ہے کسی نے اس میں خلاف نہیں کیا مگر شیعوں نے اور ہمارا اور سب مسلمانوں کا یہی مذہب ہے کہ اُنکے ذبیحے مباح ہیں خواہ وہ خدا کا نام لیں یا نہ لیں۔ اور کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ جبھی حلال ہوگا جبکہ خدا کا نام لیں اور جب مسیح کے نام پر یا اُن کی کنیسہ پر ذبح کریں تو حلال نہیں اور اسی بات کو سب علما نے کہا ہے +

البتہ امامیہ مذہب والے اس مسئلہ میں منفرد ہیں مگر بعضے متقدم اور رئیس علما مثلاً شیخ مفید و ابن جنید و ابن ابی عقیل ان سے اس میں خلاف منقول ہے۔ اور بعضی روایتیں اسکے جواز میں ہیں چنانچہ صحیحہ جمیل و محمد بن حمران میں ہے انہما سألا اباعبد اللہ علیہ السلام عن ذبائح الیہود والنصارٰی والمجوس فقال کُل وقال بعضہم انہم لا یسمون فقال ان حضرتموہم فلم یسموا فلا تاکلوا واذا غاب فکل۔ اور روایت عبد الملک قال قلت لابی عبد اللہ علیہ السلام ما تقول فی ذبائح النصارٰی فقال علیہ السلام لا باس بہا قلت انہم یذکرون علیہ المسیح فقال انما ارادوا بالمسیح اللہ یعنی راوی نے اباعبد اللہ سے پوچھا کہ یہود و نصارےٰ و مجوس کا ذبیحہ کھا جانا چاہیئے تو حضرت نے فرمایا کہ کھا پھر راوی نے عرض کیا کہ وہ خدا کا نام نہیں لیتے تو فرمایا کہ اگر تمہارے

(۲۴) - قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ او دما مسفوحا او لحم خنزیر فانہ رجس او فسقا اُھل لغیر اللہ بہ فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فان ربک غفور رحیم (انعام) ۰

اور نیز سورہ مائدہ کی ۳ - آیت ؛

یہی حکم بعینہٖ انجیل میں ہے دیکھو اعمال الحواریین ۱۵ فرق اتنا ہے کہ حال کے نسخوں میں بمقابلہ لحم خنزیر لفظ (زنا) ہے مگر قیاس اس کا مقتضی ہے کہ اصل عبارت انجیل میں کورماس دلحم خنزیر تھی (جسکی صورت حال کے نسخوں میں پورنیاس (زنا) ہو گئی ہے کیونکہ اس وقت حواریوں میں یہود کی رسمی شریعت کی بحث تھی نہ کہ اخلاقی احکام کی پس زنا کو خون اور گلا گھونٹے جانور اور بتوں کی قربانی سے کیا مناسبت تھی اس کا ذکر تو خارج از محل اور بے موقع تھا - البتہ پورنیاس یعنی لحم خنزیر وغیرہ چیزوں پر جن سے یہود کی رسمی شریعت میں حلت اور حرمت متعلق تھی بحث ہوئی تھی کہ غیر قوم عیسائیوں پر بھی اُس کا بارڈالا جاوے یا نہیں - ہمارے اس قیاس کی تائید اس سے زیادہ قوی ہوتی ہے کہ ڈاکٹر بینٹلی اور مسٹر ریوس یہ دونوں محقق جنھوں نے انجیل کے نسخوں کے اختلاف اور تصحیح میں بڑی محنت اور تحقیق کی ہے اسی عبارت کورِیاس کو ترجیح دیتے ہیں ؛

(۲۵) - ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا فلا یسرف فی القتل انہ کان منصورا (اسریٰ) ؛

(۲۶) - یا ایہا الذین امنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون - انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوۃ فھل انتم منتھون (مائدہ) ؛

۳۲ - صبر اور تحمل کے احکام اور بُرائی کے بدلے میں بھلائی کرنا اور مخالفوں کی تقصیروں سے درگزر کرنا اور اپنے دشمنوں کے حق میں دعا کرنا بہت تاکید اور تکرار سے سکھلایا گیا ہے ؛

Universal forgiveness and forbearance has invariably been inculcated in the Koran.

(۱) - ولا تستوی الحسنۃ ولا السیئۃ ادفع بالتی ھی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۲ | سامنے خدا کا نام نہ لیں تو نہ کھاؤ اور اگر غیبت میں ذبح کریں تو کھاؤ - اور عبد الملک کی روایت میں ہے کہ ہم نے ابا عبد اللہ علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ یہود و نصاریٰ کے ذبیحوں کی نسبت کیا فرماتے ہیں تو ارشاد کیا کہ کھاؤ تب میں نے عرض کیا کہ وہ لوگ مسیح کا نام لیتے ہیں تو انھوں نے فرمایا کہ مسیح سے بھی اُن کی مراد خدا ہی ہے اور زکریا بن ابراہیم سے روایت ہے قال دخلت علی ابی عبد اللہ علیہ السلام فقلت انی رجل من اھل الکتاب وانی اسلمت وبقی اھلی کلھم علی النصرانیۃ وانا معھم فی بیت واحد لم افارقھم بعد فاکل من طعامھم فقال لی ایاکلون لحم الخنزیر قلت لا ولکنھم یشربون الخمر فقال لی کل معھم واشرب - انتھیٰ ؛

احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمید (حم سجدہ) +

(۲)- فاعفوا واصفحوا حتی یاتی اللہ بامرہ (بقر) +

(۳)- ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم (نور) +

(۴)- یاایھا الذین امنوا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط ولا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی (مائدہ) +

(۵)- یاایھا الذین امنوا ان من ازواجکم واولادکم عدو لکم فاحذروھم وان تعفوا وتصفحوا وتغفروا فان اللہ غفور رحیم (تغابن) +

(۶)- فاعف عنھم وقل سلام (زخرف) +

(۷)- فاعف عنھم واصفح ان اللہ یحب المحسنین (مائدہ) +

(۸)- واعرض عنھم وعظھم وقل لھم فی انفسھم قولا بلیغا (نساء) +

(۹)- قل للذین امنوا یغفروا للذین لا یرجون ایام اللہ (جاثیہ) +

قرآن میں اس کی پیشین گوئی ہوئی تھی کہ مسلمانوں کو مخالفوں سے بڑی اذیت پہنچیگی اور اُن کو ہدایت ہوئی تھی کہ وہ صبر کرتے رہیں +

(۱۰)- ولتبلون فی اموالکم وانفسکم ولتسمعن من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم ومن الذین اشرکوا اذی کثیرا وان تصبروا وتتقوا فان ذلک من عزم الامور (آل عمران) +

BENEFICIAL EFFECTS OF ISLAM.

اسلام کے وعظ اور اصلاح کی تاثیر

"اسلام جس طرح کہ اخلاقی اور روحانی نیکیاں تعلیم کرتا ہے نہیں نہیں جس طرح سے کہ اخلاقی اور روحانی نیکیوں کو دل میں بٹھا دیتا ہے اسی طرح تمدن اور حسن معاشرت کی جو نیکیاں ہیں اُن کو بھی اپنے پیرووں کے برتاؤ میں ایسا ملا جلا دیتا ہے کہ کسی طرح اُن سے الگ نہیں ہو سکتیں اور بطور فطرتی عادتوں کے دکھلائی دیتی ہیں اور طبیعت ثانی ہونے سے بھی بڑھکر اصلی طبیعت ہو جاتی ہیں" +

سید احمد

(پرچہ تہذیب الاخلاق جلد ۲ نمبر ۱۰)

۲۳- یہاں تک جو احکام بیان ہوئے اُن کی منشا انسان کی حالت کی اصلاح وتہذیب تھی تو اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی اصلاح نے جو بڑی وقت اور

مشقت اور کمال رافت اور شفقت سے ہوئی تھی کیا کیا نتیجے پیدا کئے اور اس سے کیسی تعجب انگیز
اور دوائم الاثر تاثیریں ظہور میں آئیں اور کس طرح سے اُس نے قوموں اور ملکوں میں آسایش اور
عافیت اور خلایق کی بہبودی کو از سر نو زندہ کیا اور کس طرح سے مہلک اور مضر رسموں کو نیست و نابود
کیا اور کئی ایک اور خرابیوں کو جو بالکل مٹ نہیں گئیں بہت کچھ اُن کی اصلاح اور درستی کی۔ اور
ان سب کا اثر انسانوں کی ذات واحد اور جماعت اور ریاست پر کیسا نفع بخش اور سود مند ظہور
میں آیا اور آتا جاتا ہے +

۴۳۔ اسلام کو شروع ہوئے ابھی تھوڑا ہی زمانہ گذرا تھا کہ کفار مکہ کی اذیت اور تکلیف دہی
سے کئی ایک مسلمان ملک ابی سینیا کو چلے گئے وہاں کے
عیسائی بادشاہ نیگس (نجاشی) کے دربار میں حضرت جعفر

Appeal of an early Moslem to the beneficial effects of Islam

نے جو تقریر دلپذیر فرمائی ہے وہ ایام جاہلیت اور ابتدا زمانہ اسلام کا حال خوب آئینہ کر دیتی ہے۔
مکے سے جو لوگ ان مسلمانوں کو پکڑ لانے کے لئے گئے تھے اُن کے مقابلہ میں حضرت جعفر کی تقریر
یوں ہوئی +

"ہم لوگ جہالت اور بت پرستی اور بدکاری میں زندگی بسر کرتے تھے۔ زور آور کمزور پر ظلم کرتا
تھا۔ ہم لوگ جھوٹ کے عادی تھے۔ اور خدمات مہمان نوازی کی رعایت نہیں کرتے تھے تب
ایک نبی قایم ہوا جس کو ہم لڑکپن سے جانتے تھے۔ اور جس کے حسن اخلاق۔ دیانت اور طریق عمل
سے ہم لوگ خوب واقف تھے اُس نے ہم کو سکھلایا کہ خدا واحد کی عبادت کریں۔ عہد اور میثاق
اور قسم کو پورا کریں۔ اپنے قرابت داروں کی مدد کریں۔ شرائط مہمان نوازی کو پورا کریں اور جملہ
ناپاک چیزوں اور کفر و غداری سے پرہیز کریں۔ ہم اُس پر ایمان لائے اور ہم نے اُس کا ساتھ دیا
لیکن ہمارے ملک کے لوگوں نے ہم کو اذیت دی ہم پر ظلم کیا اور ہم سے ہمارا مذہب چھڑوانا
چاہا۔ اور اب ہم اپنے آپ کو بادشاہ کی حمایت میں لے آئے ہیں" +

یہ تقریر تو ایک انگریزی کتاب سے لی گئی ہے مگر سیرت کی کتابوں میں مفصل لکھا ہوا ہے۔
(دیکھو سیرت ہشامی صفحہ ۲۱۹ و ۲۲۰ مطبوعہ لندن ۱۸۶۵ع) اور کتاب سبیل الہدیٰ والرشاد
فی سیرت خیر العباد مشہور بسیرت شامی میں اس طرح پر ہے (ج ب ۱۹) "فقال الجعفر ایہا الملک
کنا قوماً اھل جاھلیۃ نعبد الاصنام و ناکل المیتۃ و ناتی الفواحش ونسی الجوار و یاکل القوی
الضعیف فکنا علی ذلک حتی بعث اللہ الینا رسولاً منا نعرف نسبہ و صدقہ و امانتہ و عفافہ فدعانا
الی اللہ لنوحدہ و نعبدہ و نخلع ما کنا نعبد نحن و آباؤنا من دونہ من الحجارۃ والاوثان و امرنا
ان نعبد اللہ وحدہ لا نشرک بہ شیئاً و امرنا بالصلاۃ والزکوۃ والصیام فعدد علیہ امور الاسلام

ثم قال وامر بصدق الحدیث واداء الامانۃ وصلۃ الرحم وحسن الجوار والکف عن المحارم والدماء ونہانا عن الفواحش وقول الزور واکل مال الیتیم وقذف المحصنات فصدقناہ واتبعنا علی ما جاء بہ من اللہ تعالیٰ فعبدنا اللہ تعالیٰ وحدہ ولا نشرک بہ وحرمنا ما حرم اللہ علینا واحللنا ما حل لنا فعدا علینا قومنا فعذبونا وفتنونا عن دیننا لیردونا علی عبادۃ الاوثان من عبادۃ اللہ تعالیٰ وان نستحل ما کنا نستحل من الخبائث فلما قہرونا وظلمونا وضیقوا علینا وحالوا بیننا وبین دیننا خرجنا الی بلادک واخترناک علی من سواک ورغبنا فی جوارک ورجونا ان لا نظلم عندک یا ایہا الملک" +

۳۵۔ مکہ کی تیرہ و تاریک حالت جو قبل اسلام تھی اور پھر زمانہ اسلام میں اہل مکہ میں اخلاقی اور روحانی نورانیت اور سرسبز ضیاء ایمان باللہ اور حسن اخلاق کی روشنی ایسی تعجب انگیز اور حیرت خیز ہے کہ ایسی تاثیر الٰہی اور برکت ربانی کا اقرار ہمارے مخالفوں کو بھی ہے۔ والفضل ما شہدت بہ الاعداء

Previous dark and torpid state of Mecca and Arabia.

سر ولیم میور صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "ایک زمانہ نامعلوم سے مکہ اور تمام جزیرہ عرب کی روحانی کیفیت بالکل بے حس ہو گئی تھی گو ایک خفیف اور ناپائدار سا اثر یہودیت نصرانیت یا فلسفہ کا عرب پر ہوا تھا جیسے کہ ایک دریاچہ غیر رواں کی سطح کا ادھر ادھر لہر کھانا مگر تہ میں محض بے حس و حرکت رہنا۔ تمام عرب توہمات و ظلم اور بدکاریوں میں غرق ہو رہے تھے یہ عام رسم تھی کہ بڑا بیٹا اپنے باپ کی بیبیوں کو جو اور جائداد کی مانند میراث میں آتیں بیاہ لیتا اُنکے غرور اور افلاس سے رسم دخترکشی بھی اُن میں جاری ہو گئی تھی جیسے ہندوؤں میں۔ اُن کا مذہب حد کے درجہ کی بت پرستی تھا اور اُن کا ایمان ایک مسبب الاسباب مالک علی الاطلاق پر نہ تھا بلکہ غیر مرئی ارواح کے توہم باطل کی سی ہیئت کا اُن کا ایمان تھا انہیں کی رضامندی مناتے تھے اور اُنہیں کی ناراضگی سے احتراز کرتے تھے قیامت اور جزا و سزا جو فعل یا ترک کا باعث ہو اُس کی اُنہیں خبر ہی نہ تھی +

ہجرت سے ۱۳ برس پیشتر تو مکہ اس طرح سے ایسی ذلیل حالت میں بیجان پڑا ہوا تھا مگر ان تیرہ برسوں نے کیا ہی اثر عظیم پیدا کیا۔ سینکڑوں آدمیوں کی جماعت نے بت پرستی چھوڑ کے خدائے واحد کی پرستش اختیار کی اور اپنے اعتقاد کے موافق وحی الٰہی کی ہدایت کے مطیع و منقاد ہو گئے۔ اُسی قادر مطلق سے بکثرت و بشدت دعا مانگتے اسی کی رحمت پر مغفرت کی اُمید رکھتے اور حسنات و خیرات پرہیزگاری اور انصاف کرنے میں بڑی کوشش کرتے تھے۔ اب انہیں شب و روز اُسی قادر مطلق کی قدرت کا خیال اور یہ کہ وہی رزاق ہماری

Effects produced on the Moslem converts by the thirteen years of Mahomet's ministry at Mecca.

اور نیز حوائج کا خبر گیراں ہے۔ ہر ایک قدرتی یا طبعی کیفیت میں ہر ایک امور متعلقات زندگانی میں اور اُن کی خلوت اور جلوت کے ہر ایک حادثہ یا تغیرات میں وہ اُسی کے ید قدرت کو دیکھتے تھے اور اُن پر بالا وہ لوگ اُس نبی روحانی حالت کو جس میں وہ خوشحال اور حمد کناں رہتے تھے خدا کے فضل خاص ورحمت باختصاص کی علامت سمجھتے تھے اور اپنے کافر اہل شہر کے کفر کو خدا کی تقدیر کئے ہوئے خذلان کی نشانی جانتے تھے محمد (صلعم) کو وہ اپنا حیات تازہ بخشنے والا سمجھتے تھے جو کہ اُنکی ساری امیدوں کے واسطے ماخذ تھے اور اُنہیں کی مناسب اور کامل اطاعت کرتے تھے" ✢

"ایسے تھوڑے ہی زمانہ میں مکہ اس عجیب تاثیر سے دو حصوں میں منقسم ہو گیا تھا جو بلا لحاظ قبیلہ وقوم ایک دوسرے کے درپے مخالفت وہلاکت تھے۔ مسلمانوں نے مصیبتوں کو تحمل اور شکیبائی سے برداشت کیا اور گو ایسا کرنا اُن کی ایک مصلحت تھی مگر تو بھی ایسی عالی ہمتی کی بردباری سے وہ لوگ تعریف کے مستحق ہیں۔ ایک سو مرد اور عورتوں نے اپنے ایمان عزیز سے انکار نہ کر کے اپنا گھر بار چھوڑ کر جبتک کہ یہ طوفان مصیبت فرو ہوے حبش کو ہجرت کر چکے تھے اور اب پھر اس تعداد سے بھی زیادہ آدمی اور اُن میں نبی بھی (اپنے عزیز شہر کو اور مقدس کعبہ کو (جو اُن کی نظر میں تمام روئے زمین پر سب سے زیادہ مقدس تھا) چھوڑ کر مدینہ کو ہجرت کر آئے۔ اور یہاں بھی اسی عجیب تاثیر نے ۲ یا ۳ برس کے عرصہ میں ان لوگوں کے واسطے ایک برادری جو نبی اور اور مسلمانوں کی حمایت میں جان دینے کو مستعد ہو گئے تیار کر دی" ✢

"اہل مدینہ کے کانوں میں یہودی حقانی باتیں عرصہ سے گوش گذار ہو چکی تھیں مگر وہ بھی اُس وقت تک خواب خرگوش سے نہ چونکے جبتک کہ روح کو کپکپا دینے والی باتیں نبی عربی کی نہیں سُنیں۔ تب البتہ دفعتاً ایک نئی اور سرگرم زندگانی میں دم بھرنے لگے" ✢

(ج ۲ ص ۲۶۹ - ۲۷۱)

اس تقریر کے بعد مصنف نے سورہ فرقان کی چند آیتیں قدمائے مسلمین کے محامد واوصاف میں ترجمہ کی ہیں اُن کو ہم جُداگانہ مقام پر لاوینگے ✢

۲۶۔ اسلام کی اصلاح کی قوت تاثیر کے ثبوت میں طبقہ اوّل کے مسلمانوں کا حسن اخلاق

Mighty effects of Islam on the conduct of early Moslems as described in the contemporary records of the Coran.

اور نیک کردار اُنکے ظاہری اور باطنی افعال و احوال میں ایک تعجب انگیز لیکن مطمئن کرنیوالی مثال ہے کہ اس تعلیم الٰہی کی تاثیر سے وہ لوگ کیا تھے کیا ہو گئے تھے۔ ہرچند کہ قرآن کا منشا یہ نہیں ہے کہ اس زمانہ کے لوگوں کا تذکرہ یا تاریخ لکھے گر نیکیوں پر رغبت اور اُن منکرات سے منع کرنا اس لئے بعض مقامات پر جو اگلے زمانہ کے مسلمانوں کی

کیفیت بیان ہوئی ہے اس سے ظاہر ہے کہ وہ لوگ کمال درجہ میں اخلاق اور فضائل سے آراستہ و مہذب تھے اور دینی اور دنیوی برکتوں سے معمور تھے اور یہی غرض تھی نبی کی بعثت سے "ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ" +

(ا)۔ ۲۳۔ الا المصلین +

۲۴۔ الذین ھم علی صلاتھم دائمون +

۲۵۔ والذین فی اموالھم حق معلوم للسائل والمحروم +

۲۶۔ والذین یصدقون بیوم الدین۔ ۱؎ +

۲۷۔ والذین ھم من عذاب ربھم مشفقون +

۲۸۔ (ان عذاب ربھم غیر مامون) +

۲۹۔ والذین ھم لفروجھم حافظون +

۳۰۔ الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین +

۳۱۔ فمن ابتغی وراء ذلک فاولئک ھم العادون +

۳۲۔ والذین ھم لاماناتھم وعھدھم راعون +

۳۳۔ والذین ھم بشھاداتھم قائمون +

۳۴۔ والذین ھم علی صلاتھم یحافظون +

۳۵۔ اولئک فی جنات مکرمون۔ (معارج) +

(ب)۔ ۶۳۔ وعباد الرحمان الذین یمشون علی الارض ھونا واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما +

۶۴۔ والذین یبیتون لربھم سجدا وقیاما +

۱؎۔ (ا)۔ مگر وہ نمازی جو اپنی نماز پر قایم ہیں۔ اور جن کے مال میں حصہ ٹھہر رہا ہے سائل کا۔ اور درماندہ کا اور جن کو انصاف کے دن کا یقین ہے +

اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں (بیشک انکے رب کے عذاب سے بیخوف نہ ہونا چاہیئے) اور جو لوگ اپنی نفسانی خواہشوں کو قابو میں رکھتے ہیں (مگر اپنی بیبیوں پر یا حرمیں جو ملک نکاح میں آچکیں) اس وجہ سے کہ اُن کو محصنات سے نکاح کا مقدور نہیں۔ اور جو ان سے بڑھ جاوے تو وہی ہیں حد سے بڑھنے والے۔ اور جو لوگ اپنی امانتیں اور اپنا قول پورا کرتے ہیں اور جو اپنی گواہی پر قایم ہیں۔ اور جو اپنی نماز سے خبردار ہیں وہی لوگ جنّت میں ہیں عزّت سے +

(ب)۔ ۶۳۔ اور بندے رحمان کے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر دبے پاؤں اور جب بات کرتے ہیں اُن سے بے سمجھ لوگ تو کہیں صاحب سلامت +

۶۴۔ اور وہ رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے آگے سجدے میں یا کھڑے +

٦٥- والذین یقولون ربنا اصرف عنا عذاب جہنم ان عذابها کان غراما +

٦٦- انها ساءت مستقر و مقاما +

٦٧- والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا و کان بین ذالک قواما +

٦٨- والذین لا یدعون مع الله الٰها اٰخر ولا یقتلون النفس التی حرم الله الا بالحق ولا یزنون ومن یفعل ذالک یلق اثاما +

٦٩- (یضاعف له العذاب یوم القیامة ویخلد فیه مهانا) +

٧٠- الا من تاب واٰمن وعمل عملاً صالحا فاولئک یبدل الله سیاتهم حسنات وکان الله غفورا رحیما +

٧١- ومن تاب وعمل صالحاً فانه یتوب الی الله متابا) +

٧٢- والذین لا یشهدون الزور واذا مروا باللغو مروا کراما +

٧٣- والذین اذا ذکروا بایات ربهم لم یخروا علیها صما وعمیانا +

٧٤- والذین یقولون ربنا هب لنا من ازواجنا وذریاتنا قرة اعین واجعلنا للمتقین اماما +

٧٥- اولئک یجزون الغرفة بما صبروا ویلقون فیها تحیة وسلاما (فرقان) +

٦٥- اور وہ جو کہتے ہیں اے رب ہٹا ہم سے دوزخ کا عذاب بیشک اس کا عذاب بڑی چٹی ہے +

٦٦- وہ بری جگہ ہے ٹھہراؤ کی اور بری جگہ رہنے کی +

٦٧- اور وہ کہ جب خرچ کرنے لگیں نہ اُڑاویں اور نہ تنگی کریں اور ہے اسکے بیچ ایک سیدھی گذران +

٦٨- اور وہ جو نہیں پکارتے اللہ کے سوا کسی حاکم کو اور نہیں خون کرتے جان کا جو منع کیا اللہ نے مگر جہاں چاہیے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو کوئی کرے یہ کام وہ بھڑے گناہ سے +

٦٩- دونا ہو اُس کو عذاب دن قیامت کے اور پڑا رہے اُس میں خوار ہو کر +

٧٠- مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کیا کچھ کام نیک۔ سو اُن کو بدل دیگا اللہ بُرائیوں کی جگہ بھلائیاں اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان +

٧١- اور جو کوئی توبہ کرے اور کرے کام نیک سو وہ پھر آتا ہے اُس کی طرف ٹھہرا پا +

٧٢- اور وہ جو شامل نہیں ہوتے جھوٹے کام میں اور جب ہو نکلیں کھیل کی باتوں پر تو نکل جاویں بزرگی رکھکر +

٧٣- اور وہ جب اُن کو سمجھائے اُنکے رب کی باتیں نہ ہو پڑیں ان پر بہرے اندھے +

٧٤- اور وہ جو کہتے ہیں اے رب دے ہم کو ہماری عورتوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک اور کر ہم کو پرہیزگاروں کے آگے +

٧٥- اُن کو بدلہ ملیگا کوٹھوں کے جھروکے اس پر کہ ٹھہرے رہے اور لیتے آویگے اُن کو وہاں دعا اور سلام کہتے (فرقان)

(ج) ۱۔ قد افلح المومنون [لـه] +

۲۔ الذین هم فی صلوتهم خاشعون +

۳۔ والذین هم عن اللغو معرضون +

۴۔ والذین هم للزکوٰة فاعلون +

۵۔ والذین هم لفروجهم حافظون +

۶۔ الا علیٰ ازواجهم او ما ملکت ایمانهم فانهم غیر ملومین +

۷۔ فمن ابتغیٰ وراء ذالک فاولئک هم العادون +

۸۔ والذین هم لاماناتهم وعهدهم راعون +

۹۔ والذین هم علیٰ صلوتهم یحافظون +

۱۰۔ اولئک هم الوارثون +

۱۱۔ الذین یرثون الفردوس هم فیها خالدون (مومنون) +

(د) ۲۰۔ الذین یوفون بعهد الله ولا ینقضون المیثاق +

۲۱۔ والذین یصلون ما امر الله به ان یوصل ویخشون ربهم ویخافون سوء الحساب

۲۲۔ والذین صبروا ابتغاء وجه ربهم واقاموا الصلوٰة وانفقوا مما رزقناهم سراً وعلانیة

ویدرءون بالحسنة السیئة اولئک لهم عقبی الدار۔ (رعد) +

(ﻫ) ۸۔ یوفون بالنذر ویخافون یوماً کان شره مستطیراً +

۹۔ ویطعمون الطعام علیٰ حبه مسکیناً ویتیماً واسیراً +

[لـه] (ج) ۔ فلاح پائی ایمان والوں نے جو اپنی نمازمیں نوے ہیں اور جو نکمی بات پر دھیان نہیں کرتے اور جو دیا کرتے ہیں اور جو اپنی خواہشوں کو تھامتے ہیں مگر اپنی عورتوں پر یا اپنے ہاتھ کے مال پر سو اُن پر الزام نہیں پھر جو کوئی ڈھونڈے اسکے سوا وہی ہیں حد سے بڑھنے والے اور جو اپنی امانتوں اور اقرار سے خبردار ہیں اور جو اپنی نماز سے خبردار وہی میراث لینے والے جو میراث پاوینگے باغ ٹھنڈی چھاؤں کے وہ اس میں سدا رہینگے (مومنون) +

(د) ۲۰۔ اور وہ جو پورا کرتے ہیں اقرار اللہ کا اور نہیں توڑتے اقرار +

۲۱۔ اور وہ کہ جوڑتے ہیں جو اللہ نے فرمایا ہے جوڑنا اور ڈرتے ہیں اپنے رب سے اور اندیشہ رکھتے ہیں بڑے حساب کا

۲۲۔ اور وہ جو ثابت رہے چاہتے توجہ اپنے رب کی اور کھڑی رکھتے نماز اور خرچ کیا ہمارے دیئے میں سے کھلے چھپے۔ کرتے ہیں بُرائی کے مقابل بھلائی ان لوگوں کو ہے پچھلا گھر (رعد) +

(ﻫ) ۸۔ پوری کرتے ہیں منت اور ڈرتے ہیں اس دن سے کہ اُس کی برائی پھیل پڑے گی +

۹۔ اور کھلاتے ہیں کھانا اُس کی محبت پر محتاج کو اور بے باپ کے لڑکے اور قیدی کو +

۱۰- انما نطعمکم لوجہ اللہ لا نرید منکم جزاءً ولا شکورا ✦

۱۱- انا نخاف من ربنا یوما عبوسا قمطریرا - (دھر) ✦

(۹)- کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ - (آل عمران ۱۲ع) ✦

۲۷- یہ کیفیت تو انسان کے ذاتی افعال اور خصال کی اصلاح اور تہذیب کی تھی اب دیکھنا چاہئے کہ جماعت قوم پر اسلام نے کیا اثر کیا یعنی تمدن کی حیثیت سے کونسی بڑی برکت اور خیر کثیر ظاہر ہوئی ✦

Its beneficial effects on the political state of the world.

اسلام کے قبل تمام قوم عرب باہم ٹوٹ پھوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے تھے مگر اسلام نے اُن کو ایک رشتہ برادری میں منسلک کر کے سب کو بھائی بنا دیا اُنکی عداوت مبدل بہ اُلفت ہو گئی اور وہ باہم کے شب و روز کے کُشت و خون ایک لخت مسدود ہو گئے اور صلح اور امان اور اتفاق قومی ہر قوم اور قبیلے میں پایا گیا ✦

لا تفرقوا واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمۃ اخوانا۔[۵۱] (آل عمران ۱۱ع) ✦

ایسا تصرف انسان کے دلوں پر ایک عجیب الشان تصرف ہے اور بےنظیر مثال ہے جسکے حاصل کرنے میں سالہا سال کی ملکی تدبیریں اور نظام سلطنت قاصر ہو جاتے ہیں ✦

والف بین قلوبکم لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم ولکن اللہ الف بینھم۔[۵۲] (انفال ۸ع) ✦

یہ کیسا کچھ اسلام کا فیض ہوا کہ جسکے نتیجہ میں عربوں کے خون خرابے اور باہم کے جدال وقتال موقوف اور معدوم ہو گئے اور ایک دوسرے سے فیاضی اور ہمدردی کرنے میں ساعی

۱۰- ہم جو تم کو کھلاتے ہیں نرا اللہ کا منہ چاہئے کو نہ تم سے ہم چاہیں بدلہ نہ چاہیں شکرگزاری ✦

۱۱- ہم ڈرتے ہیں اپنے رب سے ایک دن اداس کی سختی سے (دھر) ✦

(۹)- تم ہو بہتر سب لوگوں سے جو پیدا ہوئے ہیں حکم کرتے ہو اچھی بات کا اور منع کرتے ہو بری بات سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر (آل عمران ۱۲ع) ✦

۵۱- اور پھوٹ نہ ڈالو اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب تھے تم آپس میں دشمن پھر اُلفت دی تمہارے دلوں میں اب ہو گئے ہو اُسکے فضل سے بھائی (آل عمران ۱۲ع) ✦

۵۲- اور اُن کے دل میں اُلفت ڈالی اگر تو خرچ کرتا جو سارے ملک میں ہے تمام نہ اُلفت دے سکتا اُنکے دل میں لیکن اللہ نے اُلفت ڈالی اُن میں (انفال ۸ع) ✦

اور سرگرم ہو گئے اور نہ صرف خونریزی اور مقاتلات کو روکا بلکہ کینہ کشی اور غرور کی جڑ کاٹی اور تمام ملک میں امن و امان و صلح و آشتی قائم کر دی *

جس شخص کو ایام عرب پر نظر ہو گی وہ خوب سمجھتا ہو گا کہ عرب کی قومیں اور قبیلے باہم ایسے متفرق اور ایک دوسرے سے بے نیاز ہو رہے تھے کہ ان میں کوئی اُمید مذہبی اصلاح اور اتحاد قومی کی نہ تھی اور یہ وجہ بھی تھی کہ کبھی کسی غیر ملک والے یا رئیس کو اُن پر تسلط اور تمکن حاصل نہیں ہوا کیونکہ جب جماعتیں ایسی متفرق ہوں کہ کوئی ان کا راس و رئیس نہ ہو تو اُن کا مسخر اور منقاد کر لینا بہت دشوار ہوتا ہے *

The prospects of Anti-Mahometan Arabia were unfavorable to the hope of political main or national regeneration.

یہود بھی تو عرصہ سے عرب کے اطراف و جوانب میں بلکہ وسط عرب میں رہتے تھے اور عیسائیوں کی کئی ریاستیں اور سلطنتیں قرب و جوار میں مثل سلطنت مصر و شام و حبشہ تھیں اور نیز خاص عرب میں حیرا و غسان اور یمن کی عیسائی بادشاہتیں اور نجران میں بنی حارث اور یمامہ میں بنی حنیفہ اور تیمہ میں بنی طے اور نیز بنی تغلب یہ سب عیسائی قومیں رہتی تھیں مگر اُن سے نہ تو کچھ عرب کی حالت تمدن میں اصلاح نہ اُنکے اخلاق میں کچھ اثر نہ اُنکے اوضاع و اطوار میں شایستگی نہ اُنکے رسم و رواج میں تغیر واقع ہو سکا۔ اور مذہب میں تو سب برابر ہی سے تھے *

خوب غور کرو اعراب کی حمیت اور عصبیت کی کینہ کشی اور عداوت کی رسم کو اور پھر دیکھو اسلام کی صلح اور عفو کے احکام کو اور اسکے نتیجہ میں ملاحظہ کرو عرب کی مذہبی اصلاح رسوم کی تہذیب اور موافقت عام ملکی اتحاد اور قومی یگانگت گویا از سر نو ایک طبقہ جدید پیدا ہو گیا وہ خلقت ہی بدل گئی وہ جبلت ہی جاتی رہی *

Islam united the hostile tribes of Arabia in a brotherly union.

اگر حضرت موسیٰ کے انتظام سیاست میں تھوڑا سا بھی غور کرو تو بہت فرق پاؤ حضرت موسیٰ ایک ایسی قوم اور جماعت پر گئے جو باہم متحد تھے اور اُس پر طرہ یہ کہ ایک جابر بادشاہ کی غلامی میں گرفتار اور کسی ادنیٰ سے محرک یا چھڑانیوالے کے وقت انتظار تھے حضرت موسیٰ کو کچھ بھی تکلف نہیں کرنا پڑا اور اُس قوم نے دلی آرزو اور اخلاص سے اُن کو اپنا سردار اور نجات دہندہ قبول کر لیا کیونکہ وہ تو مضطر اور بے بس تھے اور ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت ہوتا ہے اور باینہمہ وہ لوگ رہائی پاکر شایستہ و منقاد نہ ہوئے اصل غرض تبریہ باری اور توحید الٰہی کے کئی بار خلاف ظہور میں آیا برخلاف عرب کی قوم کے۔ ان میں حد کے مرتبہ کا تفرق اور منافرت تھی اور جناب پیغمبر صلعم ان کے جملہ دین و آئین کو گمراہی قرار دیتے تھے انکے خداؤں اور بتوں

بیکار محض تبلاتے تھے اور وہاں کے کسی ایک قبیلہ نے بھی کلیتہً جناب پیغمبر کو تسلیم اور قبول نہیں کیا شروع ہی سے مشرکوں کا معارضہ اور مقابلہ ہونے لگا مگر آخر کو قرآن کے احکام و نصایح کی تاثیر یہ ہوئی کہ انہیں لوگوں میں سے ہزاروں اور لاکھوں ایمان لائے اور اپنے عزیز بتوں اور پیارے ٹھاکروں اور عمر بھر کے مسجود اور شب و روز کے معبود کو ترک اور موقوف کر دیا اور وہ قومی تفرق اور طبعی بغض و عناد سب جمعیت واحدہ اور قومی اتحاد اور اخوت سے بدل گیا +

۳۸- اور منجملہ مصالحہ نوعیہ اور امور مفید عام احکام صدقات اور خیرات اور خدا کی راہ میں مال دینے اور فقیروں اور محتاجوں کی کفالت کرنیکے ہیں خصوصاً صیغہ وقف جسے زمانہ جاہلیت میں کوئی نہیں جانتا تھا اور اس امر خاص میں مسلمانوں کی فیاضی اور سخاوت تواریخ دہر اور صفحات عالم پر ثبت ہے +

Instituted charitable designs.

اڈورڈ گبن صاحب ایک مشہور اور عالی قدر مورخ لکھتے ہیں کہ (جلد ۵ ب ۵۰) "مسلمانوں کی نیکیاں (خیرات) جانوروں تک کے حق میں ہوتی ہیں اور قرآن میں محتاج اور مسکین کی اعانت کرنیکی کرر تاکید ہوئی ہے اور اس کو نہ محض تبرع یا ثواب کے طور پر بلکہ فرض اور حکم ناگزیر کے طور پر واجب قرار دیا ہے شاید محمد (صلعم) ہی صرف ایسے صاحب شریعت ہیں جنہوں نے خیرات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کیا ہو اس کی مقدار معیّن جائداد کی نوعیت اور مقدار پر بدلتی ہے مثلاً زر نقد غلہ یا مویشی اثمار و اسباب تجارت مگر جبتک کہ مسلمان اپنے مال کا دسواں حصہ نہ دے اس نے شریعت کی تکمیل نہ کی۔ درحقیقت فیاضی بنیاد ہے عدالت کی اور جن لوگوں کی اعانت ہم کو لازم ہے اُن کو ضرر پہنچانا ممنوع ہے کوئی نبی عالم لاہوت اور برزخ کے مغیبات و اسرار بیان کیا کرے مگر احسانیات کے احکام میں اُس کو ہمارے ہی دل کے احکام بیان کرنے ہونگے" +

اس مقام کے حاشیہ پر **گبن صاحب** لکھتے ہیں کہ مرکشی نے تعصب کے بارے میں کیتھلکوں کی زیادہ خیرات اور صدقات کا شمار کیا ہے کہ ۱۵ ہزار شفاخانے ہزاروں بیماروں اور زائروں کے لئے بنے ہوئے ہیں اور ۱۵ سو عورتوں کو ہر سال جہیز ملتا ہے ۵۶ مدرسے خیراتی بنے ہوئے ہیں اور ۱۲۰ جلسے برادران ایمانی کے اپنے بھائیوں کی اعانت کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور لندن کی فیاضی تو اس سے بھی بڑھکر ہے مگر مجھے اندیشہ ہے کہ بہت کچھ اس میں سے لوگوں کی انسانیت کی طرف منسوب ہو سکتا ہے نہ یہ کہ مذہب کی حیثیت سے ہو۔ انتہی +

(۱) سورہ بقر میں ہے "ان تبدوا الصدقات فنعما ھی وان تخفوھا وتؤتوھا الفقراء فھو خیر لکم" (ع ۲) +

(۲) "الذین ینفقون اموالہم فی سبیل اللہ ثم لا یتبعون ما انفقوا منا ولا اذی لھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیہم ولا ھم یحزنون" قول معروف ومغفرۃ خیر من صدقۃ یتبعھا اذی واللہ غنی حلیم (۲ ح) ✦

(۳) "والذین تبوء الدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم ولا یجدون فی صدورھم حاجۃ مما اوتوا ویؤثرون علیٰ انفسہم ولو کان بہم خصاصہ" (عشر ۹) ✦

ابراہیم ریس کے مجمع العلوم میں ایک جگہ لکھا ہے کہ خیرات دینے میں اکثار اور اسکے ترغیب دینے میں مسلمانوں کے مذہب سے زیادہ سرگرم کوئی مذہب نہیں ہے۔ قرآن نے قبول دعا کے واسطے خیرات کرنے کو واجب قرار دیا ہے اور خلیفہ عمر بن عبد العزیز کہا کرتے تھے کہ "نماز ہم کو آدھے رستے تک پہنچاتی ہے اور روزہ ہم کو عرش الٰہی کے دروازے تک لیجاتے ہیں۔ اور خیرات سے ہم کو خدا کے گھر تک بار ملتا ہے"۔ خیرات کو اہل اسلام بہت ہی ثواب کا کام سمجھتے ہیں اور بہت سے مسلمان خیرات دینے کی شہرت میں ضرب المثل ہیں۔ بالتخصیص حضرت حسنؓ بن علیؓ جو کہ محمدؐ (صلعم) کے نواسے تھے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی حیات میں تین مرتبہ اپنا مال محتاجوں کو نصفا نصف بانٹ دیا اور دو مرتبہ تو سب جو کچھ تھا دیدیا۔ اور عوام مسلمین نیکیاں کرنے کے ایسے عادی ہو رہے ہیں کہ حیوانات تک سے وہ نیکی کرتے ہیں (دیکھو سائیکلوپیڈیا ریس لفظ آمز) ✦

قرآن کے معدن حکمت اور مسلمانوں کے مصدر علوم ہونیکا ذکر

LITERARY BENEFITS OF ISLAM.

۳۹۔ زمان جاہلیت میں تمام عرب میں کسی علم کی کوئی کتاب نہ تھی اور بجز علم انساب اور شعر گوئی کے اور کوئی تعلیم نہ تھی پس پہلی کتاب مستطاب جو عرب میں مدون ہوئی وہ قرآن مجید ہے جو علاوہ اس کے کہ ارشادات الٰہی اور احکام ربانی کا مصدر ہے علوم حکمیہ علمیہ اور حکمت الٰہیہ کا بھی معدن ہے بعد اس زمانہ نزول وحی اور انتشار علوم الٰہیہ کے مسلمان کئی ایک جلیل القدر اور عظیم الشان علوم کے موجد اور ماخذ ہوئے اور علوم متعارفہ کو بہت کچھ تہذیب و اصلاح کرکے دور دور کے ملکوں میں پھیلایا اور کئی ایک ملک کے مالک مسلمانوں کی بدولت اہل علم ہوگئے اور جس زمانہ میں کہ اور سب قومیں جہالت کے تیرہ و تاریک قعر میں پڑی تھیں مسلمانوں ہی میں علم کا رواج پایا جاتا تھا ✦

۴۰۔ (۱) منجملہ علوم مشتہرہ قرآن مجید نیچرل فلاسفی اور نیچرل تھیالوجی ہے نیچرل فلاسفی

Natural Philosophy and Theology of the Koran. جس سے مراد علم مناظر قدرت وہ مناظر فطرت ہے اس سے قرآن مجید مالا مال ہے اس میں حقایق موجودات اور محاسن کائنات کا بیان کثرت سے پایا جاتا ہے اور پھر ان سے وجود واجب تعالیٰ اور اسکے علم و قدرت پر استدلال ہر جگہ ہوتا گیا ہے ❊

۱- انا صببنا الماء صبا- ثم شققنا الارض شقا فانبتنا فیها حبا و عنبا و قضبا و زیتونا ونخلا- وحدائق غلبا- وفاکهة وابا (عبس) ❊

۲- افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت- والی السماء کیف رفعت والی الجبال کیف نصبت والی الارض کیف سطحت (غاشیه)

۳- الم نجعل الارض مهادا- والجبال اوتادا- وخلقناکم ازواجا- وجعلنا نومکم سباتا وجعلنا اللیل لباسا- وجعلنا النهار معاشا- وبنینا فوقکم سبعا شدادا- وجعلنا سراجا وهاجا- وانزلنا من المعصرات ماء ثجاجا- لنخرج به حبا ونباتا- وجنات الفافا- (نبا) ❊

۴- والارض وضعها للانام- فیها فاکهة والنخل ذات الاکمام والحب ذو العصف والریحان- . . . . مرج البحرین یلتقیان- بینهما برزخ لا یبغیان- (رحمٰن) ❊

۵- افلم ینظروا الی السماء فوقهم کیف بنیناها وزیناها وما لها من فروج- والارض مددناها والقینا فیها رواسی- وانبتنا فیها من کل زوج بهیج- تبصرة وذکری لکل عبد منیب

ل (۱)- ہم نے ڈالا پانی اوپر سے- اور پھر چیرا زمین کو- پھر اگایا اُس میں اناج انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجوریں اور گھنے باغ اور میوہ اور دوب ❊

۲- کیا نہیں نگاہ کرتے اونٹوں پر کیسے بنائے ہیں اور آسمان پر کیسا بلند کیا ہے اور پہاڑوں پر کیسے کھڑے کئے ہیں اور زمین پر کیسی صاف بچھائی ہے ❊

۳- کیا ہم نے نہیں بنائی زمین بچھونا اور پہاڑ میخیں اور تم کو بنایا جوڑی جوڑی اور بنائی نیند تمہاری دفع ماندگی اور بنائی رات اوڑھنا اور بنایا دن روزگار کو اور چنی ہم نے اوپر سات چنائی مضبوط اور بنایا ایک چراغ چمکتا اور اُتارا نچڑتی بدلیوں سے پانی کا ریلا کہ نکالیں اُس سے اناج اور سبزہ اور باغ پتوں میں لپٹے ہوئے ❊

۴- اور زمین کو رکھا واسطے خلق کے اس میں میوہ ہے اور کھجوریں جسکے میوہ پر غلاف ہیں اور اناج جسکے ساتھ بھس ہے اور پھول خوشبو کے- چلائے دو دریا جو آپس میں ملکر چلتے ہیں انکے بیچ میں ہے ایک پردہ زیادتی نہیں کرتے

۵- کیا نگاہ نہیں کیا آسمان کو اپنے اوپر کیسا ہم نے بنایا اُس کو اور رونق دی اور اُس میں نہیں کوئی سوراخ اور زمین کو پھیلایا اور ڈالا اُس میں بوجھ اور اگائی اسمیں ہر قسم کی رونق کی چیز سوجھانے کو اور یاد دلانے کو اُس بندے کو جو رجوع رکھے اور اوتارا ہمنے آسمان سے پانی برکت کا پھر اگائے ہم نے اس سے باغ اور اناج کھیت کا اور کھجوریں لمبی اُن کا گابھا ہے تہ برتہ

(۱) [illegible]

ونزلنا من السماء ماء مبارکا فانبتنا به جنات وحب الحصید ـ والنخل باسقات لها طلع نضید
رزقا للعباد واحیینا به بلدة میتا (ق) ؛
٦ ـ والذی خلق الازواج کلها وجعل لکم من الفلک والانعام ما ترکبون لتستووا علی ظهوره
ثم تذکروا نعمة ربکم اذا استویتم علیه وتقولوا سبحان الذی سخر لنا هذا وما کنا له مقرنین ـ
وانا الی ربنا لمنقلبون ـ (زخرف) ؛
٧ ـ ومن آیاته الجوار فی البحر کالاعلام ان یشا یسکن الریح فیظللن رواکد علی ظهره
ان فی ذلک لآیات لکل صبار شکور ـ (شوری) ؛
٨ ـ ان فی خلق السموات والارض لآیات للمومنین ـ وفی خلقکم وما یبث من دابة
آیات لقوم یوقنون ـ واختلاف اللیل والنهار وما انزل الله من السماء من رزق فاحیا
به الارض بعد موتها وتصریف الریاح آیات لقوم یعقلون (جاثیه) ؛
٩ ـ وآیة لهم اللیل نسلخ منه النهار فاذا هم مظلمون ـ والشمس تجری لمستقر لها ذلک
تقدیر العزیز العلیم ـ والقمر قدرناه منازل حتی عاد کالعرجون القدیم ـ لا الشمس ینبغی لها
ان تدرک القمر ولا اللیل سابق النهار ـ وکل فی فلک یسبحون ـ (یٰس) ؛
١٠ ـ الم تر ان الله انزل من السماء ماء فاخرجنا به ثمرات مختلفا الوانها ومن الجبال جدد
بیض وحمر مختلف الوانها وغرابیب سود ـ ومن الناس والدواب والانعام مختلف الوانه (فاطر) ؛

---

٦ ـ جس نے بنائے سب چیز کے جوڑے اور بنا دیئے تم کو کشتیاں اور چوپائے جن پر تم سوار ہوتے ہو تاکہ چڑھ بیٹھو اسکی پیٹھ پر پھر یاد کرو
اپنے رب کا احسان جب بیٹھ چکو اس پر اور کہو پاک ذات ہے وہ جس نے بس میں کر دیا ہمارے یہ اور ہم نہ تھے اس کو قابو میں لا سکتے اور ہم کو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے
٧ ـ اور ایک اسکی نشانی ہے چلتے جہاز دریا میں جیسے پہاڑ اگر چاہے تھام دے ہوا پھر رہیں سارے دن ٹھہرے
اس کی پیٹھ پر مقرر اس میں پتے ہیں ہر ٹھہرنے والے کو جو حق کی بات ماننے ؛
٨ ـ بیشک آسمانوں میں اور زمین میں بہت پتے ہیں ماننے والوں کو اور تمہارے بنانے میں اور جو جانور
کے پھیلانے میں پتے ہیں لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اور بدلنے میں رات دن کے اور وہ جو اتاری اللہ نے آسمان سے
روزی پھر جلائی اس سے زمین کو مر گئے پیچھے اور بدلنے میں ہواؤں کے پتے ہیں ان لوگوں کو جو بوجھتے ہیں ؛
٩ ـ اور ایک نشانی ہے ان کو رات کھینچ لیتے ہیں ہم اس سے دن پھر تبھی یہ رہ جاتے ہیں اندھیرے میں اور سورج
چلا جاتا ہے اپنی ٹھیری راہ پر یہ سادھا ہے اس زبردست باخبر کا اور چاند کو ہم نے بانٹ دی ہیں منزلیں کہ پھر آ رہے جیسے ٹہنی
پرانی نہ سورج کو پہنچے کہ پکڑ لے چاند کو اور نہ رات آگے بڑھے دن سے اور ہر کوئی ایک ایک گھیرے میں تیرتے ہیں ؛
١٠ ـ تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے اتارا آسمان سے پانی پھر نکالے اس سے میوے طرح طرح کے ان کے رنگ اور پہاڑوں
میں گھاٹیاں ہیں سفید اور سرخ اور طرح طرح کے ان کے رنگ اور کالے بھجنگ اور آدمیوں میں اور کیڑوں میں اور چوپایوں میں کئی رنگ ہیں

۱۱- خلق السّمٰوٰت بغیر عمد ترونھا والقٰی فی الارض رواسی ان تمید بکم وبث فیھا من کل دابۃ وانزلنا من السّماء ماء فانبتنا فیھا من کل زوج کریم (لقمان) ﴿

۱۲- اللّٰہ الذی یرسل الریاح فتثیر سحابا فیبسطہ فی السّماء کیف یشاء ویجعلہ کسفا فتری الودق یخرج من خلالہ فاذا اصاب بہ من یشاء من عبادہٖ اذا ھم یستبشرون ۔ (روم ۔ ۲۵) ﴿

۱۳- وان لکم فی الانعام لعبرۃ نسقیکم مما فی بطونہ من بین فرث ودم لبنا خالصا سائغا للشاربین ۔ ومن ثمرات النخیل والاعناب تتخذون منہ سکرا ورزقا حسنا ۔ (نحل) ﴿

۱۴- واوحی ربک الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا ومن الشجر ومما یعرشون ثم کلی من کل الثمرات فاسلکی سبل ربک ذللا یخرج من بطونھا شراب مختلف الوانہ فیہ شفاء للناس (نحل)

۱۵- واللّٰہ اخرجکم من بطون امھٰتکم لا تعلمون شیئا وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ لعلکم تشکرون ۔ الم یروا الی الطیر مسخرات فی جو السماء ما یمسکھن الا اللّٰہ ان فی ذالک لایات لقوم یؤمنون ۔ واللّٰہ جعل لکم من بیوتکم سکنا وجعل لکم من جلود الانعام بیوتاً

۱۱- بنائے آسمان بے ٹیکے اُسے دیکھتے ہو اور ڈالے زمین پر بوجھ کہ تم کو لیکر جھک نہ پڑے اور بکھیرے اُس میں سب طرح کے جانور اور اُتارا ہم نے آسمان سے پانی ۔ پھر اگائے زمین میں ہر قسم کے جوڑے خاصے ﴿

۱۲- اللہ جو چلاتا ہے ہوائیں پھر اُبھارتا ہے بدلی پھر پھیلاتا ہے اُس کو آسمان میں جس طرح چاہے اور رکھتا ہے اُس کو پرت پرت پھر تو دیکھے مینہ نکلتا ہے اُسکے بیچ سے پھر جب اُس کو پہنچایا جس جگہ چاہے اپنے بندوں میں تبھی وہ لگے خوشیاں کرنے ﴿

۱۳- اور تم کو چوپاؤں میں عبرت کی جگہ ہے پلاتے ہیں ہم تم کو اُسکے پیٹ کی چیزوں میں سے گوبر اور لہو کے بیچ میں سے دودھ ستھرا رچتا پینے والوں کو اور میووں میں سے کھجور کے اور انگور کے بناتے ہو اُس سے نشا اور روزی خاصی ﴿

۱۴- اور حکم بھیجا تیرے رب نے شہد کی مکھی کو کہ بنائے پہاڑوں میں گھر اور درختوں میں اور جہاں چھتریاں ڈالتے ہیں پھر کھا ہر طرح کے میووں سے اور چل راہوں میں اپنے رب کی صاف پڑی ہیں نکلتی ہے اُنکے پیٹ میں سے پینے کی چیز جس کے کئی رنگ ہیں اس میں آزار چنگے ہوتے ہیں آدمیوں کے ﴿

۱۵- اور اللہ نے نکالا تم کو تمہاری ماں کے پیٹ سے کچھ نہ جانتے تھے اور دیئے تم کو کان اور آنکھیں اور دل شاید تم احسان مانو کیا نہیں دیکھتے اُڑتے جانور حکم کے باندھے آسمان کی ہوا میں کوئی نہیں تھام رہا اُن کو اللہ کے سوا اس میں پتے ہیں اُن لوگوں کو جو یقین لاتے ہیں اور اللہ نے بنا دیئے تم کو تمہارے گھر بسنے کی جگہ اور بنا دیئے تم کو چوپایوں کی کھال سے ڈیرے جو ہلکے لگتے ہیں تم کو جس دن سفر میں ہو اور جس دن گھر میں ہو اور اُن کی اُون سے اور بربروں سے اور بالوں سے کتنے اسباب اور برتنے کی چیزیں ایک وقت تک اور اللہ نے بنا دی تم کو اپنی بنائی چیزوں کی چھائیں اور بنا دی تم کو پہاڑوں میں چھپنے کی جگہ اور بنا دیئے تم کو کرتے جو بچاؤ ہیں گرمی کے اور کرتے جو بچاؤ ہیں لڑائی کے اسی طرح پورا کرتا ہے اپنا احسان تم پر شاید تم احسان مانو ۔

تستخفونہا یوم ظعنکم ویوم اقامتکم ومن اصوافہا واوبارہا واشعارہا اثاثا ومتاعاً الی حین۔ واللہ جعل لکم مما خلق ظلالاً وجعل لکم من الجبال اکناناً وجعل لکم سرابیل تقیکم الحر وسرابیل تقیکم باسکم کذٰلک یتم نعمتہ علیکم لعلکم تسلمون۔ (نحل) ✤

۱۶۔ والانعام خلقہا لکم فیہا دفء ومنافع ومنہا تاکلون ولکم فیہا جمال حین تریحون وحین تسرحون۔ وتحمل اثقالکم الی بلد لم تکونوا بالغیہ الا بشق الانفس ان ربکم لرؤف الرحیم۔ والخیل والبغال والحمیر لترکبوہا وزینۃ ویخلق ما لا تعلمون۔ (نحل) ✤

۱۷۔ ولہ الجوار المنشئات فی البحر کالاعلام۔ (رحمان) ✤

۱۸۔ ولا اقسم بالخنس الجوار الکنس۔ (کورت) ✤

غرض کہ اسی طرح تمام قرآن میں نیچرل ہسٹری اور نیچرل تھیالوجی کے اصول کی مفصل کیفیتیں اور مکرر اشارتیں ہیں مگر یونانیوں کی طبعی و الٰہی کی نہیں بلکہ حقیقی باتوں کی اور نیز دیگر علوم حکمیہ کے اشارے خصوصاً علم جیالوجی کے اصول پر کثرت سے حوالہ ہوا ہے مگر جن لوگوں نے اس علم کا نام بھی نہ سنا ہو وہ اُس کے استنباط پر کیسے قادر ہو سکتے ہیں ✤

۴۱۔ (۲) دوسرا ایک عظیم الشان علم جو خاص مسلمانوں میں ایجاد ہوا وہ علم اسماء الرجال ہے۔ جس کو یونانی زبان میں بیوگرافی کہتے ہیں Mahomedan Biographies. جس کثرت سے مسلمانوں نے اس علم خاص پر توجہ کی اور جس وقت اور تلاش سے ہر ہر اہل علم اور راویوں کے حالات ضبط کئے اور اُن کے مولد اور منشاء کا بیان اور مزاج کی وقعت اور رائے کے تغیرات اور عام ردیہ کے حالات کو ڈھونڈھا اور بڑی بڑی مجلد کتابوں میں قلمبند کیا۔ وہ آج تک کسی قوم میں اور کسی مذہب میں نہیں ہوا ✤

ڈاکٹر اسپرنگر صاحب جن کی مہارت علوم عربیہ میں مشہور ہے اور بڑے صاحب نظر تھے اُنہوں نے جب صاحبان کورٹ آف ڈائرکٹرس کی ہدایت اور کلکتہ ایشیاٹک سوسئٹی کے زیر اہتمام کتاب الاصابہ فی تمیز الصحابہ تصنیف علامہ شیخ ابن حجر عسقلانی (مات ۸۰) چھاپنی شروع کی تو اُس کے دیباچہ میں بزبان انگریزی یہ مضمون لکھا۔ کہ

۱۶۔ اور چوپائے بنادیئے تم کو اُن میں جڑاول ہے اور کتنے فائدے اور بعضوں کو کھاتے ہو اور تم کو اُن سے رونق ہے جب شام کو پھیر لاتے ہو اور جب چراتے ہو اُٹھا لیے چلتے ہیں بوجھ تمہارے اُن شہروں تک کہ تم نہ پہنچتے وہاں تک مگر جان توڑ کے بیشک تمہارا رب بڑا شفقت والا مہربان ہے اور گھوڑے بنائے اور خچریں اور گدھے کہ اُن پر سوار ہو اور رونق ہو اور بناتا ہے جو تم نہیں جانتے ✤

۱۷۔ اور اُسکے ہیں جہاز اونچے کھڑے دریا میں جیسے پہاڑ ✤

۱۸۔ سو قسم کھاتا ہوں میں پیچھے ہٹ جانے سیدھے چلنے دبک جانے والوں کی ✤

مسلمانوں کے علوم کی عزت علم اسماء الرجال ہے نہ تو کوئی ایسی قوم گذری اور نہ کوئی اب ہے جس نے مسلمانوں کی مانند بارہ سو برس کے عرصہ میں ہر ایک اہل علم کی حالات زندگی قلمبند کئے ہوں۔ اگر مسلمانوں کی کتب رجال جمع کی جاویں تو غالباً ہم کو پانچ لاکھ علماء مشاہیر کا تذکرہ ملجاوے انکی تاریخ میں کوئی قرن یا نامی جگہ ایسی نہیں ہے جس کا کوئی آدمی اس تذکرہ میں نہ ہو۔ انتہی +

فن رجال میں تحقیق و تلاش کی ترقی ابن سعد کے زمانہ میں خوب ہوئی جس کی کتاب اسماء رجال و احوال روات کے طبقات ابن سعد کے نام سے مشہور ہے۔ اور محمد بن اسمٰعیل بخاری اور ابن ابی خثیمہ نے اپنی اپنی تاریخوں میں اور ابن ابی حاتم نے کتاب الجرح والتعدیل میں عموماً راویوں کی بیوگرافی لکھی اور عجلی اور ابن حبان اور ابن شاہین نے ثقہ راویوں کو الگ چھانٹا اور ابن عدی اور پھر ابن حبان نے مجروح اور ضعیف راویوں کو جدا کیا۔ اور بعضوں نے خاص خاص کتب حدیث کے راویوں کے طبقات انکے موالید اور وفیات علیحدہ علیحدہ لکھے مثلاً ابی نصر الکلاباذی نے بخاری کے راویوں کو اور ابی بکر منجریہ نے مسلم کے راویوں کو اور ابی الفضل بن طاہر نے دونوں بخاری اور مسلم کے راویوں کو اکٹھا جمع کیا اور عبد الغنی المقدسی نے کل صحاح ستہ کے راویوں کو کتاب الکمال فی معرفۃ الرجال میں ضبط کیا اور پھر مزی نے اس کتاب کا خلاصہ کیا جس کا نام تہذیب الکمال ہے۔ اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس کو خلاصہ کر کے اور اور بہت کچھ اس پر زیادہ کر کے تہذیب التہذیب نام کی کتاب لکھی۔ اور فرقہ امامیہ میں بھی اس فن کی تدوین قدیم زمانہ سے ہوئی چنانچہ حسن بن علی بن فضال اور عبد اللہ بن جبلہ نے (سنہ ۲۱۹) اسماء رجال میں کتابیں لکھیں اور حمید بن زیاد نینوی نے (سنہ ۳۱۰) رجال کی جرح و تعدیل میں کتاب لکھی اور محمد بن عیسیٰ بن عبید بن یقطین نے بھی اس فن میں کتابیں لکھیں اور ایسے ہی شیخ محمد بن یعقوب کلینی اور شیخ صدوق محمد بن بابویہ قمی اور کشی اور نجاشی اور شیخ ابو جعفر طوسی نے کتابیں لکھیں اور متاخرین کی کتابیں مثل تصنیف علامہ حلی و تقی الدین بن داؤد و شیخ شہید ثانی اور انکے بعد فاضل محمد استرابادی و میر شرف الدین علی (صاحب کتاب ایجاد المقال) مشہور و معروف ہیں +

اور محققین اہل سنت میں متاخرین کی مشہور کتابیں مثل استیعاب ابن عبد البر اور میزان الاعتدال فی نقد الرجال حافظ شمس الدین ذہبی کی اور نیز کاشف اور کتاب الضعفاء المتروکین اور شیخ الاسلام محی الدین نووی کی کتاب تہذیب الاسماء و تقریب اور امام ابن حجر عسقلانی کی تہذیب التہذیب و تقریب التہذیب و لسان المیزان اور اصابہ فی تمیز الصحابہ اور علامہ سیوطی کی تدریب الراوی شرح تقریب النواوی اور اور کتابیں نامی اور مستند ہیں +

۴۲-(۳)- ایک اور علم جلیل الشان علم حفظ اسناد اور اصول درایت ہے- دوسری صدی ہجری سے مسلمانوں میں حدیثوں کے قلمبند کرنے اور روایتوں کو جمع کر کے لکھنے کا شوق ہوا اور بیسیوں تصنیفیں روایتوں کی جمع ہو گئیں اس لئے انکے تنقیہ

Preservation of traditions and their critical examination not to be found in any other nation

اور راویوں کی جرح و تعدیل خوب ضبط او تحقیق سے نہیں ہوئی حتیٰ کہ اہل صحاح نے اس میں بڑا ضبط اور اہتمام کیا مگر متقدمین رجال کی نظر میں ان میں بھی بہت سے راوی متکلم فیہ اور مجروح نکلے *

البتہ جو طریقے اصول درایت کے قایم کئے اور جس طرح روایتوں کو اصطلاحی قسموں پر تقسیم کیا اُن سے اُن کی دقت نظر باریک بینی ذہانت اور عدم تقلید خوب ثابت ہے- ابتدا میں رامہرمزی نے ایک مختصر تصنیف فن روایت میں لکھی پھر حاکم نیشاپوری معروف با بن البیع نے معرفت حدیث میں کتاب لکھی اور پھر احمد بن عبداللہ ابو نعیم اصفہانی نے کتاب النہایۃ فن حدیث میں لکھی اور اور خطیب بغدادی نے جن کی شہرت اور تلقی بالقبول تمام علماء اسلام میں ظاہر ہے اس فن میں کتاب کفایۃ لکھی اور اَور کتابیں مثل شرف اصحاب الحدیث والسابق واللاحق والمتفق و المفترق والمؤتلف والمختلف وتلخیص المتشابہ وغنیۃ مقتبس فی تمیز الملتبس وتمیز متصل الاسانید وغیرہ ذلک تصنیف کیں اور جیسے کہ اپنے زمانہ میں خطیب تمام ایشیا میں بے مثل تھے- ایسے ہی انہیں کے معاصر فرنگستان میں (پانچویں صدی میں ہے-) ابن عبدالبر صاحب کتاب الاستیعاب حافظ عصر تھے *

یہ علم سیاقت سلسلہ رواۃ کی تحقیق اور راویوں کی تفتیش مسلمانوں ہی سے مخصوص ہے یہود و نصاریٰ میں احادیث اور روایتوں پر عمل رہا اور کتاب تالمود اور مشنا وغیرہ کتب یہود روایتو کے مجموعہ ہیں- ان میں سے مشنا کی روایتیں دوسری صدی عیسوی میں قلمبند ہوئیں- اور تالمود ہجرت سے سو برس پیشتر لکھی گئی مگر سلسلہ اسناد گویا کہ ندارد ہی ہے- چہ جائے ان میں وہ باریکیاں اور نازک خیالیاں اور خبر کے افادہ علم کرنے یا مفید یقین ہونیکے معقول قاعدے معلوم ہوئے ہوں *

۴۳-(۴)- ایک اور علم مہتم بالشان علم کلام ہے- یونانیوں میں علوم عقلیہ و حکمت کی اشاعت سن عیسوی سے پانچ یا چھ سو برس پیشتر ہو گئی تھی- اس لئے یہودیوں- عیسائیوں اور مسلمانوں

Grecian philosophy and its influence on the people of the Book.

کے مذہب پر یونانی فلسفہ کا کم و بیش ضرور اثر ہوا ہو- یہود کی دینی کتاب یعنی توریت میں تو اس کا کچھ اثر نہیں پایا جاتا کیونکہ اس کی تالیف یا تصنیف اس فلسفہ کی اشاعت سے سالہا سال پیشتر کی ہے البتہ مصریوں کے علوم و فنون کا تعلق توریت کے احکام سے اگر کوئی شوق کرے تو دریافت ہو سکتا

ہے۔ مگر یونانی فلسفہ کی اشاعت ہو جانے کے بعد یہود کے عقاید میں بہت کچھ فلسفیت آگئی تھی اور عیسائیوں نے تو اوّل واجل عقاید کو اسی طرز پر قائم کیا اور حضرت یوحنا اور پولوس نے اور بطوس نے بھی شاید عموماً یونانیوں کی زبان اور علوم کی شہرت اور رواج سے خصوصاً فلو یہودی سرآمد فلاسفہ و جامع معقول و منقول کی معاصرت اور کچھ مصاحبت سے بھی تعدد قدما کا سا مسئلہ بالتخصیص لوگوس یعنی کلمہ کی ازلیت اور واجب الوجود سے اُس کی معیت ویسی ہی اعتقاد کرنے جیسی فلو یہودی فیلسوف اور یونانیوں نے کی تھی +

یہود میں علم حکمت و معقولات کا رواج حضرت داؤد اور سلیمان سے ہوا حضرت سلیمان کے رسالے حکمت کے مختلف علوم کے مدّت سے محفوظ نہیں رعلم حیوانات میں سے بالتخصیص علم منطق الطیر کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔ یہ اُڑتے جانوروں کا علم ایک شاخ ہے نیچرل ہسٹری کی۔ اور منطق کا لفظ یونانی زبان کے لوجی کے مقابلہ میں ہے جس کے معنی ہیں علم جیسے جیولوجی۔ زولوجی۔ فزیولوجی ہیں اور اسی منطق الطّیر اور دیگر علوم سلیمانی کا ذکر کتاب اسلاطین باب ۵ پسوق ۱۴ (نسخہ عبرانی) میں ہے۔ مگر بعد زمانہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے یہودیوں نے علوم حکمیہ میں بہت کم ترقی کی۔ قید کے زمانہ میں اُنھوں نے بہت سی نئی باتیں حاصل کیں اور بعد میں فلسفہ یونان میں سے بہت کچھ حق اور باطل باتیں حاصل کیں۔ اور کتاب حکمت سلیمان میں فلسفہ یونان بھرا ہوا ہے۔ اور بعد میں فلسفہ کو یہود میں بہت ترقی ہوئی۔ اور اسی فلسفہ کی بنا پر ان میں کئی فرقے مثلاً صدوقی۔ فریسی وغیرہ ہو گئے۔ اور حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں فریسیوں میں بھی کئی فرقے اور ہو چلے تھے اور اسی زمانہ میں اہل یہود میں اک حکیم اور فیلسوف اور شماعی (یونانی سمیاس شاید سمعون۔ لوق ۲ و ۲۵) اور گملیل (اعمال $\frac{5}{34}$ و $\frac{22}{3}$ شاید وہی جو اُستاد پولوس مقدس تھا) بہت نامی زبردست اور صاحب مذاہب تبعہ گذرے +

جب سے فلسفہ یونان یا کالدینیاں نے رواج پایا تھا یہودیوں نے روح کے تناسخ اور غیر فانی اور پہلے سے پیدا ہو چکنے کے مسئلہ کو تسلیم کر لیا تھا[۵۱]۔ پیروان فیثاغورس و امپیدقلس بلکہ افلاطون سے بھی مسئلہ تناسخ[۵۲] و تقدیم خلق ارواح کے[۵۳] ایجاد ہوئے۔ انہیں سے یہودیوں نے

---

۵۱ دیکھو تاریخ دویتہ الکبرا مصنفہ گبن باب ۴۷ +

۵۲ تناسخ کا سا مسئلہ حواریان مسیح کے اعتقاد میں بھی معلوم ہوتا ہے۔ دیکھو انجیل یوحنا $\frac{9}{1}$ +

۵۳ عالم ارواح کا مسئلہ یعنی سب روحیں آدمیوں کے پیدا ہونے سے پہلے پیدا ہو چکی تھیں مسلمانوں میں بھی آیا اس اعتقاد سے کچھ اُن کی الٰہیات میں خلل نہیں واقع ہوا کیونکہ اس کا اثر ذات الٰہی کے متعلق مسئلوں پر کم پہنچتا ہے مگر ہرچند کہ عوام یا متفلسفین نے اسے قبول کیا ۱۱ محققین اسلام اور جامع معقول و منقول علما مثل سیّد مرتضیٰ علم الہدیٰ و امام غزالی نے

(باقی صفحہ ۱۰۲)

اور اُن سے عیسائیوں نے سیکھا اور اسی طور سے مسئلہ وجود لوگوس یعنی کلمہ اس طرح پر کہ وہ عین ذات الٰہی اور قدیم ہے عیسائیوں نے فلسفہ یونان سے حاصل کر کے اپنے دینی عقائد کے مسئلوں میں شامل کر لیا حتیٰ کہ حواریوں کے زمانہ میں فلو یہودی فیلسوف جس طور کہ فلسفہ یونان کے تتبع لوگوس کا مسئلہ بیان کرتا تھا۔ بعینہٖ اسی طور پر حضرت یوحنا حواری نے جیسا کہ مشہور ہے اپنی انجیل کے دیباچہ میں (باب اول ۱-۱۴ ^{ل۵}) اسے درج کیا۔ اس سے پایا گیا کہ فلسفہ کا بہت بڑا اثر یہودیوں اور علی الخصوص عیسائیوں پر ہوا۔ مگر مسلمانوں نے فلسفہ یونان کے مقابلہ میں علم کلام ایجاد کیا اور عمدہ عمدہ کتابیں اصول عقائد کی لکھیں۔ اور اُس کی تردید اور اور تطبیق میں کوشش کی +

۴۴۔ مسلمانوں میں علوم کی عموماً ترقی اور حکمت اور فلسفہ یونان کی تحصیل دوسری صدی سے شروع ہوئی +

Real piogress ot moslems in Scie nces.

علامہ ذہبی نے ۱۴۳ھ کے بیان میں لکھا۔ شرع علماء الاسلام فی هذا العصر فی تدوین الحدیث والفقه والتفسیر فصنف ابن جریج بمکة ومالك الموطا بالمدینة والاوزاعی بالشام وابن ابی عروبه وحماد بن سلمه وغیرهما بالبصرة ومعمر بالیمن وسفیان الثوری بالکوفة وصنف ابن اسحاق المغازی وصنف ابوحنیفه رحمة الله الفقه والرای ثم بعد یسیر صنف هشیم واللیث وابن لهیعة ثم ابن المبارك وابو یوسف وابن وهب وکثر تدوین العلم وتبویبه ودونت کتب العربیه واللغة والتاریخ وایام الناس (تاریخ الخلفاء سیوطی) +

چیمبرس کے سائکلوپیڈیا میں ایک مختصر سی کیفیت اسلام میں ترقی علوم و فنون کے بیان میں لکھی گئی ہے اُس کا کچھ انتخاب یہاں نقل کیا جاتا ہے +

"۷۴۹ء میں خلفاء عباسیہ کے عہد میں علم ادب و فنون حکمت کا ظہور ہوا۔ اور المنصور (۷۵۴ء-۷۷۵ء) کے ایام حکمرانی سے ہارون الرشید (۷۸۶ء-۸۰۹ء) تک بڑی فیاضی سے ان کی تربیت ہوئی بہت سے ملکوں سے اہل علم طلب کئے گئے اور بادشاہانہ سخاوت سے اُن کی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸ | اس سے انکار کیا اور عوام الناس جو سورہ اعراف کی (۱۰۱) آیت اور بعضی اور آیتوں سے جن کو اصحاب مولود بہت پڑھتے ہیں اس پر غلط استدلال کیا تھا اچھی طرح پر اُسکے صحیح معنی ظاہر کئے ہیں چنانچہ سید مرتضیٰ نے کتاب درر و غرر میں اور امام غزالیؒ نے کتاب النفخ والتسویه (المضنون به علی غیر اهله) میں اُس کی تفصیل کی ہے +

ل۵ "ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا وہی ابتدا سے خدا کے ساتھ تھا" (انجیل یوحنا) مگر یاد رہے کہ نسخہ کلیمنس الکسندریانوس میں پہلی آیت یوں ہے ...... اور کلام خدا میں تھا ...... پس حال کی عبارت سے جو تعدد قدما لازم آتا ہے جاتا رہتا ہے اور دوسری آیت ترجمہ قدیم اور معتبر نسخوں میں جو محققین گریسباخ اور میتھائی نے مقابلہ کی پائی نہیں جاتی +

بہت کچھ داد و دہش کی گئی اہل یونان و شام و ایران قدیم کی عمدہ عمدہ کتابیں عربی میں ترجمہ ہو کر مشتہر اور شائع ہوئیں۔ خلیفہ مامون ۔نے جس نے ۸۱۳ سے ۸۳۲ تک سلطنت کی ا سلطان روم کو سائرھے بارہ من سونا اور ہمیشہ کی صلح اس شرط پر منظور کی کہ لیو فیلسوف کو اجازت دیجائے کہ چند عرصہ کے لیے وہ یہاں آکر مامون کو فلسفہ و حکمت سکھلا جائے ۔ فلسفہ حاصل کرنے کے لئے ایسے زر خطیر صرف کرنے کی بہت کم مثال ملیگی ۔ اسی مامون کے زمانہ میں بغداد ۔ بصرہ ۔ بخارا اور کوفے میں بڑے بڑے مدرسوں کی بنا پڑی ۔ اور اسکندریہ ۔ بغداد اور قاہرہ میں عظیم الشان کتب خانے بنائے گئے ۔ اسپین میں مدرسہ اعظم مقام قرطبہ کا بغداد کی علمی شہرت کی ہمسری کرتا تھا ۔ اور عموماً دسویں صدی میں جہاں دیکھو وہاں مسلمان ہی علوم کے حافظ اور سکھلانے والے نظر آتے تھے ۔ فرانس اور اور ممالک فرنگستان کے طالب علم جوق جوق اُندلس کو آنے شروع ہوئے اور ریاضی اور طب عربوں سے سیکھنے لگے ۔ اُندلس میں ۷۰ مدرسے اور ۷۰ بڑے بڑے کتب خانے جن میں سے حاکم کے کتب خانے میں ۶ لاکھ کتابیں تھیں جمع ہوئے ۔ یہ کیفیت ترقی علم کی جبکہ اُس زمانہ سے ملائی جائے جو قبل زمانہ (محمد صلعم) گذرا تو ثابت ہوتا ہے کہ جیسا کہ عرب فتوحات میں سبقت کرتے تھے ایسے ہی ترقی علم میں بھی یہ لوگ تیز رفتار تھے ❊

"جغرافیہ ۔ تاریخ ۔ فلسفہ ۔ طب ۔ طبیعات اور ریاضی میں مسلمانوں نے بڑا ہی کام کیا ۔ اور عربی الفاظ جو آج تک علوم حکمیہ میں بولے جاتے ہیں مثلاً الکحل عظیمہ زینہ نادر اور بہت سے ستاروں کے نام وغیرہ وذلک اس بات کی دلیل ہیں کہ یورپ کے اکتساب علوم پر قدیم سے مسلمانوں کو بہت دخل و تصرف ہوا ۔ مگر بعد کے زمانے میں ان سے جغرافیہ کا علم بہت کچھ یورپ کو حاصل ہوا ایشیا اور افریقہ میں جغرافیہ کی بہت اشاعت ہوئی اور علم جغرافیہ میں پرانی عربی کتابیں اور سفر و سیاحت کے رسالے تصنیفات ابو الفدا اور یسی لیو افریقانوس ابن بطوطہ ابن فضلان ابن جبیر ادریسی المنجم اور اوروں کی تحریریں اب تک مفید و گرامی قدر ہیں" ❊

"علم تاریخ بھی محنت سے حاصل کیا گیا اور قدیم عربی مورخ جس کا حال ہم کو ملتا ہے محمد الکلبی ہے (جو ۸۱۹ء میں مر گیا) مگر اسی زمانہ میں اور کئی ایک مورخ گذرے اور دسویں صدی عیسوی کے شروع سے تو عرب نے علم تاریخ پر بہت توجہ کی اور جن لوگوں نے تمام جہان کی تاریخ لکھنے کا ارادہ کیا اُن میں اوّل مسعودی ۔ طبری ۔ حمزہ ۔ اصفہانی اور یوطیکیوس بطریق اسکندریہ ہیں (مسعودی کی تاریخ کا نام مروج الذہب و معدن الجواہر ہے) ان کے بعد ابو الفرج اور جارج المائقین (ہر دو عیسائی) اور ابو الفدا وغیرہ ہیں ۔ نویری نے جزیرہ سقلیہ کی تاریخ ایام سلطنت عرب کی لکھی ۔ بہت سے ابواب عربی تاریخوں کے جن میں عیسائیوں کی جنگ مقدس کا بیان ہے فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہوئے ہیں اور اُندلس میں مسلمانوں کی سلطنت کے حالات ابو القاسم قرطبی (مات ۱۱۳۹ء) التیمی وغیرہ نے متعدد کتابوں میں لکھے ہیں جس کسی کو ان حالات کے دریافت کرنے کا زیادہ شوق ہو تو مقری کی تصنیفات

خصوصاً وان ہیر کی کتابوں پر رجوع کرے"۔

"عرب کے فلسفہ کو جو یونانی الاصل تھا قرآن سے وہی نسبت تھی جو اوسط زمانے کے معقولات کو عیسائیوں کی کتب مقدسہ سے تھی یعنی فلسفہ کو دینیات کا خادم سمجھا جاتا تھا عربوں نے ارسطاطالیس کی تصنیفات کو بہت پڑھا اور اسپین میں اُس کی بڑی شہرت ہوئی اور بالآخر تمام فرنگستان میں عربی زبان سے لاطینی میں ترجمہ کے ذریعہ سے اس کی اشاعت ہوئی۔ گو عرب کو خود ہی عہد عباسیہ میں ترجمہ کے وسیلے سے حاصل ہوا تھا منطق اور علم مابعد الطبیعۃ پر زیادہ توجہ ہوئی۔ اور مسلمانوں میں مشاہیر اہل فلسفہ یہ لوگ ہوئے ہیں۔ الکندی بصری جو نویں صدی عیسوی میں تھا۔ الفارابی جس نے ۹۵۴ء میں اصول (؟) میں کتاب لکھی۔ ابن سینا (مات ۱۰۳۶ء) جس نے منطق اور علم مابعد الطبیعۃ اور طب کو جمع کیا اور علم کیمیا و تشخیص امراض اور شناخت ادویات نباتی میں بڑی ترقی کی۔ ابن یحییٰ جس کی تحقیق کی بڑی شہرت ہوئی۔ الغزالی (مات ۱۱۱۱) جس نے کتاب تہافۃ الفلاسفہ تصنیف کی۔ ابوبکر ابن طفیل (مات ۱۱۹۰) جس نے اپنے قصہ حی ابن یقظان (مطبوعہ پوکوک مقام آکسفورڈ ۱۶۷۱ء) میں انسانوں کا حیوانوں سے ظہور میں آنیکا مسئلہ بیان کیا۔ اور اس کا شاگرد ابن رشید جو ارسطاطالیس کے مفسر ہونے میں بڑا مشہور اور گرامی قدر تھا۔ ان لوگوں کا اور انکے مسلک کا بیان شمولدرس اور رٹر کی کتابوں میں مفصل ملیگا۔

"بہت سے ان عرب فیلسوفوں میں طبیب بھی تھے ان کے علم خواص ادویہ میں مہارت کامل حاصل کرنے کو ہنبولٹ نے معلومات جغرافیہ سے منسوب کیا ہے۔ علم طب اس حیثیت سے کہ وہ ایک علم ہے عرب ہی کی ایجاد ہے۔ جن کو نہایت قدیم اور وسیع ماخذ یعنی ہندی طبیب شروع ہی سے مل گئے تھے معجون بنانے کی کیمیائی ترکیب عربوں نے ہی ایجاد کی۔ اور دواؤں کے مرکب کرنے اور نسخہ لکھنے کی ایجاد بھی انہیں سے ہوئی۔ اور مدرسہ سلرنو کے ذریعہ سے یہ علم فرنگستان جنوبی میں پھیل گیا۔ (دیکھو رسالہ کوس موس مصنفہ ہنبولٹ جلد ۲ صفحہ ۵۸۱ ترجمہ بوہن) دواسازی اور قرابادین کی وجہ سے علم نباتات اور کیمیا کی حاجت پڑی اور تین سو برس تک یعنی ۸ سے ۱۱ صدی عیسوی تک کثرت سے ان علوم کی تحصیل ہوتی رہی۔ اور جندسابور۔ بغداد۔ اصفہان۔ فیروز آباد۔ بلخ۔ کوفہ۔ بصرہ۔ اسکندریہ۔ قرطبہ وغیرہ میں فلسفہ اور طب کے مدرسے جاری ہو گئے۔ اور طبابت کے ہر ایک صیغہ میں بجز علم تشریح کے بڑی ترقی ہوئی۔ اس کے استثنا کی یہ وجہ ہے کہ قرآن میں اجسام کی تشریح منع کی گئی ہے۔ (؟) علم طب میں یہ لوگ بڑے نامی مشہور ہوئے۔ ہارون الکندی ابن سینا[۱] جس نے قانون لکھا اور ایک عرصہ

---

[۱] قانون فی الطب عبرانی زبان میں بھی ترجمہ ہوا۔ اور لاطینی زبان کا ترجمہ ۱۵۹۵ء میں چھپا اور اور فلسفہ کے رسالے لاطینی زبان میں ترجمہ ہو کر سنہ ۱۴۹۰ و ۱۵۲۳ و ۱۵۶۴ء میں شہر وینس میں چھاپے گئے اور قانون کا عربی متن ۱۵۹۳ء میں روما میں چھاپا گیا۔ چ غ

تک اس فن میں یہی ایک کتاب درس میں رہی۔ علی بن عباس۔ اسحاق بن سلیمان۔ ابوالقاسم اور رُوس جس[۵۱] نے طب کی تکمیل کی اور علی ابن عیسیٰ وغیرہم" +

"ریاضی میں اہل عرب نے بڑی ترقی کی اور الجبر والمقابلہ کو وسعت دی بغداد اور قرطبہ کے مدرسوں اور رصدگاہوں میں علم ہیئت کمال شوق سے پڑھا جاتا تھا الحسن نے علم مناظر و مرایا میں تصنیف کی۔ اور نصیر الدین طوسی نے اصول اقلیدس کا ترجمہ کیا جبر ابن عقلہ نے بطلیموس کے علم مثلث پر شرح لکھی اور نظام بطلیموسی کی کتاب مجسطی کو الهازی (م) اور سوجیوس نے ۱۱۲۰ء میں لاطینی میں ترجمہ کیا۔ اور دسویں صدی عیسوی میں الباتن نے زمین کے دائرہ عظیمہ کے ارتفاع پر نظر کی اور محمد بن جبر الباتی نے رفتار شمس کی دریافت کی۔ البطراجیوس نے ثوابت کے بیان میں کتاب لکھی۔ اور ابوالحسن علی نے آلات علم ہیئت میں تصنیف کی" انتہی

۴۵۔ اسلام کی علمی فیض بخشی دور و دراز ملکوں میں بھی ہوئی اور ممالک فرنگستان کے رہنے والے بھی مسلمانوں کی ترقی علوم سے بہرہ یاب ہوئے۔ فرنگستان کے عیسائیوں کو مسلمانوں کی وجہ سے عربی زبان اور عرب کے اخلاق و عادات کے علم سے بہت بڑا فائدہ دینی یہ ہوا کہ عہد عتیق کی کتابیں جن کی زبان عبرانی مدت سے متروک الاستعمال ہے۔ بہت سے مقامات پر عربی کی استعانت سے صاف صاف سمجھ میں آنی شروع ہوئیں۔ کیونکہ عہد عتیق میں بہت سے ایسے محاورات صرف ہوئے ہیں اور ایسے عادات کا بیان ہے جو اہل یورپ نہیں سمجھتے تھے مگر عرب میں انکا استعمال اور رواج تھا۔ مگر افسوس کہ یہاں کے مسلمان باوجود شدت احتیاج زبان عبری یا یونانی نہیں سیکھتے اور بڑے بڑے افضل الفضلا یہ نہیں جانتے کہ فارقلیط کس زبان کا لفظ ہے میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے زمانہ کے اکثر علمائے دین اور نیز مفسرین سابقین چارم قرآن کے مضمون کو اس وجہ سے اچھی طرح نہیں سمجھ سکے کہ اُن کو یہود کی زبان اور رسوم و عادات مذہب و خیالات طریق معاشرت اور اُن کی کتب دینی پر اطلاع نہیں[۵۲] +

Literary benefits of Islam to meet distant provinces.

ہنری لوئیس نے ہسٹری آف فلاسفی میں لکھا ہے۔ کہ

[۵۱] یعنی ابن رشد جن کا پورا نام ابوالولید محمد بن احمد بن محمد ابن رشد ہے۔ ولادت ۱۱۲۶ء مقام قرطبہ اور وفات ۱۱۹۸ یا ۱۲۰۶ء میں۔ ابن رشد کی تصنیفات سے ترجمہ حکمت ارسطا طالیس اور طب میں کلیات مشہور ہیں۔ اور اکثر لاطینی میں ترجمہ ہوئی اور جرمن میں اصل بھی چھپی + چ غ

[۵۲] وارکعوا مع الراکعین (بقرہ ع ۵) کی تفسیر میں مفسرین متحیر ہیں اور بعضے بڑے مفسر لکھتے ہیں "لان الیہود لا رکوع فی صلٰوتہم" اور ایسا ہی تفسیر بیضاوی۔ معالم۔ کمالین وغیرہ میں ہے !!! +

مسلمانوں ہی کی وجہ سے یورپ میں علم اور فلسفہ پہنچا - اس امر خاص میں یورپ اُن کا ممنون احسان ہے اور اس سے بڑا احسان عرب کا یورپ پر یہ ہے - کہ اُن لوگوں نے علم ہندسہ اور ہیئت اور طب اور کیمیا میں بڑی کوشش کی اور اُنہیں کی بدولت اسپین سے فرانس ہو کر فرنگستان میں علم پھیلا[۱] +

اورینٹل ٹرانسلیشن کمیٹی کی اول تجویز میں اس امر کا اعتراف ہے کہ شاید عربوں اور فارسیوں سے زیادہ کسی قوم میں علم تاریخ و تذکرہ و فن بدیع کے ذخیرہ جمع نہیں ہیں اُن کی تاریخوں اور تذکروں کی کتابیں جن میں اُن کے اردگرد کے ملکوں کے حالات لکھے ہیں وہی کتابیں اصلی ماخذ ہیں اُن ملکوں کی تاریخ اور نامی اشخاص کے تذکرہ کی - اُن کی تاریخیں جنگ مقدس کے بیان کی جن میں صحیح صحیح حالات لکھے ہوئے ہیں اُن کے پڑھنے میں ہر ایک پڑھنے والے کا دل لگیگا اور اہل تاریخ کو اُن سے بڑی مدد ملیگی - فن ادب اور خصوصاً قصص و حکایات میں تو کوئی اُن سے بڑھکر نہیں ہوا اور جو کچھ ایسی کتابیں فرنگی زبانوں میں ترجمہ ہوئی ہیں اُن کے پڑھنے سے افسوس آتا ہے کہ ایسی کتابیں جن سے ایسی مسرت حاصل ہوتی ہے بہت کم ترجمہ ہوئی ہیں - اور فی الحال ہم کو کیسی ہی فضیلت ایشیا کے علوم و فنون پر حاصل ہو مگر جہاں سے ہم نے اپنے مبادی علوم کو حاصل کیا تھا اُسکا دریافت کرنا بے سود نہ ہوگا - اس نسبت میں ہم کو تسلیم کرنا چاہیئے کہ ایشیا کی زمین فرنگستان کی بڑی بہن اور معلمہ ہے - اور اگرچہ وحشیوں کے ایک گروہ نے اُسکے ملک غرب و شمال سے سیلاب کی مانند پھیل کر کے اُس کی روشنی کو بجھا دیا مگر تو بھی ہم لوگ غرناطہ قرطبہ اور سیولی کی مسلمان سلطنتوں کے ممنون احسان ہیں جنہوں نے پھر علم کی روشنی قایم کی - کیونکہ یورپ نے بہتیرے وہ علوم و فنون جو اب اُس نے بڑے اعلٰے درجہ پر پہنچائے ہیں ابتدا میں وہیں سے حاصل کیے تھے ریاضی اور طب کی ایشیائی تصنیفوں سے تو اب شاید کچھ علم نہ حاصل ہو مگر جبکہ یونانیوں سے علم جاتا رہا تھا تو خلفاء کے عہد میں ان علوم کی ترقی کا نشان پانا علم کے شایق کو بے مذاق نہ معلوم ہوگا کیونکہ یونان کی مشہور کتابیں خلفاء بغداد نے عربی میں ترجمہ کرائی تھیں تو کچھ بعید نہیں کہ یونانیوں کی بعضی مفقود کتابیں اب عربی لباس میں پائی جاویں - الخ

یہ کیفیت ترقی کی مسلمانوں کی چند صدیوں تک رہی مگر فقہا کی کثرت اور فقہ میں بیحد توغل ہونے سے وہ ترقی رک گئی اور زوال شروع ہو گیا - اور اب اس اخیر زمانہ میں جہل اور اُس کی وجہ سے نکبت اور فلاکت مسلمانوں کے نصیب حال ہوئی جس طرح پر کہ متقدمین

All this culture of early ages of Mohamedanism presents a strong contrast to the ignorance which now prevails among them.

مسلمانوں نے حکمت قدیم اور فلسفہ یونان کی تحصیل و تحقیق میں جودت اور ذہانت دکھلائی اور اپنے

[۱] پرچہ تہذیب الاخلاق جلد ۴ صفحہ ۱۴۲ +

اصول عقاید سے اُسکی تطبیق یا تردید کرنے میں ناموری حاصل کی اسی طرح واجب اور لازم تھا کہ متاخرین اہل اسلام بھی حکمت جدید اور فلسفہ مجددہ کو حاصل کر کے اپنی فضیلت اور اسلام کی حقیقت تمام دنیا پر ظاہر کرتے کیونکہ ان دنوں علوم جدیدہ کی تحصیل بہت آسان ہے و نیز حکمت جدید مذہب اسلام کی موید اور مصدق ہے اور فلسفہ فرنگ میں وہ دقتیں جو فلسفہ بحثیہ قیاسیہ میں تھیں نہیں ہیں اور فلسفہ شہودیہ جس کی بنا عیان و شہود پر ہے بہت مفید اور کار آمد ہے ❊

Modern writers have attempted to imitate European forms of thoughts and tentiments.

اس زمانہ میں بعضے دور اندیش و درد مند اور مستعد مسلمانوں نے یورپ کے علوم جدیدہ کا اکتساب اور علوم اسلامی سے اُن کی تطبیق دینی چاہی ہے اور طرز معاشرت اور شایستگی عادات و طرز تحریر اور طریق تعلیم میں یورپ کا تتبع اختیار کیا ہے چنانچہ میکائیل صباغ شامی جن کی کتاب بزبان عربی و فرانسیسی پاریس (۱۰۰۵ء) میں چھپی اور شیخ رفاعۃ القاہری جن کی متعدد تصنیفات نئی طرز پر قاہرہ اور پاریس میں منطبع ہوئیں اور اُن میں ایک کتاب تلخیص الابریز فی تلخیص الباریز ہے جس میں فرانس کے سیر و سفر کا حال لکھا ہے اور سیف افندی بیروتی جس نے ڈی ساسی کے چھاپے ہوئے مقامات حریری (۱۸۴۸ء) پر محققانہ نظر کی اور جنرل خیر الدین احمد وزیر مملکت ٹونس (تیونس) جن کی کتاب اقوام المسالک فی احوال الممالک کا اُردو ترجمہ بھی یہاں مشہور ہونے والا ہے اور شیخ احمد افندی جن کی کتاب کشف المخبا عن فنون اوریا جس کی نواب لفٹنٹ گورنر بہادر ممالک مغربی و شمالی نے کتب درسیہ میں داخل ہونے کی تجویز کی ہے۔ اور مولوی کرامت علی صاحب جونپوری متولی امام باڑہ محسنیہ ہوگلی صاحب رسالہ ماخذ علوم معہ ضمیمہ عمدہ مصنفین ہیں۔ اور مولوی مہدی علی صاحب کی فصیحانہ اور درد مند تقریریں اور حکیمانہ تحریریں مسلمانوں کی درد انگیز حالت پر نہایت مرتبہ پُر تاثیر ہوتی ہیں خصوصاً جناب مولوی سید احمد خاں بہادر کی کوششیں جو مختلف طور سے بانجاشتنی مسلمانوں کی خراب حالت اور نکبت و فلاکت اصلاح اور درستی اور علوم جدیدہ کی اشاعت اور حمایت اسلام میں برکار آرہی ہیں انہوں نے اکثر مخالف اور موالف کے پژمردہ بلکہ مردہ دلوں میں تحریک پیدا کر دی اور ہندیوں کے تنگ و تاریک خیالات کو حقیقی نور کی آبیاری سے تر و تازہ کرنیکا سامان کیا اور بالتخصیص مدرسۃ العلوم المسلمین کی بنیاد ڈالی جو دین اور دنیا کی آرایش اور آسایش کا سرچشمہ ہے ❊

A brief review of the positive benefits produced by Islam on the moral and political society and in private life shows that it is of heavenly origin, and a blessing to the world.

۲۷۔ یہ مختصر تحریر اسلام کی دنیوی نعمتوں کے بیان میں جیسی کہ مفصل اور متین چاہیئے تھی نہیں ہو سکی اور اور بہت سے محاسن ملی و مدنی اور اخلاق اور معاشرت کی خوبیاں جو اسلام کی وجہ سے مسلمانوں میں پھیلیں ❊

اچھی طرح سے تحریر میں نہیں آسکیں اور جو فائدے غیر قوموں اور دور دراز کے ملکوں کو اسلام کے نور سے حاصل ہوئے اُن کا بھی استقصا اس تحریر میں نہیں ہو سکا کیونکہ ان سب مضامین کے لئے ایک ضخیم کتاب اور اُس کے لئے بہت بڑا سامان چاہیئے اور نیز حوالوں اور سندوں کے بیچ میں آپڑنے سے سلسلہ کلام اور تقریر کے نظام میں خلل پڑجاتا ہے۔ مگر تاہم جس قدر اسلام کی خوبیاں اور اُسکے اثر میں بدیہی نتیجے ہم نے بیان کئے ہیں اُن سے ثابت اور ظاہر ہے کہ جماعت اور قوم کے تمدن اور اخلاق پر اور نیز شخصی تہذیب اور تزکیہ میں اسلام کی جو تاثیر ہوئی اور جو اصلاح اس کی مد نظر رہی وہ اُسکے منجانب اللہ ہونے کی مضبوط دلیل ہے اور ہمیں خوب معلوم ہے کہ کسی فیلسوف کی حکمت یا کسی مزور کی جھوٹی باتیں ایسی الٰہی تاثیر اور عام اصلاح نہیں پیدا کرسکیں ✣

اس تقریر کو میں اس شہادت پر ختم کرتا ہوں جو افضل العلما ریورینڈ راڈویل صاحب نے قرآن کے حق میں لکھی ہے۔ ہرچند کہ وہ اس پر تجویز خونریزی و غلامی وغیرہ کے غیر صحیح الزامات لگاتے ہیں مگر اُسکے کریمانہ اخلاق اور حکمت بالغہ کو تسلیم کرتے ہیں اور بالآخر لکھتے ہیں کہ "عرب کے بیسیدھے سادے بھیڑیاں چرانے والے خانہ بدوش بدو لوگ ایسے بدل گئے جیسے کسی نے سحر کر دیا ہو۔ وہ لوگ مملکتوں کے بانی مبانی اور شہروں کے بنانے والے اور جتنے کتبخانہ اُنھوں نے خراب کئے[51] تھے اُن سے زیادہ)

[51] معلوم نہیں مصنف نے کس حادثہ پر اشارہ کیا ہے۔ لوگوں کے ذہن اسی طرف جاوینگے کہ اسکندریہ کے کتبخانہ کی ویرانی جو عمرو بن العاص کے ہاتھ سے خلیفہ ثانی کے حکم سے ہوئی۔ مگر اہل یورپ میں اب تو یہ عام رائے ہے کہ یہ قصہ دروغ محض اور بے بنیاد ہے چیمبرس کے انسائیکلوپیڈیا جلد ایک میں اسکندریہ کے کتب خانہ کے بیان میں لکھا ہے کہ متعصب عیسائیوں کے ایک گروہ نے بسرکردگی ارک بشپ تھیوفلیس حملہ کر کے ۳۹۱ء میں جو پٹر سراپیس کے بُت خانہ کو ڈھا دیا اور غالباً وہاں کے علمی خزانہ یعنی کتب خانہ کو بھی برباد کیا۔ اور یہ اُس وقت میں ہوا۔ کہ کتب خانہ کی تباہی شروع ہوئی نہ کہ ۶۴۲ء میں عرب کے ہاتھوں سے خلافت عمر رضی اللہ عنہ میں۔ وہ قصہ جس میں یہ ہے کہ عربوں کو بہت سی کتابیں جو چھ مہینے تک حمام گرم کرنے کے لئے کافی ہوں وہاں مل گئی تھیں۔ بطور تمسخر یہ کے طور پر مبالغۃً بیان کیا گیا ہے۔ مورخ ارد سیوس جس نے اس مقام کو بعد اس کہ عیسائیوں نے اُسے خراب کر ڈالا تھا ملاحظہ کیا لکھتا ہے کہ اُس نے اُس وقت کتب خانہ کی صرف خالی الماریاں دیکھیں ✣

مسلمانوں میں تاریخی واقعات میں تسامح اور مساہلت بہت ہوئی ہے اس وجہ سے بے تکے اُڑ جاتے ہیں شاید اس قصہ کی ابتدا عبد اللطیف (۱۱۶۲–۱۲۳۱ء) صاحب تاریخ مصر سے ہوئی ہو اسکے بعد ابوالفرجیوس (۱۲۲۶–۱۲۸۶) عیسائی مورخ ارمنی اسقف کے ذریعہ سے بہت شہرت ہوئی اور احمد المقریزی القاہری (۱۳۶۰–۱۴۴۲ء) اور ابن خلدون وغیرہ مورخوں نے مقلدانہ نقل کیا۔ مگر یوطیکیوس مصری بطریق اسکندریہ (۸۷۶–۹۴۰ء) اور جارج المسین مصری مورخ (۱۲۲۳–۱۲۷۳ء) ان دونوں عیسائی قدیم و جدید مورخوں نے اور شاہ اسمٰعیل ابوالفدا (۱۲۷۳–۱۳۳۱ء)۔۔

کتب خانوں کے جمع کرنے والے ہوگئے۔ اور فسطاط۔ بغداد اور قرطبہ اور دلی کے شہروں کو وہ قوت ہوئی۔ کہ عیسائی یوروپ کو کبھی ہوا دیا۔ اور قرآن کی قدر ہمیشہ اُن تبدیلیوں کے اندازہ سے ہونی چاہئیے جو اُس نے اپنے (طوعًا یا کرہًا) ماننے والوں کے عادات اور اعتقادات میں داخل کیں۔ بت پرستی کے مٹانے۔ جنات اور مادیات سے شرک کے عوض اللہ کی عبادت قائم کرنے اطفال کشی کی رسم کو نیست و نابود کرنے۔ بہت سے توہمات کو دور کرنے اور ازدواج کی تعداد کو گھٹا کر اُس کی ایک حد معین کرنے میں قرآن بیشک عربوں کے لئے برکت اور قدوم حق تھا گو عیسائی مذاق پر وحی نہ ہو۔ اور جبکہ ہر ایک عیسائی کو بالضرور اس امر پر افسوس ہوگا کہ مسلمان فتحمندوں نے بہت سے پھولے پھلے مشرقی کلیسے ڈھا دیئے مگر اُسی وقت اس بات کو نہ بھولنا چاہیئے کہ یورپ نے منطق فلسفہ کا علم۔ طبابت اور فن عمارت عربوں ہی سے حاصل کیا۔ اور مسلمانوں نے عیش و عشرت کے بہت سے سامان اور مفید چیزوں کو ایک ملک سے دوسرے ملک کو لیجانے میں مشرق اور مغرب کے قلابے ملا دیئے" (دیباچہ ترجمہ قرآن صفحہ ۴۲ مطبوعہ ۱۸۶۱ء) +

ہاجرہ

(ہذہ الرسالۃ ....)

الحجۃ الظاہرۃ فی حریۃ الہاجرۃ

سوال

حضرت ہاجرہ اُمّ اسمٰعیل علیہ السلام کا لونڈی ہونا کسی حدیث صحیح مرفوع متصل سے جس کے راوی بھی مجروح نہ ہوں ثابت ہے یا نہیں اور اگر ثابت نہیں ہے تو جو روایات اس باب میں ہیں اُن کا ماخذ کہاں سے ہے۔ آیا یہود سے یا صاحب الوحی علیہ السلام سے۔ اور وہ روایتیں اس درجہ کی ہیں کہ بموجب اصول اسلام اُن سے حضرت ہاجرہ کا لونڈی ہونا تسلیم ہوسکتا ہے یا نہیں +

سید احمد

بنارس۔ ۲۴ مارچ ۱۸۷۵ء

بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۸ مسلمان مورخ اور نیز اوروں نے اس امر کا ذکر نہیں کیا۔ اور اوڈ وارڈ گبن (۱۷۳۷-۱۷۹۴ء) اور الکسندر ہمبولٹ جرمنی نے بڑی قوت سے اس کا انکار کیا ہے (دیکھو تاریخ رومیہ جلد ۶ صفحہ ۳۳۶ مطبوعہ ۱۸۶۲ء) (اور جلد ۲ کتاب کاسموس صفحہ ۵۸۲ سنہ ۱۸۶۴ء) +

مجھے ایک حیرت ہے کہ جبکہ کتب خانہ اسکندریہ ۶۴۲ میں جل گیا تھا تو نسخہ قدکس اسکندریہ جو قبل ہجرت کا لکھا ہوا کہلاتا ہے کیونکر بچ رہا ہوگا! ج غ +

جواب

(۱)۔ کوئی حدیث صحیح مرفوع ایسی نہیں ہے جس میں حضرت ہاجرہ اُمّ اسمٰعیل علیہ السّلام کو لونڈی یا سریہ یا ملکت یمین کہا ہو +

(۲) صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ہاجرہ کی نسبت ایک روایت ہے وہ بھی جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہے بلکہ حضرت ابو ہریرہؓ سے ہے +

۱۔ بخاری نے کتاب البیوع باب شراء المملوک من الحربی وھبتہ وبیعہ میں روایت کی ہے +

حدثنا ابو الیمان اخبرنا شعیب حدثنا ابو الزناد عن الاعرج قال ابو سلمہ قال ابو ھریرۃ ارجعوھا الی ابراھیم فاعطوھا ھاجرۃ فرجعت الی ابراھیم فقالت اشعرت ان اللہ تعالیٰ کبت الکافر واخدم ولیدۃ

حدیث کی ابو الیمان نے کہ خبر دی مجھکو شعیب نے کہ حدیث کی مجھ سے ابو الزناد نے اعرج سے کہا ابو سلمہ نے کہا ابو ہریرہ نے لوٹاؤ سارہ کو ابراہیم کے پاس اور دو اُس کو ہاجرہ پھر آئی سارہ ابراہیم کے پاس پھر کہا جانا تم نے کہ اللہ تعالیٰ نے ناکام کیا کافر کو اور خدمت کو دی لڑکی +

یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے +

۲۔ صحیح بخاری کتاب البیوع باب قبول الھدیۃ من المشرکین میں ہے +

قال ابو ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھاجر ابراھیم الخلیل بسارۃ فدخل قریۃ فیھا ملک اوقال جبار فقال اعطوھا ھاجرۃ الخ

کہا ابو ہریرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ ہجرت کی ابراہیم خلیل نے ساتھ سارہ کے پھر آئے ایک شہر میں اُس میں تھا ایک بادشاہ یا کہا ایک ظالم (یہ شک راوی کا ہے) پھر کہا دو سارہ کو ہاجرہ + الخ

یہ روایت بلا اسناد ہے +

صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب قول اللہ تعالیٰ واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا میں ہے +

حدثنا محمد بن محبوب حدثنا حماد بن زید عن ایوب عن محمد عن ابی ھریرۃ قال لم یکذب ابراھیم الا ثلث

روایت کی محمد بن محبوب نے کہ نقل کی مجھ سے حماد بن زید نے ایوب سے اس نے محمدؒ سے اور اُس نے ابو ہریرہ سے کہا

كذبات اثنين منهن في ذات الله عزوجل قوله إِنِّي سقيم وقوله بل فعله كبيرهم هذا وقال بينا هو ذات يوم وسارة اذ اتى على جبار من الجبابرة فقيل له ان ههنا رجلا معه امراة من احسن الناس فارسل اليه فسأله عنها فقال من هذه قال الخليل اختي فقال الخليل لسارة ليس على وجه الارض مومن غيري وغيرك وان هذا سالني عنك فاخبرته انك اختي فلا تكذبيني فارسل اليها فلما دخلت عليه فذهب يتناولها بيده فاخذ فقال لها ادعي الله لي ولا اضرك فدعت الله فاطلق ثم تناولها الثانية فاخذ مثلها او اشد فقال ادعي الله ولا اضرك فدعت الله تعالى فاطلق فدعا بعض حجبته فقال انكم لم تاتوني بانسان انما اتيتموني بشيطان فاخدمها هاجرة فاتته وهو قائم يُصَلِّي فاومأ بيده مهيم فقالت رد الله كيد الكافر والفاجر في نحره واخدم هاجرة قال ابو هريرة تلك امكم يا بني ماء السماء +

نہیں جھوٹ بولا ابراہیم نے مگر تین جھوٹ دو ان میں سے تو صرف اللہ عزوجل کے ہیں کہنا ابراہیم کا میں بیمار ہوں اور کہنا اُن کا بلکہ کیا ہے یہ اُن کے اس بڑے نے اور کہا جبکہ تھے ایک دن ساتھ سارہ کے آئے ایک ظالم کے پاس ظالموں سے پھر کہا گیا ظالم سے کہ یہاں ایک آدمی ہے اُس کے ساتھ ایک عورت اچھی ہے سب آدمیوں سے پھر بھیجا ظالم نے ابراہیم کے پاس اور پوچھا سارہ سے کہ کون ہے یہ کہا خلیل نے میری بہن ہے پھر کہا خلیل نے سارہ کو نہیں ہے زمین پر مومن سوا میرے اور تیرے اور اس ظالم نے پوچھا مجھ سے تجھ کو پس خبر دی ہے اس کو میں نے کہ تو میری بہن ہے پس مت جھٹلائیو تو مجھ کو پھر بھیجا ظالم نے سارہ کے پاس جب آئی وہ اُس کے پاس گیا کہ پکڑنے لگا سارہ کو اپنے ہاتھ سے پس جکڑا گیا پھر کہا سارہ سے دعا کر اللہ سے میرے لئے اور نہ تکلیف دونگا تجھ کو پس دعا کی پس کھولا گیا پس پکڑنے لگا اُن کو دوسری مرتبہ پس جکڑا گیا ویسا ہی یا اس سے بھی سخت پس کہا دعا کر تو اللہ سے اور نہ تکلیف دونگا تجھ کو پس دعا کی اللہ سے پس کھولا پھر بولایا اپنے دربانوں میں سے پھر کہا تم نہیں لائے میرے پاس آدمی تم لائے میرے پاس شیطان کو پھر خدمت کیلئے دی سارہ کو ہاجرہ پھر آئی سارہ اور ابراہیم کھڑے نماز پڑھتے تھے پس اشارہ کیا اپنے ہاتھ سے کہ کیا حال ہے پھر کہا لوٹایا اللہ تعالے نے مکر کافر اور فاجر کا اُسی پر اور خدمت کو دی ہاجرہ کہا ابوہریرہ نے یہ ہے تمہاری ماں اے عرب والو +

یہ روایت بھی مرفوع نہیں ہے +

۴۔ صحیح بخاری کتاب النکاح باب اتخاذ سراری وثواب من اعتق جاریۃ ثم تزوجہا میں ہے +

حدثنا سلیمان بن حماد بن زید عن ایوب عن محمد عن ابی ھریرۃ لم یکذب ابراھیم الا ثلث کذبات بینا ابراھیم علیہ السلام مر بجبار ومعہ سارۃ فذکر الحدیث فاعطاھا ھاجرۃ قالت کف اللہ ید الکافر واخدم منی ھاجرۃ قال ابو ھریرۃ فتلک امکم یا بنی ماء السماء ✦	حدیث کی سلیمان بن حماد نے زید سے اُس نے روایت کی ایوب سے اُس نے محمد سے اور اُس نے ابوہریرہ سے کہ نہین جھوٹ بولا ابراہیم نے مگر تین جھوٹ جبکہ ابراہیم علیہ السلام گذرے ظالم پر اور اُن کے ساتھ تھی سارہ پس ذکر کی ساری حدیث پھر دی سارہ کو ہاجرہ کہا روکا اللہ تعالے نے ہاتھ کافر کا اور خدمت کو دی ہاجرہ

کہا ابوہریرہ نے۔ پس یہ ہے تمہاری ما اے عرب والو ✦

یہ روایت ابوہریرہ پر موقوف ہے ✦

۵۔ صحیح بخاری کتاب الاکراہ باب اذا استکرھت المرأۃ علی الزنا میں ہے ✦

حدثنا ابو الیمان اخبرنا شعیب حدثنا ابو الزناد عن اعرج عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھاجر ابراھیم بسارۃ ودخل بھا قریۃ فیھا ملک من الملوک او جبار من الجبابرۃ فارسل الیہ ان ارسل بھا فارسل بھا فقام الیھا فقامت توضئ وتصلی فقالت اللھم ان کنت امنت بک وبرسولک فلا تسلط علی ید الکافر فغط حتی رکض برجلہ ✦	حدیث کی مجھ سے ابوالیمان نے کہ خبر دی مجھ کو شعیب نے کہ حدیث کی مجھ سے ابوالزناد نے اعرج سے اس نے ابوہریرہ سے کہا۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ ہجرت کی ابراہیم نے ساتھ سارہ کے اور آئے شہر میں اُس میں تھا بادشاہ یا دشاہوں سے یا ظالم ظالموں سے پھر بھیجا اُس نے ابراہیم کے پاس کہ بھیجدے سارہ کو پھر بھیجا سارہ کو اور کھڑے ہوئے ابراہیم

سارہ کے پاس پس کھڑے ہو کر سارہ نے وضو کیا اور نماز پڑھی پھر کہا اے خدا اگر ایمان لائی ہوں میں تجھ پر اور تیرے رسول پر پس بے قابو سے مجھ پر کافر کو پس ڈالا گیا یہاں تک کہ پیر پا سنے لگا ✦

یہ روایت مرفوع ہے الا اس میں ہاجرہ کے سارہ کو دیئے جانیکا ذکر نہیں ہے ✦

۱۰۔ صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل ابراھیم الخلیل میں ہے ✦

حدثنا ابو الطاھر قال انا عبد اللہ ابن وھب قال اخبرنی جریر بن حازم عن ایوب السجستانی عن محمد بن سیرین عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	حدیث کی ابو طاہر نے کہا خبر دی مجھکو عبد اللہ بن وہب نے کہا خبر دی مجھکو جریر بن حازم نے ایوب سجستانی سے اُس نے محمد بن سیرین سے اس نے ابوہریرہ سے کہ رسول خدا صلی اللہ

قال لم یکذب ابراهیم النبی قط الا ثلثة کذبات فاعطاها هاجرة فاقبلت تمشی فلما راها ابراهیم علیه السلام انصرف فقال لها مهیم قالت خیرا کف الله ید الفاجر واخدم خادما قال ابوهریرة فتلك امکم یابنی ماالسماء +

علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں جھوٹ بولا ابراہیم نبی نے مگر تین جھوٹ ۔ پھر دی سارہ کو ہاجرہ پھر چلی آئی سارہ جب دیکھا ان کو ابراہیم نے پھر ری۔ پھر کہا کیا حال ہے کہا اچھا روکا اللہ تعالیٰ نے ہاتھ فاجر کا اور خدمت کو دی خادم کہا ابوہریرہ نے یہ ہے تمہاری ماں اے عرب والو +

(۳)۔اب یہ امر تحقیق طلب ہے کہ یہ روایت مرفوع ہے یا موقوف ہے ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت صرف حضرت ابوہریرۃ تک موقوف ہے +

(۱) بخاری کی سب سندی روایتوں میں حضرت ہاجرہ کے سارہ کو دیئے جانے کی روایت ابوہریرۃ رض تک ہے (۲) اس کے سوا ابن سعد کی روایت طبقات کبیر میں (۳) اور حافظ ابونعیم کی روایت میں بھی وقف ہے (۴) اور حمیدی صاحب جمع بین الصحیحین نے اسی پر جزم کیا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ یہ روایت موقوف ہے (۵) اور علامہ ابن حجر نے اسی کو صواب یعنی صحیح اور درست قرار دیا ہے (۶) اور عبدالرزاق کی روایت میں معمر سے بھی وقف ہے +

قسطلانی نے شرح بخاری میں یہ لکھا ہے (جلد ۵ صفحہ ۲۷۹) +

ولم یصرح برفعه فی روایة حماد بن زید الی رسول الله علی المعتمد الموافق لروایة والنسفی وکریمة کمارواه عبدالرزاق عن معمر

نہیں تصریح کی گئی اسکے مرفوع ہونیکی روایت حماد میں رسول اللہ تک اوپر معتمد کے جو موافق ہے روایت کریمہ اور نسفی کے جیسا کہ روایت کیا عبدالرزاق نے معمر سے +

(اور جلد ۸ ۔ صفحہ ۱۳)

کذا اوردہ موقوفا لکریمة والنسفی وکذا عند ابی نعیم وجزم به الحمیدی قال الحافظ بن حجر واظنه الصواب فی روایة حماد عن ایوب +

ایسا ہی آیا ہے موقوف کریمہ اور نسفی کی روایت میں اور ایسا ہی نزدیک ابونعیم کے اور اسی کا یقین کیا حمیدی نے کہا حافظ بن حجر نے مجھ کو گمان غالب ہے کہ وقف ہی صواب ہے روایت حماد میں ایوب سے +

البتہ جریر بن حازم نے ایوب سے جو روایت کی ہے اس نے مرفوع کر دیا ہے مگر بخاری نے حماد کی روایت کو ترجیح دی ہے اور جریر بن حازم کی روایت قبول یا نقل نہیں کی +

علامہ قسطلانی نے مقام مذکور پر لکھا ہے +

وان ذٰلك هو السر فی عدم ایراد روایۃ ابن جریر مع کونها نازلۃ ✦	اور یہی بھید ہے نہ لانے روایت ابن جریر میں باوجود ہونے روایت حماد کے اُتری ہوئی ✦

صحیح مسلم میں جو روایت مرفوع ہے اس کا راوی ایوب سے جریر بن حازم ہے اور وہی روایت ایوب سے حماد نے موقوف نقل کی ہے اور حماد جریر سے اثبت ہے یعنی زیادہ تر ثابت ہے چنانچہ علامہ قسطلانی نے (جلد ۵ صفحہ ۱۸۱) لکھا ہے ✦

قال الدارقطنی حماد اثبت من جریر ✦	کہا دارقطنی نے حماد ثابت زیادہ ہے جریر سے ✦

البتہ نسائی اور بزاز اور ابن حبان نے ہشام بن حسان کی روایت میں اور ابی ذر ہیلی اور ابن عساکر نے اس کو مرفوع کر دیا ہے مگر یہ ثابت ہوا ہے کہ اہل تحقیق کے نزدیک یہ روایت موقوف ہے اور کسی روایت موقوف کا مرفوع کر دینا تو راویوں کا ایک معمولی محاورہ اور روزمرہ کی عادت ہے جب چاہا اور جس روایت کو چاہا (خواہ وہ کیسی ہی لغو ہو) قال قال رسول اللہ کہدیا چلو وہ مرفوع ہو گئی!! علامہ ابن جوزی نے کتاب موضوعات کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ طبقہ اوّل والے جو روایت آپس میں کسی سے سُنتے تھے تو شدت وثوق کے باعث سے اُس کو جناب پیغمبرؐ کی طرف منسوب اور مرفوع کر دیتے تھے ✦

کما قال کان السرب الاول صافیا فکان بعض الصحابۃ یسمع من بعض فیقول قال رسول اللہ من غیر ذکر من سمعہ لانہ لا یشك فی صدق الراوی ✦	کہا ابن جوزی نے تھا قرن اوّل صاف پس تھے صحابہ آپس میں سُنتے تھے ایک دوسرے سے پس کہتے تھے فرمایا رسول اللہ صلعم نے بدُون اُسکے کہ ذکر کریں جس نے روایت کی اُن سے کیونکہ

نہیں شک کرتے تھے وے صدق راوی میں ✦

پس اسی طرح اور راویوں نے یا خود ابو ہریرہؓ نے اس روایت کو ایک معمولی عادت کے طور پر مرفوع کر دیا ہوگا ✦

(۴) یہ امر بھی قابل گزارش ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایت وہی ایک طولانی روایت ہے جس میں حضرت ابراہیمؑ کے تین جھوٹ بولنے کا ذکر ہے (دیکھئے بخاری کی کتاب الانبیا اور مسلم کی کتاب الفضائل) اور اس روایت پر اہل بصیرت نے بنظر شناعت معنوی نظر کی ہے اور اس کو غیر صحیح اور باطل قرار دیا ہے چنانچہ امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے ✦

واعلم ان الحشویۃ روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ما کذب ابراہیم الا ثلث کذبات نقلت الاوطان لا یقبل	جان کہ روایت کی گئی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ کہا نہیں جھوٹ بولا ابراہیمؑ نے مگر تین جھوٹ پس کہتا ہوں میں بہتر یہ ہے کہ نہ قبول

مثل هذه الاخبار فقال علی طریق الاستنکار ان لم تقبله لزمنا تکذیب الرواة فقلت له یا مسکین ان قبلناه لزمنا الحکم بتکذیب ابراهیم وان رددناه لزمنا الحکم بتکذیب الرواة ولا شك ان صون ابراهیم عن الکذب اولی من صون طائفة من المجاهیل عن الکذب۔

کی جاوے ایسی خبر پھر کہا بطریق انکار کے کہ اگر نہ قبول کریں ہم لازم آوے جھوٹلانا راویوں کا۔ پس کہتا ہوں میں اگر قبول کریں ہم لازم آوے جھوٹا ماننا ابراہیم کا اور اگر رد کریں ہم لازم آوے حکم جھوٹلانے راویوں کا اور نہیں شک کہ بچانا ابراہیم علیہ السلام کا جھوٹ سے بہتر ہے بچانے ایک گروہ مجہول سے جھوٹ سے ÷

اور کتاب اللباب فی علم الکتاب تصنیف عمر بن عادل حنفی میں بھی یہی عبارت منقول ہے اور شیخ الاسلام امین الدین طبری نے تفسیر مجمع البیان میں لکھا ہے ÷

وما روی فی ذلك من ان ابراهیم کذب ثلث قوله انی سقیم وقوله کبیرهم و قوله لسارة لما راها الجبار واخذها وکانت زوجته هذه اختی مما لا یعول علیه ÷

اور جو روایت کیا گیا اس میں کہ ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ بولے کہنا اُن کا میں بیمار ہوں اور کہنا اُن کا کہ اُن کے بڑے نے اور کہنا ان کا سارہ کو جب دیکھا اُن کو ظالم نے اور لیا اُن کو اور تھی بیوی ابراہیم کی یہ ہے میری بہن ایسی پر اعتبار نہ کرنا چاہیئے ÷

علامہ قسطلانی صاحب ارشاد الساری نے امام رازی کے قول مذکور کو نقل کر کے لکھا ہے:۔

فلیس بشیئ اذا الحدیث صحیح ثابت (جلدہ صفحہ ۲۷) قول رازی کا کچھ نہیں ہے کہ حدیث صحیح اور ثابت ہے مگر اس حدیث کا صحیح ہونا اگر اصطلاح کے طور پر ہے اور غالباً یہی مراد بھی ہے تو اُس کی اصطلاحی صحت اُس کو حق اور سچا نہیں ٹھہرا سکتی مگر اُس کو ثابت قرار دینا غیر ثابت ہے اس لئے کہ کسی حدیث کے صحیح ہونے سے اس کا حق ثابت ہونا لازم نہیں آتا علی بن برہان الدین الحلبی الشافعی صاحب انسان العیون فی سیرۃ ابن مامون نے لکھا ہے:۔

لا یلزم من صحة الاسناد صحة المتن فقد یکون فیه مع صحة اسناده ما یمنع صحته فهو ضعیف ÷

نہیں لازم آتا صحت سند سے صحت اصل حدیث کا کہ کبھی ہوتی ہے حدیث میں باوصف صحت سند کے جو منع کرے اُس کی صحت کو

پس وہ حدیث ضعیف ہے ÷

اور خود قسطلانی نے ارشاد الساری شرح صحیح بخاری کتاب بدء الخلق باب ما جاء

فی وصف سبع ارضین (جلد ۵ صفحہ ۲۰۲) میں بعد نقل بیہقی کے (اسناد صحیح لکنہ شاذ بالمعنی) لکھا ہے:۔

فیہ انہ لا یلزم من صحۃ الاسناد صحۃ المتن کما ھو معروف عند اھل ھذا الشان فقد یصح الاسناد ویکون فی المتن شذوذا او علۃ یقدح فی صحتہ ٭	پس اس میں یہ ہے کہ نہیں لازم آتا صحت اسناد سے صحت متن کی جیسا کہ مشہور ہے اس فن والوں میں کہ کبھی صحیح ہوتی ہے سند اور ہوتا ہے متن میں شذوذ اور سبب جو نقص ڈالتا ہے

اُس کی صحت میں ٭

اور علامہ ابن جوزی نے رسالہ موضوعات میں لکھا ہے:۔

وقد یکون الاسناد کلہا ثقات ویکون الحدیث موضوعا او مقلوبا ٭	کبھی ہوتے ہیں راوی سب ثقہ اور معتمد اور ہوتی ہے حدیث موضوع یا مقلوب ٭

(۵) - اگر ہم قبول کریں کہ یہ روایت اصل میں مرفوع ہی تھی اور اُس کو موقوف روایت کرنیکا الزام محمد بن سیرین ہی پر لگایا جاوے کہ وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اکثر روایتوں کو تخفیفاً وقف ہی روایت کیا کرتے تھے (قسطلانی جلد ۱ صفحہ ۱۳) تاہم کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ روایت مرسل قرار پائیگی کیونکہ ابوہریرہ نے یہ نہیں کہا کہ میں نے جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے ایسا سُنا ہے اور حدیث مرسل اس وجہ سے کہ اُس کا راوی مجہول الاسم والحال ہے ضعیف ہوتی ہے (کذا فی تدریب الراوی شرح تقریب النواوی للسیوطی) خصوصاً حضرت ابوہریرہؓ کا ارسال کہ وہ جو کچھ پاتے تھے روایت کر دیتے تھے محمود بن سلیمان کفری نے کتاب اعلام الاخیار میں نقلاً عن الصدر الشہید[1] لکھا ہے ٭

واما ابو ھریرۃ کان یروی کلما بلغہ وسمع من غیر تامل فی المعنی ٭	ابوہریرہ تھے روایت کرتے تھے جو اُن کو پہنچتا تھا اور جو سنتے تھے بے اس کے کہ

تامل کریں معنوں میں ٭

(۶) یہاں تک تو اس حدیث کے مرفوع یا موقوف ہونے میں بحث تھی اب ہم اس کی دلالت کو دیکھتے ہیں کہ اس سے اس مشہور قول کی کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا لونڈی تھیں تائید ہوتی ہے یا نہیں ٭

---

[1] ھو الامام برھان الائمۃ عمر بن عبد العزیز بن مازۃ المعروف بالحسام الشہید المتوفی قتیلاً سنہ ۵۳۶ صاحب شرح اداب القاضی علی مذہب ابی حنیفۃ کذا فی کشف الظنون لحاجی خلیفۃ القسطنطینی ۱۲ ٭

بخاری کی تینوں روایتوں کے الفاظ (کتاب البیع - انبیا - لنکاح) اور نیز مسلم (فضایل) کی روایت میں بھی کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے ہاجرہ کے سریہ یا ملک یمین ہونے کا ادنٰے شائبہ بھی پایا جاوے - کتاب البیع کی روایت (اخدمہا ولیدۃ) ہے اور ولیدۃ اُس لڑکی کو کہتے ہیں جو خدمت کرے اور خادمہ اور لونڈی میں فرق ہے - اور کتاب الانبیا میں (واخدمہا ہاجرہ) ہے یہاں بھی ہاجرہ کا خدمت میں دیا جانا اس کی غلامی ثابت نہیں کرتا بلکہ خادم عام ہے چاہے آزاد ہو یا غلام - ایسا ہی حال کتاب النکاح والی روایت کا ہے (واخدمنی ہاجرہ) ہاجرہ کا خدمت سارہ میں دیا جانا غلامی نہیں ثابت کرتا اور ایسا ہی مسلم کی روایت میں (واخدمنی خادما) کسی طرح پر غلامی ثابت نہیں کرتا - پس ان الفاظ سے حضرت ہاجرہ کو لونڈی یا باندی سمجھنا محض ایک بے اصل بدگمانی ہے +

یہ بھی خیال رہے کہ یہ وہ اصل الفاظ نہیں ہیں جو حضرت سارہؓ نے فرمائے تھے کیونکہ ان کی زبان عربی نہ تھی اور یہ کہ روایتوں میں نقل بالمعنی اکثر ہوتی ہے +

(۷) جامعین حدیث نے اس روایت کو اپنے سبق ظن کی وجہ سے ابواب بیع و ہبہ اور اتخاذ سراری میں درج کیا ہے اور یہ کسی طرح پر حجت نہیں ہو سکتا کیونکہ الفاظ روایت میں اس قسم کی کچھ بھی دلالت نہیں ہے پس جامعین نے تبویب احادیث میں ترجمہ اور عنوان باب کی بھرتی کے لئے یہ روایت ابواب مذکورہ میں داخل کی گو اس میں کوئی وجہ ایسے ابواب میں جگہ جگہ پانے کی نہ تھی - پس سامعین نے بیہودہ میں شہرت کی وجہ سے خود دھوکا کھایا اور خلاف مناسبت باب ان روایتوں کے ترتیب دینے سے اوروں کو بھی مغالطہ میں ڈالا +

بخاری نے کتاب البیوع میں اس روایت کو باب شراء المملوک من الحربی وہبتہ و بیع میں درج کیا ہے حالانکہ اس روایت میں ہاجرہ کا مملوک ہونا کسی طور سے ثابت نہیں ہو سکتا اور ہاجرہ کو بادشاہ مصر کی مملوک سمجھنا محض ایک اپنے ذہن سے بنائی ہوئی بات ہے اور کتاب النکاح باب اتخاذ سراری میں اس روایت کو نقل کرنا بالکل نامناسب ہے کیونکہ اس روایت کو ایسے مضمون سے کمال اجنبیت اور قطعاً مغایرت ہے اور بخاری کی جمع و ترتیب میں ایسی بے عنوانیوں کا وقوع اکثر ہے - چنانچہ شیخ الاسلام محی الدین نووی نے مقدمہ شرح صحیح مسلم فصل ۶ میں لکھا ہے +

بخلاف البخاری فانہ یذکر تلک الوجوہ المختلفۃ فی ابواب متفرقۃ متباعدۃ و کثیر منہا یذکرہ فی غیر بابہ الذی یسبق الیہ الفہم انہ اولی بہ +

بخاری ذکر کرتا ہے وجوہ مختلف کو ابواب متفرق اور بعید میں اور بہت حدیثیں ذکر کرتا ہے بخاری اور دوسرے باب میں سوا اُس باب

کے جس کے فہم کے موافق اس کا ذکر کرنا بہتر ہے +

چونکہ اس باب کے عنوان سے اس روایت کی عدم مطابقت اور نامناسبت خوب ظاہر اور واضح ہے تو اس قباحت اور شناعت کے دفع کرنے کو یہ مضمون بنا لیا گیا ہے کہ حضرت ہاجرہ مملوک تھیں اور حضرت ابراہیم کی سریہ تھیں یہ خیال فاسد صرف اس بے عنوانی کی توجیہہ کے لئے بنایا گیا ہے چنانچہ قسطلانی نے لکھا ہے :۔

ومطابقت الحدیث للترجمۃ کما قال ابن منیر من حیث ان ہاجرۃ کانت مملوکۃ +	مطابقت حدیث کو عنوان باب سے جیسا کہ کہا ابن منیر نے اس جہ سے ہے کہ ہاجرہ تھی مملوکہ +

مگر جب تک خارج سے یہ امر ثابت متحقق نہ ہووے کہ ہاجرہ مملوکہ اور سریہ تھیں تب تک نہ ابن منیر کا قول صحیح ہو سکتا ہے اور نہ بخاری کا ترجمہ مناسب - ابن منیر کے اس قول کو جو اس نے بخاری کی اس روایت کے عنوان باب سے مطابق کرنے کے لئے افترا کیا ہے علامہ ابن حجر عسقلانی نے غیر صحیح قرار دیا ہے - چنانچہ فتح الباری میں لکھا ہے :۔

ان اراد ان ذٰلک صریح فی الصحیح فلیس بصحیح +	اگر ابن منیر نے یہ ارادہ کیا کہ مملوک ہونا صریح حدیث میں ہے پس یہ صحیح نہیں ہے +

(۸) مولوی حاجی علی بخش خاں صاحب (گورکھپور) باایں ہمہ اظہار تمہر و تبحر وغیرہ تتبع و تلاش حضرت ہاجرہ کے سریہ و مملوکہ ثابت کرنے کے سوائے خام ہیں جبکہ انہیں اور کچھ مستمسک اور دلیل نہ ملی تو افترا و بہتان و توطیہ و طوفان پر مستعد ہوئے - چنانچہ ابن منیر کے اس قول باطل کو (جس کی توجیہہ علامہ عسقلانی نے ابھی غیر صحیح قرار دی ہے) علامہ قسطلانی کی طرف منسوب کر کے تائید الاسلام کے صفحہ ۶۶ میں فرماتے ہیں - قسطلانی نے شرح بخاری میں ذیل حدیث بینما ابراھیم مر بجبار ومعہ سارۃ الحدیث میں لکھا ہے ان ہاجرۃ کانت مملوکۃ وقد صح ان ابراھیم اولدھا بعد ان ملکہا فھی سریۃ انتھیٰ" +

حالانکہ یہ قول ابن منیر کا ہے جو قسطلانی نے مطابقۃ الحدیث للترجمہ کی توجیہہ میں نقل کیا ہے اور پھر اسے رد بھی کیا ہے - چنانچہ لفظ انتھیٰ کے بعد لکھا ہے :۔

وقد تعقبہ فی الفتح فقال ان اراد ذٰلک صریحا فی الصحیح فلیس بصحیح +	اور اس کے پیچھے کہا ہے فتح الباری میں اگر ارادہ کیا ابن منیر نے کہ یہ مملوک ہونا صریح

حدیث میں ہے پس یہ صحیح نہیں ہے +

مگر مولوی علی بخش خاں صاحب کی بیجا عصبیت اور ناحق کوشی نے ان کو اس مغالطہ دہی پر مائل کیا کہ اول تو ابن منیر کے قول کو قسطلانی کی طرف منسوب کیا اور دوسرے قسطلانی نے جو

اس پر فتح الباری سے اعتراض نقل کیا تھا اس کا کچھ تدارک نہ کیا ٭

ابھی جناب مولوی علی بخش خان صاحب کی علمی قابلیت اور عربیت کی داد دینی باقی ہے کیونکہ جناب مولوی صاحب موصوف نے اس عربی عبارت کا ترجمہ حاشیہ پر اس طرح کیا ہے "یعنی بلاشبہ ہاجرہ لونڈی تھیں اور یہ بات صحیح ہے کہ ابراہیمؑ جب اُس کے مالک ہوئے تب وہ پیدا ہوئیں تو لونڈی ہیں ۱۲" اب یہ وہ مقام ہے کہ انسان ہنسی کے مارے لوٹ جاوے اور انکے اس ترجمہ پر عش عش کرے کہاں وہ عبارت کہ ان ابراھیم لولدھا بعد ان ملکھا یعنی ابراہیم کے بچہ پیدا ہوا ہاجرہ سے جب وے مالک ہو چکے تھے اُس کے۔ اور کہاں یہ ترجمہ کہ حضرت ابراہیمؑ جب اس کے مالک ہوئے تب وہ پیدا ہوئیں۔ سبحان اللہ مترجم صاحب کو علاوہ کشف و کرامات کے تاریخ دانی میں بھی دخل ہے ٭

(۹) حضرت ہاجرہ کی سرگذشت کتب تواریخ سے اس قدر معلوم ہوتی ہے کہ وہ بادشاہ مصر کی بیٹی تھی اس نے اس کو حضرت سارہ کی خدمت میں دیا تھا اور پھر ایک زمانہ بعد حضرت ابراہیمؑ نے بمشورہ حضرت سارہ کے ہاجرہ سے نکاح کیا جب اُن سے اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو سارہ و ہاجرہ کی آپس کی رنجش کے باعث سے حضرت ابراہیمؑ نے ہاجرہ کو ارض فاران میں جو ملک حجاز ہے مقیم کیا ٭

کتاب برشیلیت ربا ۸ (۱۵) میں جو یہود کی مذہبی کتاب ہے لکھا ہے کہ ہاجرہ بادشاہ مصر کی بیٹی تھی علامہ قسطلانی نے شرح بخاری (جلد ۴ صفحہ ۸۲) میں لکھا ہے:-

وکان ابو ہاجرۃ من ملوک القبط من حفن (بفتح الحاء المھملۃ وسکون القاف) قریۃ بمصر.	تھا باپ ہاجرہ کا بادشاہان قبط سے حفن میں جو قریہ ہے مصر میں ٭

اور پھر (جلد ۵ صفحہ ۲۷۹) میں لکھا ہے:-

وکان ابو ھاجرۃ من ملوک القبط ٭	تھا باپ ہاجرہ کا ملوک قبط سے ٭

ایسا ہی تاریخ طبری اور تاریخ خمیس سے معلوم ہوتا ہے ٭

مگر ان مورخوں نے اسی سبق ظن مملوکیت اور رقیت کے خیال پر یہ لکھا ہے کہ ہاجرہ قبل ذالک المالک یا قبل السابق بادشاہ قبط کی بیٹی تھیں۔ مگر اس تقریر کی رکاکت قابل لحاظ ہے۔ اس کے کیا معنی کہ اس سے پہلے وہ بادشاہ مصر کی بیٹی تھیں۔ کیا مملوکیت سے اُن کا بادشاہ کی بیٹی ہونا باطل ہو گیا تھا!!! توریت کے صحیفہ اوّل باب ۱۶ اپسوق ۳ سے صاف ظاہر ہے۔ کہ حضرت ہاجرہ حضرت ابراہیمؑ کی بیوی تھیں اور وہی لفظ ہاجرہ کی نسبت لکھا ہے جو سارہ کی نسبت ہے۔ یعنی לאשה ایشا۔ جورو۔ پس وہ جو ہمارے یہاں کی بعض واقعہ

و مورخین نے ہاجرہ کو حضرت ابراہیمؑ کی سریّہ لکھا ہے وہ ان سے تساہل و تسامح ہؤا ہے۔ اُنہوں نے اپنے ملک کی رسم و عادات پر قیاس کر لیا ہے۔ ایسی ہی مسند ابی یعلیٰ کی وہ روایت فاستوھبہا ابراھیم من سارۃ فوھبہا لہ الخ خلاف نص توراۃ کے ہے کیونکہ اسی باب ۱۶ میں صاف لکھا ہے کہ خود سارہ نے ابراہیمؑ سے درخواست کی تھی کہ وہ ہاجرہ کو لیلیں اور خود سارہ نے ہاجرہ کو ابراہیمؑ کی زوجیت میں دیا ۔

(۱۰) اس بحث کے آخر میں بعض روایات مذہب امامیہ کا ذکر بھی ہونا ضرور ہے۔ علامہ مجلسی نے بحار الانوار کی پانچویں جلد کتاب النبوۃ ورق ۵۹۔ نسخہ قلمی ۱۸۷۶ء) میں کافی کی روایت نقل کی ہے ۔

کافی علی عن ابیہ وعدۃ من اصحابنا عن سہل جمیعا عن ابن محبوب عن ابراھیم ابن ابی زیاد الکرخی قال سمعت اباعبد اللہ ۔ ۔ قال لہ احب ان تاذن لی ان اخدمہا قبطیۃ عندی جمیلۃ عاقلۃ یکون لہا خادما قال فاذن لہ ابراھیم فدی بہا و وھبہا لسارۃ وھی ھاجرۃ ام اسمٰعیل ثم ان ابراھیم اما ابطاء علیہ الولد قال لسارۃ لو شئت لبعتنی ھاجرۃ لعل اللہ ان یرزقنا منہا ولدا فیکون لنا خلفا فابتاع ابراھیم ھاجرۃ من سارۃ۔ الخ ۔

روایت کی علی نے اپنے باپ سے اور چند ایک نے ہمارے اصحاب سے سہل سے ان سب نے محبوب سے اُس نے ابراہیمؑ سے اُس نے ابن ابی زیاد کرخی سے کہا سُنا میں نے ابو عبد اللہ سے کہا دوست رکھتا ہوں میں یہ کہ اذن دے تو مجھ کو کہ خدمت کو دوں قبطیہ جو میرے پاس ہے خوبصورت دانا ہوگی خدمت کرنیوالی کہا پس اذن دیا ابراہیمؑ نے پس بلایا قبطیہ کو اور دیا اُس کو سارہ کو اور یہ ہے ہاجرہ ماں اسمٰعیل کی پھر جب مدت تک نہ ہوئی ابراہیمؑ کے کچھ اولاد کہا سارہ کو اگر چاہے تو بیچدے تو مجھ کو ہاجرہ شاید اللہ دے مجھ کو اُس سے بچہ پس ہو ہمارے لئے پیچھے رہنے والا پس مول لیا ابراہیمؑ نے ہاجرہ کو سارہ سے ۔

اس آخری فقرہ کا مضمون یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے ہاجرہ کو سارہ سے خرید لیا ۔

۱۱۔ یہ روایت کئی وجہ سے غیر مسلم ہے (۱) یہ خبر واحد اور غیر قطعی الصدور ہے پس اس سے ہاجرہ کے سریّہ ہونے کا علم حاصل نہیں ہو سکتا (۲) اس کے راویوں میں ایک راوی سہل بن زیاد ہے اور یہ شخص ضعیف متہم اور غیر معتمد ہے یا لا اقل یہ کہ ضعیف فی الحدیث ہے۔

فہرس طوسی میں ہے :۔

سہیل بن زیاد الادمی الرازی یکنی	سہیل بن زیاد آدمی رے کا رہنے والا

اباسعید ضعیف (کان ضعیفاً فی الحدیث
غیر معتمد فیه وکان احمد بن محمد عیسی
یشهد علیه بالغلو والکذب واخرجه
من القم الی الری) ص ۱۲۴ +

جس کی کنیت ہے ابوسعید ضعیف ہے (تھا
ضعیف حدیث میں نہیں اعتماد کیا جاتا تھا
اس پر اور تھا احمد بن محمد عیسےٰ گواہی دیتا تھا
اس پر غلو اور جھوٹ کی اور نکالا تھا اس کو قم
سے طرف رے کے) ایشیاٹک سوسیٹی کلکتہ +

اور غضایری نے اس کو ضعیف اور فاسد الروایت لکھا ہے۔ رجال شیخ ابوعلی موسوم بتوضیح المقال فی علم الرجال میں ہے +

قال غضایری انه کان ضعیفاً جداً
فاسد الروایة والمذهب وکان احمد بن محمد
بن عیسی الاشعری اخرجه عن قم و
اظهر البراءة عنه ونهی الناس عن السماع
عنه والروایة عنه ویروی المراسیل و
یعتمد المجاهیل +

کہا غضایری نے وہ تھا ضعیف بہت
فاسد الروایت اور مذہب اور تھا احمد بن محمد
عیسےٰ اشعری نے نکالا اس کو قم سے اور ظاہر
کی بے رازی اس سے اور منع کیا آدمیوں کو
اس سے سننے سے اور اس سے روایت
کرنے سے اور روایت کرتا ہے مرسل کو اور
اعتماد کرتا ہے مجہول پر +

اور کتاب المشترکات میں ہے۔ ابن زیاد المختلف فی توثیقه +

(۳) اور دوسرا راوی ابن محبوب یعنی حسن بن محبوب السواد گو ثقہ ہے مگر متہم تھا توضیح المقال میں ہے۔ اصحابنا یتهمون ابن محبوب فی روایته عن ابن ابی حمزة اور احمد بن محمد بن عیسیٰ کے حال میں لکھا ہے +

فی کش قال نصیر بن صباح
احمد بن محمد بن عیسی لا یروی عن ابن محبوب
من اجل ان اصحابنا یتهمون ابن محبوب
فی روایته عن ابی حمزة ثم مات احمد بن
محمد فرجع قبل ما مات +

کہا نصیر بن صباح نے احمد بن محمد بن عیسےٰ
نہیں روایت کرتا ہے ابن محبوب سے اس سبب سے
کہ اصحاب ہمارے متہم کرتے ہیں ابن محبوب کو
روایت میں ابن حمزہ سے پھر مر گیا احمد بن محمد
پس رجوع کیا پہلے مرنے سے +

(۴) ایک اور راوی ابراہیم بن ہاشم ابواسحاق القمی اس کی عدالت پر تنصیص نہیں ہوئی گو اس کے مثنی علی بن ابراہیم اور ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی نے عموماً اس کی روایتوں پر اعتماد کیا ہے شیخ ابوعلی نے توضیح المقال میں لکھا ہے +

ابراهیم بن هاشم ابواسحاق القمی

وہ شاگرد ہے یونس بن عبدالرحمٰن کا

اصله الکوفی زادفی صه وهوتلمیذ یونس بن عبدالرحمن ولم اقف لاحد من اصحابنا علی قول فی القدح فیه ولا علی تعدیله بالتنصیص والروایات عنه کثیرۃ والارجح قبول قوله ۔

نہیں واقف ہوں میں اپنے اصحاب میں سے کسی کے قول پر بیچ قدح ابراہیم کے اور نہ اُسکے تعدیل میں ساتھ تصریح کے اور روایات اُس سے بہت ہیں اور راجح یہ ہے کہ اُس کا قول مقبول ہے ✤

(۵) یہ روایت خلاف تصریح صفحہ اوّل تورات کے ہے چنانچہ علامہ مجلسی نے سید بن طاؤس کی کتاب سعد السعود سے تورات مترجم کی عبارت اس قصہ کے متعلق اس طرح نقل کی ہے :۔

ان سارۃ امراۃ ابراھیم لم تکن یولد لھا ولد وکانت لھا امۃ اسمہا ھاجرۃ ۔ فقال سارۃ لابراھیم ان اللہ قد حرمنی الولد فادخل علی امتی وابن بھا لعلی اتعزی بولد منہا فسمع ابراھیم بقول سارۃ واطاعھا فانطلقت سارۃ امراۃ ابراھیم بھاجر امتہا وذالک بعد ماسکن ابراھیم ارض کنعان عشر سنین فادخلتہا علی ابراھیم زوجہا ✤ (بحار الانوار جلد ۵) ✤

سارہ بیوی ابراہیم کے نہیں ہوتی تھی اُس کے اولاد اور تھی اُس کی لونڈی جس کا نام تھا ہاجرہ پس کہا سارہ نے ابراہیم سے کہ اللہ نے محروم کیا مجھ کو بچہ سے پس آ تو میری لونڈی پر اور زفاف کر اس سے شاید مَیں نسبت کی جاؤں اس سے ساتھ بیٹے کے ۔ پس سُنا ابراہیم نے قول سارہ کو اور مانا اس کا کہنا پس لائی سارہ بیوی ابراہیم علیہ السلام کی ہاجرہ اپنی باندی کو اور یہ جبکہ ٹھہرے تھے ابراہیم زمین کنعان میں دس برس پس داخل کیا ہاجرہ کو ابراہیم اپنے زوج کے پاس ✤

اس میں کہیں خرید و فروخت کا ذکر نہیں ہے ✤

۱۲۔ یہ امر بھی ضرور قابل بیان ہے کہ جس قدر عبارت ترجمہ توریت سے سید ابن طاؤس سے نقل ہوئی ہے اس کی اصل میں حضرت ہاجرہ کی نسبت لفظ שפחה (شفخہ) آیا ہے اور یہ عبارت توریت عبری کے صحیفہ برشیث پراشہ ۱۶ میں واقع ہے (پسوق ۱-۳) اور گزنیس کے عبرانی لغت میں شفخہ کے معنی لکھے ہیں کہ جو شخص خاندان میں سے ہو اور اسی جہت سے خادمہ کو بھی شفخہ کہتے ہیں مگر اس کے معنی لونڈی کے نہیں ہیں ۔ تورات کے عربی مترجموں نے یہ غلطی ثابت کی ہے کہ اس کو بلفظ امۃ ترجمہ کرتے ہیں ✤

۱۳۔ مولوی محمد علی صاحب بچھرانوی کو اس امر پر اصرار ہے کہ حضرت ہاجرہ لونڈی تھیں چنانچہ پرچہ نور الآفاق مطبوعہ ۷ نومبر ۱۸۷۲ء صفحہ ۱۸۱ میں فرماتے ہیں "توریت موجودہ میں کئی جگہ

ہاجرہ کو بلفظ جاریہ سارہ کے لکھا ہے اور اک جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ بخشدیا سارہ نے ہاجرہ اپنی جاریہ کو ابراہیم کو۔ انتہی"۔ مگر یہ استدلال ان کا بالکل غلط فہمی اور نادانی پر مبنی ہے۔ لفظ جاریہ کسی طرح مملوکہ یا کسبیہ کے معنوں میں نہیں ہے +

فاضل محمد طاہر نے مجمع بحار الانوار میں بذیل لغت جری لکھا ہے۔ الجاریۃ من النساء من لم یبلغ الحلم یعنی جاریہ وہ لڑکی ہے جو جوان نہ ہوئی ہو۔ اور قاموس میں ہے (باب الیاء) الجاریۃ الشمس والسفینۃ والنعمۃ من اللہ وفتیۃ النساء یعنی جاریہ آفتاب اور کشتی اور نعمت خدا اور لڑکی ہے۔ اور شیخ الاسلام محی الدین نووی نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے۔ (جلد ۲ صفحہ ۲۳۸) واما استعمال الجاریۃ فی الحرۃ لصغیرۃ فمشہور معروف فی الجاھلیۃ والاسلام۔ یعنی برتنا جاریہ کا آزاد چھوٹی لڑکی میں پس مشہور ہے جاہلیت میں اور اسلام میں +

اور بخش دینا اصل تورات میں نہیں ہے بلکہ پورا فقرہ یہ ہے :-

ותתן אתה לאברם אישה לו לאשה

یعنی اُس کی بیوی نے اُسے ابراہیم کو دیا کہ اُس کی بیوی ہووے

اس میں تزویج کی تصریح ہے مگر مولوی محمد علی صاحب نفی ثلث منہ مریب ہیں چنانچہ لکھتے ہیں ابراہیم نے بطور تسری اُن کو اپنے فراش میں رکھا یا آزاد کر کے نکاح کیا (ایضاً ص ۱۸۲) + مگر تسری کا گمان محض ایک سوءظن ہے اور آزاد کر کے نکاح کرنے کا گمان محض بناء فاسد بر فاسد ہے +

۱۴۔ خلاصہ یہ کہ کوئی حدیث صحیح و ثابت ایسی نہیں ہے جس میں ہاجرہ کو لونڈی کہا ہو۔ جہلاء و متعصبین یہود نے جو مشہور کر دیا تھا۔ مسلمانوں نے اُس کو بلا تحقیق قبول کر رکھا ہے۔ اور اسی گمان سے بعض روایتوں کو بھی خلاف محل حمل کیا ہے۔ پس یہی حقیقت ہے جو ہم نے لکھی۔ والحق احق بالاتباع +

تصویر

عموماً مسلمانوں میں یہ بات مشہور ہے کہ تصویریں بنانا بشدت منع اور مطلقاً حرام ہے حتی کہ مخالفین اسلام کو بھی یہ معلوم ہے۔ ہم کو اس میں ضرور دیکھنا چاہئے کہ آیا ایسے خیال کی کچھ اصل اور سند ہے یا نہیں +

ہر چند کہ فرقان مجید کا موضوع کلام اور مقصود اصلی نہایت اشرف، اور اعلٰے مضامین اور ذکر مسائل الٰہیات، اور بیان منظر فطرت، اور مظاہر قدرت، اور اُس کا منشاء اصلی نشر مطالب

شریفہ و مکارم اخلاق، و مواعظ حسنہ ہے۔ مگر کلام الٰہی تو منبوع کل حکمت ہے اور بے شک ہمارے اقوال و افعال اُسی کی طرف مفتقر ہیں۔ اور ہم کو سب کاموں میں اُسی کی طرف رجوع کرنا ہے؛ چنانچہ اس بحث خاص میں اس آیت قرآن سے، جو بضمن قصہ حضرت سلیمان علیہ السلام وارد ہے۔" یعملون لہ مایشاء من محاریب و تماثیل" (سباء ۲۲ ج) بہت سی باتیں صاحب ذہن سلیم و مذاق صحیح ادراک کر سکتا ہے +

اوّل۔ اس کی دلالت ظاہری اور لغوی اس بات پر ہے۔ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام تماثیل اور تصاویر بنواتے تھے؛ خواہ تمثال و تصویر کو مرادف لفظ سمجھئے یا تصویر کو داخل تمثال سمجھئے؛ بہرصورت اس فعل کے جائز اور پسندیدہ ہونے میں (خصوصاً ایسی حالت میں کہ اُس کی ممانعت کی کوئی خبر ایسے قطعی طریق اور اس مرتبہ کے ثبوت میں نہ ہو جیسے اس کا جواز ہے کسی طرح کا شک نہیں باقی رہتا، اور یہ کچھ اس قسم کا ثبوت نہیں ہے کہ جیسے اکثر مسائل فقیہہ ظنیہ عدم ذکر یا عدم ورود نہی سے جائز مانے جاتے ہیں بلکہ بعلم قطعی اور بدلۃ النص ثابت ہے +

دوسرے۔ اسی آیت سے وہ ایک شبہ بھی باطل ہوتا ہے کہ تصویروں کے بنانے میں تشبہ بحضرت الباری، تعالیٰ عن التشبہ، پایا جاتا ہے؛ کیونکہ اگر کیفیت مضاہات لخلق اللہ اس میں پائی جاتی تو یہ فعل حضرت سلیمان علیہ السلام کا معمول نہ ہوتا +

کچھ بعید نہیں کہ مانعین تصویر اس میں یہ احتمال نکالیں: کہ تمثال سلیمانی غیر جاندار چیزوں یعنی درختوں اور پھولوں کی ہونگی؛ مگر اس طرح سے بھی وہ قول مشہور اور مسئلہ مقبول: کہ تصویریں بنانے کی حرمت اس وجہ سے ہے کہ اس میں مضاہات لخلق اللہ ہے[۱] باطل ہوتا ہے؛ کیونکہ تصویر ذی روح اور غیر ذی روح یعنی حیوانات اور نباتات کی تصویریں، صرف حیوانیت کا فرق ہے، الا صورت جسمیہ و نوعیہ اور اقطار ثلاثہ میں نمو کرنا دونوں میں مشترک ہے، اور جو صنعتیں کہ جناب باری نے اشجار و نبات میں رکھی ہیں، وہ اقسام حیوانات کی صنعتوں سے کم نہیں ہیں، پس ایسی صورتوں میں اگر حیوانات کی تصویر میں تشبہ عبد بحضرت معبود پایا جاتا ہے؛ تو اشجار و نباتات کی تصویروں میں بھی پایا جائیگا +

تیسرے۔ ایک اور مغالطہ عام اور عقیدہ باطل: کہ تصویر والے گھر میں فرشتے نہیں آتے یا ملائک رحمت نہیں نازل ہوتے، یا حضرت جبرائیل نہیں داخل ہوتے، قطعاً باطل ہوگیا؛ کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایوان رفیع المکان میں اکثر ملائکہ عموماً اور خصوصاً آتے جاتے

[۱] دیکھو امام نووی کی عبارت شرح صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۹۹ +

تھے، اور یہ تصویریں بھی جو اس اہتمام اور حفاظت الٰہی میں[۱] بنتی تھیں بیکار اور رائیگاں نہ جاتی ہونگی بلکہ اُن کے دیوان دیوان عالی شان لگائی اور سجائی جاتی ہونگی ۔

چوتھے۔ دلیل قطعی سے ان تماثیل سلیمانی میں تمثال خدائے متعال الذی لیس کمثلہ شیئ، اور فرشتوں کی صورتوں میں اور خدا کے بیٹوں اور بیٹیوں کی فرضی تصویریں داخل نہیں ہو سکتیں، اور ایسی تصویریں خواہ وہ پتھر کی تراشی ہوئی، یا کھودی ہوئی ہوں، یا کاغذ پر کھینچی ہوئی ہوں قطعاً ناجائز اور حرام ہیں ۔

پانچویں۔ اصنام اور اوثان بنانا، یعنی ان معبودان باطل کی تصویریں، جو خدا کے ماسوا پوجے جاتے ہیں، اور تماثیل قبیحہ و تصاویر فاحشہ جو خلاف تہذیب و شائستگی و شرم و حیا کے ہوں وہ بھی اُن سے خارج ہیں ۔

چھٹے۔ وہ تصاویر حسنہ اور تماثیل صالحہ جو حضرت سلیمان کے حکم سے اور اُنہیں کے لئے بنتی تھیں۔ انبیاء کرام اور بزرگان دین، اور سلاطین ماضیہ، اور معارک جنگ، اور سرداران فوج وغیرہ عمایدو مشاہیر اور نیز وحوش طیور، اور دیگر مظاہر قدرت اور مناظر فطرت، کی تصویریں ہونگی جن سے متعدد فائدے اور مختلف منافع حاصل ہوتے ہیں ۔

بیشک انبیائے بنی اسرائیل کی وضع عبادت، اور امامت اُمت، اور طریق ہدایت، اور اُمم اسرائیلیہ کے بعض احوال اور واقعات کی تصویریں، ارباب بصیرت کو باعث حصول عبرت ہوتی ہیں ۔

ہم دوسری تحریر میں اُن حدیثوں اور روایتوں کی تحقیق اور تفتیش کرینگے جن کو بعض متورعین اسلام اور مقلدین فقہا ممانعت عمل تصویر میں قطعی اور سندی سمجھتے ہیں ۔

یورپ اور قرآن

زحافظانِ جہاں کس چو بندہ جمع نہ کرد
لطائف حُکما با کتاب قرآنی (حافظ)

۱۔ مندرجہ ذیل فہرست سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بارھویں صدی عیسوی سے اس زمانہ تک ممالک جرمن و فرنچ۔ روم کبیر اور انگلستان میں ہر طبقہ کے عالموں نے قرآن مجید کے ترجمے کرنے

[۱] دیکھو سورۂ انبیاء۔ ا ج "وکنا لھم حافظین" ۔

اور اس سے اقتباس نور یا احقاق حق میں ہمیشہ اہتمام اور کوشش بلیغ کی ہے ✦

(۱) رابرٹ روٹن این سس	لاطن	سنہ ۱۱۴۳ء
(۲) انڈریا ارادابینی	اطالیہ	
(۳) جودھاناس انڈریاس[۱]	اروگونین	سنہ ۱۵۰۰ صدی
(۴) انڈریو ڈورائیر	فرنچ	سنہ ۱۶۰۰ء
(۵) الگزنڈر راس[۲]	انگریزی	
(۶) لیوس مراکشی	لاطن	سنہ ۱۶۹۸ء
(۷) جارج سیل	انگریزی	سنہ ۱۷۳۴ء
(۸) سیواری	فرنچ	سنہ ۱۷۸۳ء
(۹) میگرلین	جرمن	سنہ ۱۷۷۲ء
(۱۰) واھل	ایضاً	سنہ ۱۸۲۸ء
(۱۱) گارسن ڈی ٹاسی	فرنچ	سنہ ۱۸۲۹ء
(۱۲) کاسمرسکی	ایضاً	سنہ ۱۸۴۰ء
(۱۳) المان	جرمن	سنہ ۱۸۴۰ء
(۱۴) راڈویل	انگریزی	سنہ ۱۸۶۲ء

Robertus Retenensis.
Andria Arravabene.
Johannes Andreas.
Andrew du Ryer.
Alexander Ross
Lewis Maracci.
George Sale.
Savary.
Megerlin.
Wahl.
Garcin de Tacy.
Kasimirski.
Ullmann.
J. M. Rodwell M. A.
Alexandr Paganini.
Abraham Hinckleman.
Flugel.

۲۔ ممالک یورپ کے مطبوعہ نسخے قرآن مجید کے یہ ہیں :۔

(۱) اسکندر پگنینی[۳]	مقام وینس	سنہ ۱۵۱۵ء
(۲) ابراہام ہنکلمن	ھمبرگ	سنہ ۱۶۹۴ء
(۳) فلیوگل	لیپسہ	سنہ ۱۸۳۴ء

اور فلوجل کی تخریج الآیات جرمن میں سنہ ۱۸۴۲ء میں چھپی اور فی الحال مسٹر پنیوالس کی تصنیف میں سے کتاب سلک البیان فی مناقب القرآن لندن میں چھپی۔ اس کتاب کا موضوع یہ ہے کہ لغات قرآن ایک جا جمع کئے گئے ہیں ✦

۳۔ جرمن اور فرنچ یا اطالیہ اور انگلینڈ میں مسلمانوں کی طرف سے واعظ اور وفود (مشنری)

---

[۱] یہ شخص پہلے ایک مسلمان فقیہ تھا پھر سنہ ۱۴۸۷ء میں شہر ولینشیا صوبہ اندلس میں عیسائی ہوگیا اس نے کتب احادیث کا بھی ترجمہ کیا تھا ✦

[۲] الگزنڈر راس نے اس کو ڈورائیر کے ترجمہ سے ترجمہ کیا تھا ✦

[۳] یہ نسخہ پوپ کے حکم سے جلادیا گیا اور اب اس چھاپے کی ایک نقل بھی کسی کتب خانہ میں نہیں ہے ✦

اور معلم کبھی نہیں بھیجے گئے کہ اُنہوں نے ان ملکوں میں بر سوں قرآن کا وعظ کیا ہو - اور اس کے محاسن اخلاق اور معرفت اور حقیقت کی باتوں کو مشہور کیا ہو - بلکہ قرآن نے خود ہی اپنی الٰہی تاثیر سے اُن ملکوں میں جہاں سب اس کے منکر یا اس سے ناواقف تھے اپنی تجلی کی - اور اپنے مضامین حقیقت آگین اور زبان معجز بیان سے وہاں کے اہل دل اور قلب سلیم والوں میں ایک تحریک پیدا کی اور ان لوگوں نے اس سے اقتباس کر کے اپنے خیالات کو بھی منور کیا اور نیز علم معانی و بیان کی نظر سے اس کو اپنا مقتدا ٹھہرایا +

کیا جرمن کے مصلحان دین عیسوی خصوصاً لوتھر مقدس پر غل نہیں مچا کہ یہ لوگ در پردہ اسلام کو پھیلانا چاہتے ہیں ؟ کیا اسلام (یا قرآن) اور لوتھر کے اصول بُت شکنی کو شیخ المشایخ مراکشی نے باہم مطابق نہیں بتلایا ؟ کیا اتخذوا احبارھم و رھبانھم اربابا من دون اللّٰہ نے لوتھر کے دل پر کچھ اثر نہیں کیا ؟

۴ - اس قدر فرصت اور سامان تو مہیا نہیں کہ ان سب ترجموں کے حسن و قبح حال لکھا جاوے مگر کسی قدر چند ترجموں پر نظر ضرور ہے +

دولت فرنچ کی طرف سے انڈرو ڈو ر ائیر سلطنت مصر میں قونسلوس تھا چونکہ عربی ترکی سے ماہر تھا اس نے فرانسیسی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا - گو یہ ترجمہ روبٹ ان سس کے لاطن ترجمہ سے بہت افضل اور فایق تھا مگر پھر بھی غلطیوں سے محفوظ نہ تھا - مسٹر سیل کہتے ہیں کہ اسکے ہر صفحہ میں غلطیاں ہیں اور اکثر تبدل و حذف و زیادتی کی ایسی خطائیں ہیں کہ اس قسم کی تصنیف میں معاف و معذور نہیں ہو سکتیں +

"There being mistakes in every page, besides frequent transposition, omissions, and additions, faults unpardonable in work of this nature."—G. Sale.

سیوار ہی جو ایک اور فرانسیسی مترجم قرآن ہے اس ترجمہ کی نسبت کہتا ہے کہ "اگر قرآن جو تمام مشرقی ملکوں میں عبارت کے کمال اور قوت خیال کے مجد و اجلال میں اعلےٰ مرتبہ پر ہے ڈورائیر کے ترجمہ میں ایک نثر غیر منتظم و بے رونق جس کے پڑھنے سے طبیعت کو ماندگی آوے معلوم ہو تو یہ الزام اس طرز پر ہے کہ جس طور سے اس کو ترجمہ کیا گیا ہے - یہ کتاب (قرآن) زبور داؤد کی مانند جُدا جُدا آیتوں میں ہے - یہ طرز تحریر جو نبیوں نے اختیار کی اس غرض سے تھی - کہ نثر میں زندہ خیالات اور نظم کے استعارے اور محاورات بیان میں آسکیں - ڈورائیر نے بلا لحاظ متن کے سب آیتوں کو ملا دیا - اور اُن کو اک بیان مسلسل کر دیا اور اس مصیبت کے رفع کرنے کو

باردو تفسیریں اور بیچکارہ عبارتیں بیچ میں ملادیں جس سے اس (قرآن) کے خیالات کی شان اور عبارت کی فریبندگی بالکل جاتی رہی اور اصل کی تعریف ناممکن ہوگئی۔ اس ترجمہ سے کوئی نہیں خیال کرسکتا کہ قرآن عربی زبان میں فرد اور وحید ہے" انتہی +

"If" says Savary, "the Koran, which is extolled throughout the east for the perfection of its style, and the magnificence of its imager, seems, under the pen of Du Ryer, to be only a dull and tiresome rhapsody. the blame must be laid on his manner of translating. This book is divided into verses, like the Psalms of David. This kind of writing, which was adopted by the prophets, enables prose to make use of the bold terms and the figurative expressions of poetry. Du Ryer paying no respect whatever to the text, has connected the verses together, and made of them a continuous discourse. To accomplish this mishappen assamblage, he has had recourse to frigid conjunctions and to trivial phrases which, destroying the dignity of the ideas, and the charm of the diction, render it impossible to recognize the original. While reading his translation, no one could ever imagine that the Koran is the masterpiece of the Arabic language, which is fertile in fine writers; yet this is the judgment which antiquity has passed over it."*

۵۔ ایک اور بہت مشہور ترجمہ قرآن شریف کا لاطینی زبان میں فادر مراکشی نے لکھا اور حامل المتن معہ حاشیہ ۱۶۹۸ع میں چھپا۔ اس ترجمہ کی نسبت فاضل سیواری کی یہ رائے ہے کہ "اس فاضل راہب نے جس نے چالیس برس ترجمہ اور تردید کرنے میں صرف کئے صحیح طریقہ کا برتاؤ کیا یعنی اس نے متن کے موافق اس کی آیتوں کی تقسیم کی مگر اس نے ترجمہ لفظی کر ڈالا اس نے قرآن کے مضمون کو نہیں بیان کیا بلکہ اس کو لاطینی وحشی زبان میں پریشان کردیا ہے اور گو اصل عبارت کی سب خوبیاں اس ترجمہ سے جاتی رہیں تاہم اس ترجمہ کو ڈوراٹر کے ترجمہ پر ترجیح ہے" انتہی +

"Of Maracci's translations Savary says: Maracci that learned monk, who spent forty years in translating and reiting the Koran, proceeded on the right system. He divided it into verses according to the text; but, neglecting the precept of a great master.

'Noc verbum verbo carabis reddere, fidus Interpres, &c.

*Sale's translation of the Koran, page 7, note.

The translated it literally. He has not expressed the ideas of the Koran, but travestied the words of it into barbarous Latin. Yet, though all the beauties of the original are lost in this translation, it is preferable to that of Du Ryre"

۶۔ ایک رسالہ بھی مسلمانوں کی تردید میں اس ترجمہ کے ہم تخت چھپا تھا۔ اس کی طرز استدلال کی نسبت مسٹر جارج سیل لکھتے ہیں کہ "جو حاشیے اس نے لگائے وہ تو بڑے فائدے کے ہیں مگر اس کی تردید جس کی وجہ سے کتاب کی ضخامت بہت بڑھ گئی وہ بہت ہی کم یا کسی کام کی نہیں کیونکہ اکثر غیر کافی اور گاہ گاہ گستاخ ہے" +

"The notes he had added are indeed of great use; but his refutations, which swell the work to a large volume, or of little or none at all, being often unsatisfactory, and sometimes impertinent."—G Sale.

۷۔ ۱۷۳۴ء میں جارج سیل صاحب کا انگریزی ترجمہ قرآن مترجم کی زندگی میں چھپا یہ ترجمہ سب اگلے ترجموں سے زیادہ ترصحیح اور صاف ہوا اور اس وقت سے تمام اہل تحقیق اور اہل علم میں معتبر اور مشہور ہے مگر اس میں جو نقص رہ گیا وہ یہ ہے۔ کہ مترجم نے آیتوں کی تفریق نہیں کی اور تمام کتاب کو ایک بیان مسلسل کر دیا۔ اور یہ ایک بہت بڑا نقص تھا جس کی اہل علم میں بڑی شکایت تھی اور ناواقفوں کو طعنہ کی گنجایش۔ ایک امر کی اور بھی شکایت ریورینڈ راڈویل نے کی ہے کہ سیل نے ترجمہ قرآن میں مراکشی کے تتبع پر تفسیری فقرے بھی متن میں لکھے ہیں (گو ان کو پوری تمیز کے لئے دوسری قسم کے حرف میں لکھا) اور یہ کہ سیکسن کی زبان کے عوض اکثر الفاظ لاطن زبان کے لکھے ہیں +

Sale has, however followed Maracci too closely, especially by introducing his paraphrastic comments into the body of the text, as well as by his constant use of Latinized instead of Saxon words.

Revd J. M. Rodwell's translation of the Koran.

page XXV

۸۔ ان ترجموں کے بعد ریورینڈ راڈویل رجو دار العلم کیمبرج سے مخاطب بخطاب فضل العلما ہیں) کا نیا ترجمہ انگریزی ۱۸۶۱ء میں مشتہر ہوا۔ اس ترجمہ میں دو باتیں نئی اور لائق تعریف ہیں ایک تو یہ کہ ہر ایک آیت کا ترجمہ بالکل علیحدہ علیحدہ کیا ہے اور ایک ایک عشر پر ہندسہ شمار بھی قائم کیا

Sale's translation of the Koran, page 8, note.

۹- سورتوں کی یہ ترتیب بہت قدیم ہے اور غالباً صرف حجم اور ضخامت کے اعتبار پر ہے مثلاً پہلی سبع طوال (یعنی سات لمبی سورتیں) پھر مئون (یعنی سو سو آیت تک کی سورتیں) پھر مثانی (جن میں سو سو آیتوں سے زیادہ ہیں) پھر مفصل (باقی کی چھوٹی چھوٹی سورتیں) مگر اس ترتیب کی رعایت ضروری نہیں ہے۔ مصحف حضرت علیؑ اور ابن مسعود وابی کی جُدا جُدا ترتیبیں تھیں +

قال الباقلانی ان ترتیب السور لا یجب فی الکتابة ولا فی الصلوٰة ولا فی الدرس والتلقین وانه لم یکن نص ولا حد یحرم مخالفة ولذ اختلف ترتیب المصحف قبل عثمان مجمع بحار الانوار۔ تکملہ (ج) ص ۳۳ +

سورتوں کے سیاق اور ترتیب میں غالباً اہل یورپ نے مسلمانوں کی بہ نسبت زیادہ دقیق نظر کی اور باریکیاں نکالیں اور جودت و ذہانت دکھلائی وہ کہتے ہیں کہ اس کی عبارت کہیں تو مجمل دلیرانہ اور فصل جلال سے بھری ہوئی تیز آسان اور باہم متشابہ ہے۔ اور کہیں مفصل کثیر الفقرات مغلق ملائم اور منثور ہے اور انہیں مختلف کیفیتوں پر یورپین اہل تحقیق نے جہاں کہ روایتوں سے تاریخ نزول نہیں ملی ترتیب کی بنا رکھی ہے۔ دیکھو چمبرس انسائیکلوپیڈیا جلد ۵ +

The style varies considerably, sometimes concise and bold, sublime and majestic, impassionate, fluent and harmonious, obscure, tame and prosy; and on this difference modern investigators have endeavoured to form a chronological arrangement of the Koran, wherein other dates fail.

"Chamber's Encycl. Vol. V.

ایک اور محقق عمانوئیل ڈی اوش (اسرائیلی) کہتا ہے کہ عموماً تین قسمیں اصل میں ہوسکتی ہیں۔ ایک ابتداء کے زمانہ کے مجاہدات جس کی علامتیں کلام شعر گوئی میں طبیعت کی روانی اور نیچر کے محاسن کا احساس شدت سے بڑی حرارت کے کوہ آتش فشاں کی مانند دفعتاً بھڑک اُٹھنے سے جن کا

لہ قال الخطابی والتحقیق ان اجناس الکلام مختلفة ومراتبها فی درجات البیان متفاوته فمنها البلیغ الرصین الجزل ومنها الفصیح القریب السهل ومنها الجائز الطلق الرسل وهذه اقسامها لکلام الفاضل المحمود فالاول اعلاها والثانی اوسطها والثالث ادناها واقربها فحازت بلاغات القرآن من کل قسم هذه الاقسام حصة واخذت من کل نوع شعبة فانتظم لها بانتظام هذه الاوصاف نمط من الکلام یجمع صفتی الفخامة والعذوبة وهما علی الانفراد فی نعوتهما کالمتضادین لان العذوبة نتاج السهولة والجزالة والمقالة یعالجان نوعا من الزعورة فکان اجتماع الامرین فی نظمه مع نبو کل واحد منهما علی الآخر فضیلة خص بها القرآن یکون آیة بینة صلی اللہ علیہ وسلم۔ اتقان نوع ۶۴ +

الفاظ میں منتظم ہونا بھی دشوار ہے - پائی جاتی ہے - اور زیادہ تر نثر کی عبارت اور نصائح کے احکام بلوغ اور رشد کے زمانہ پر دلالت کرتے ہیں اور اوامر و نواہی اور خطبی اور احکام و نصائح کی تکرار اور کتب سابقہ کی اعانت چھوڑ دینا یہ اشارا کرتے ہیں - اقتدار کے حصول کامل اور رسالت کی تکمیل اور تتمیم پر - دیکھو رسالہ کوارٹرلے ریویو جلد ۱۲۷ نمبری ۲۵۴ - لنڈن ۱۸۶۹ء ؁

"Broadly speaking, three principal divisions may, with psychological truth, be established; the first, corresponding to the period of early struggles, being marked by the beauties of nature, in period of early struggles being marked by the beaulies of nature, in sudden, most passionate, lava-like outbursts, which seem scarcely to articulate themselves into words.
The more prosaic and didactic verses us of the approach of manhood, while the dogmatising, the sermonising, the reiterations and the abandoning of all Scriptural and Haggadistic help-mates poin to the secure possession power, to the consummation and completion of the mission."

THE QUARTERLY REVIEW. VOL. 127 No. 254.
LONDON 1869 Art. "Islam."

مگر ان لوگوں کے یہ خیالات محض قیاسی ہیں عبارتوں کا اختلاف ایسے حالات اور حوادث کا نتیجہ نہیں ہے - دیکھو چمبرس نے اسی مقام پر متصلاً لکھا ہے کہ " ان کوششوں میں کامیابی نہیں ہو سکتی کیونکہ جوانی کا کمال کہولت کا زمانہ اور انحطاط جرأت ایسی چیزیں نہیں ہیں جو ایسے آدمی کی تحریر میں جیسے محمد (صلعم) تھے بآسانی دریافت ہو سکیں" ؁

"But none of these attempts can ever be successful, ful manhood, approaching age, and declining vigour are not things so easily trased in the writings of a man like Mohammed." Chambers Ibid.

۱۰ - اور بالآخر ان اہل نظر کو اس میں اعتراف کرنا پڑا کہ "یہ تبادل یعنی کلام کا ایک حالت سے دوسری حالت کو بدل جانا تیز اور دفعتہً جیسے بجلی کی سی چمک - قرآن کی بڑی سحر بیانیوں میں سے

لہ قال بعضہم الفرق بین التخلص والاستطراد - انک فی التخلص ترکت ما کنت فیہ بالکلیۃ واقبلت علی ما تخلصت الیہ - وفی الاستطراد تمر بذکر الامر الذی استطردت الیہ مرورا کالبرق الخاطف ثم تترکہ وتعود الی ما کنت فیہ کانک لم تقصدہ وانما عرض عروضاً قال وبہذا یظہر ان ما فی سورتی الاعراف والشعراء من باب الاستطراد لا التخلص لعودہ فی الاعراف الی قصۃ موسیٰ بقولہ ومن قوم موسیٰ امۃ الی آخرہ - وفی الشعراء الی ذکر الانبیاء

ہے۔ چنانچہ فاضل جرمنی گیٹا کہتا ہے کہ جب کبھی ہم قرآن کو پڑھتے ہیں تو ہمیشہ تازہ معلوم ہوتا ہے۔ اور بتدریج اس کی کشش پائی جاتی ہے۔ تعجب دلاتا ہے[۱] اور بالآخر اپنا فریفتہ کر لیتا ہے[۲] دیکھو وُہی رسالہ اسی مقام پر۔

"And it is exaclty in these transitions, quick and sudden as lightning, that one of the great charms of the book, as it now stands, consists, and well might Goethe say that, 'as often as we approach it, it always proves repulsive anew, gradually, however, it attracts, it astonishes and, in end forces int admiration.'—

"The Quarterly Review." Ibid.

۱۱۔ قرآن کی آیتوں کی ترتیب جس پر یہاں ضمناً گفتگو ہو رہی ہے عجیب حسن اور حکمت سے ہے۔ غیر ملکوں میں جو قرآن کے ترجمہ ہوئے اور اُن میں سے اکثر نے اس کو ایک بیان مسلسل کر دیا اس وجہ سے اس کا لطف مناسبت و ارتباط آیات جاتا رہا اور ترجمہ کے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۱ | والامم۔ ویقرب من حسن التخلص الانتقال من حدیث الی اخر تنشیطا للسامع مفصولا بھذا کقوله فی سورۃ ص بعد ذکر الانبیاء۔ ھذا ذکر وان للمتقین لحسن مآب فان ھذا القران نوع من الذکر لما انتھی ذکر الانبیاء وھو نوع من التنزیل اراد ان یذکر نوعا اخر وھو ذکر الجنة واھلها ثم لما فرغ قال ھذا وان للطاغین لشر مآب فذکر النار واھلها۔ اتقان نوع ۶۰ ص ۳۵۸

[۱] "انا سمعنا قرانا عجبا" سورۃ الجن۔

[۲] وقد قلت فی اعجاز القران وجها ذھب عنه الناس وھو صنیعه فی القلوب وتاثیره فی النفوس فانك لا تسمع کلاما غیر القران منظوما ولا منثورا اذا قرع السمع خلص له الی القلب من اللذة والحلاوۃ فی حال ذی الروعة والمھابة فی حال اخر ما تخلص منه الیه قال تعالیٰ "لو انزلنا ھذا القران علی جبل لرایته خاشعا متصدعا من خشیة اللہ وقال لو نزل احسن الحدیث کتابا متشابھا مثانی تقشعر منه جلود الذین یخشون ربھم" خطابی رعلی ما نقل عنه فی الاتقان ۶۴ ص ۲۵۸)

ومنھا الروعة اللتی تلحق قلوب سامعیه عند سماعھم والھیبة التی تعتریھم عند تلاوته وقد اسلم جماعة عند سماع الایات منه کما وقع لجبیر بن مطعم انه سمع النبی صلی اللہ علیه وسلم یقرء بالمغرب بالطور قال فلما بلغ ھذه الایة ام خلقوا من غیر شیء ام ھم الخالقون الی قوله المصیطرون کاد قلبی ان یطیر۔ قال وذالک اول ما وقر الاسلام فی قلبی۔ وقد مات جماعة عند سماع ایات منه (ایضاً ص ۲۶۰)

پڑھنے والوں کو ایک بے مزہ پھیکی اُلجھاؤ کی تقریر معلوم ہوئی +

"One assemblage" says M. Karimirski in his preface, "informe et incoherent de preceptes moraux, religieux, civils et politique maled' exhortations, de promesses, et de menaces."

مگر درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ ہرچند کہ قرآن کا نزول مختلف واقعات اور متفرق اسباب پر ایک عرصہ دراز میں ہوا جن کی وجہ سے اکثر ایسی عبارتیں جو جملۃً واحدۃً نازل ہوئیں مستغنی عن الغیر اور اکثر آیتیں مستقل ہیں اور ایسے فقرات کے باہم انتساق اور ارتباط کی توقع عبث ہے[۱] مگر تاہم اکثر آیات کا ربط خفی اور مناسبت معنوی بڑی حکمت کی ہے اور عموماً مفسرین نے اس دشوار گذار راہ اور دقیق مرحلہ میں گذر نہیں کیا[۲] +

۱۲ـ قرآن کی آیات اپنی ذات سے اور نیز واقعات کے لحاظ سے اور اس وقت کی رسم و عادات کی نظر سے جیسا کہ متفرق متفرق ہوتی تھیں ویسی ہی اُن کی قرأت تھی اکثر زبانی

[۱] المناسبۃ علم حسن لکن یشترط فی حسن ارتباط الکلام ان یقع فی امر متحد مرتبط اولہ باٰخرہ فان وقع علی اسباب مختلفۃ لم یقع فیہ ارتباط ومن ربط ذلک فھو متکلف بما لا یقدر علیہ الا بربط رکیک یصان عن مثلہ حسن الحدیث فضلاً عن احسنہ فان القراٰن نزل فی نیف وعشرین سنۃ فی احکام مختلفۃ شرعت لاسباب مختلف وما کان کذلک لا یتاتی ربط بعضہ ببعض۔ شیخ عزیز الدین بن عبد السلام +

[۲] علم المناسبت علم شریف قل اعتناء المفسرین بہ لدقتہ و لمن اکثر منہ الامام فخر الدین۔ اوّل من اظہر علم المناسبہ الشیخ ابوبکر النیشاپوری وکان عزیز العلم فی الشریعۃ والادب وکان یقول علی الکرسی اذا قری علیہ لم جعلت ھذہ الاٰیۃ الی جنب ھذہ وما الحکمۃ فی جعل ھذہ السورۃ الی جنب ھذہ السورۃ وکان یزری علی علماء بغداد لعدم علمھم بالمناسبۃ۔ وقال الامام الرازی فی سورۃ البقر ومن تامل فی لطایف نظم ھذہ السورۃ وفی بدایع ترتیبھا علم ان القراٰن کما انہ معجز بحسب فصاحۃ الفاظہ وشرف معانیہ فھو ایضاً بسبب ترتیبہ ونظم اٰیاتہ۔ ولعل الذین قالوا انہ معجز بسبب اسلوبہ ارادوا ذلک الّا انی رایت المفسرین معرضین عن ھذہ اللطایف غیر متنبھین لھذہ الاسرار ولیس الامر فی ھذہ الباب الا کما قیل

والنجم تستبصر الابصار صورتہ
والذنب للطرف لا للنجم فی الصغر ـ اتقان ۶۲

ہوا کرتی تھی اور سُننے والوں کی جماعت کے آگے قرآن پڑھ سُنایا جاتا تھا اور اس وجہ سے بہت کچھ باتیں از قسم ندا و تعجب و سکون و ترتیل یا مد و قصر و استفہام و مبالغہ پڑھنے والے کے حسن ادا پر موقوف رہتی تھیں۔ اور اس وجہ سے بہت سے الفاظ جن کی کتابت میں ضرورت ہوتی ہے پڑھ سُنانے میں حاجت نہیں پڑتی تھی اور اس کا ایسا ایک مذاق ہوتا تھا کہ سننے والے اُس پر غش کرتے تھے اور وجد میں آتے تھے[۱]۔ اور سنگدل مخالف اسکی قرأت میں شور و غل کرتے تھے تاکہ اَور لوگ اس پر دل نہ لگاویں[۲] +

مسٹر راڈویل صاحب دیباچہ ترجمہ قرآن صفحہ ۱۱ میں لکھتے ہیں:-

"And of the Suras it must be remarked that they were intended not for *readers* but for *hearers*—that they were all promulgated by public *recital*—and that much was left, as the imperfect sentences show, to the manner and suggestive action of the reciter."

The Koran translated by the Revd. J. M. Rodwell M. A.

یعنی سب سورتیں پڑھنے والوں سے خطاب نہیں کی گئی تھیں بلکہ سننے والوں سے خطاب کی گئی تھیں اور سب کی سب جلسہ عام میں پڑھی جاتی تھیں اور بہت کچھ (جیسا کہ ناتمام فقروں سے ظاہر ہوتا ہے) پڑھ سنانے والے کے آداب اور طرز ادا پر چھوڑا جاتا تھا +

چنانچہ قاری کی اس طرز و انداز اور چیزوں کی رعایت پر قرآن مجید میں بھی اشارہ ہوا ہے +

وقرانا فرقناہ لتقراہ علی الناس علی مکث۔ (اسری ۱۲ ع) +

یعنی پڑھنے کا وظیفہ کیا ہم نے اُس کو ثابت کرتا کہ تو اُس کو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کے پڑھے

اور ورتلناہ ترتیلا (فرقان ۳۱) پڑھ سُنایا اُس کو ہم نے ٹھہر ٹھہر کر +

اس نکتہ باریک کی رعایت سے ترتیب کی مناسبت اور بہت سی مشکلات کا حل ہونا حاصل ہوتا ہے +

۱۳- قرآن کی کتابت اور حفاظت کا اہتمام جناب پیغمبرؐ کے زمانہ حیات میں اُس شان اور نگہداشت سے ہوتا تھا کہ ایک جماعت صحابہ کلمات وحی کو لکھتی تھی اور دوسری

---

[۱] ان الذین اوتوا العلم من قبلہ اذا یتلی علیہم یخرون للاذقان سجدا۔ (اسری ۱) +
ویخرون للاذقان یبکون ویزیدھم خشوعا (ایضاً) +

[۲] وقال الذین کفروا لا تسمعوا لھذا القرآن والغوا فیہ لعلکم تغلبون۔ (حم سجدہ)

جماعت اُس کے حفظ کرنے پر متعیّن اور بہت سے اصحاب حافظ اور جامع ہی تھے چنانچہ تمام قرآن جتنا کہ اب موجود ہے جناب پیغمبرؐ کے زمانہ میں لکھا جا چکا تھا۔ اور خود قرآن میں متعدد مقامات پر اس کے مکتوب ہونے پر اشارہ اور تصریح ہوئی ہے اور لکھنے والوں کا بھی ذکر ہوا ہے ✣

(۱) "کلا انہا تذکرہ" ✣

"فمن شاء ذکرہ" ✣

"فی صحف مکرمہ" ✣

"مرفوعة مطہرہ" ✣

"بایدی سفرۃ" ✣

"کرام بررہ" ✣ (عبس ۱۱-۱۶)

یعنی یہ قرآن اک نصیحت ہے۔ پھر جو کوئی چاہے اُس کو پڑھے۔ لکھی ہے ادب کے ورقوں میں۔ عالی اور پاک۔ ہاتھوں میں لکھنے والوں کے جو معزز اور نیک ہیں ✣

یہ بہت قدیم سورہ ہے اور غالباً ہجرت حبشہ کے پہلے کی ہے۔ یہ زمانہ ابتداء اسلام کا زمانہ تھا۔ اس وقت میں کاتبان قرآن کی تعریف اور توثیق ہوئی جس سے قدیم سے اسکی کتابت اور حفاظت کا اہتمام ثابت ہوتا ہے ✣

(۲) "بل ھو قرآن مجید" ✣

"فی لوح محفوظ" ✣ (بروج ۲۱ و ۲۲)

یعنی یہ قرآن ہے بڑی شان کا۔ لکھا ہے تختی پر جس کی نگہبانی ہوتی ہے ✣

لوح کہتے ہیں شانہ کو اور شانہ کی چوڑی ہڈی پر قرآن لکھا جاتا تھا۔ (لوح۔ کتف و ہرچہ پہن باشد از استخوان وچوب و تختہ۔ صراح۔ وفیہ ایتونی بکتف و بدوات اکتب لکم کتابا وھو عظم عریض فی اصل الحیوان کانوا یکتبون فیہ لقلۃ القراطیس عندھم۔ مجمع بحار الانوار) جس شخص کو سابق کی کتب مقدسہ کی تحریر اور حفاظت کے سامان پر تھوڑی سی بھی اطلاع ہوگی اور جانتا ہوگا کہ بنی اسرائیل میں کتب مقدسہ کے لکھنے کا کیا دستور تھا اور ان پر کیا کیا حادثہ پڑے اور اُس کو لفظ "محفوظ" سے بعلم یقینی معلوم ہوگا کہ کس بات کی رعایت رکھی گئی ہے ✣

یہ سورہ بھی قدیم مکّی سورتوں میں سے ہے ✣

سلے بل ھو آیات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم" عنکبوت ۴۵ ✣

(۱۳) "وکتاب مسطور" *

"فی رق منشور" * (طور ۲ و ۳)

یعنی قسم ہے لکھی کتاب کی۔ کشادہ ورق میں *

سورہ طور بھی مکی سورت ہے جو قبل ہجرت نازل ہوئی۔ رق کہتے ہیں چمڑے کو جس پر اگلے زمانہ میں کتابیں لکھی جاتی تھیں رق بالفتح پوست آہو کہ بروے نویسند (صراح)۔ رق جلد رقیق یکتب فیہ (قاموس) *

قدیم زمانہ میں مصریوں نے کتابت کے واسطے پیرس کا کاغذ ایجاد کیا۔ اہل مصر اس کاغذ کو جو ایک درخت کے پتوں سے بنایا جاتا تھا پاپو کہتے تھے وہیں سے اہل یونان نے پلیپرس کہنا شروع کیا۔ عبری زبان میں اسے گومی کہتے تھے شاید یہ لفظ قبطی زبان سے لیا گیا ہے کیونکہ وہ لوگ کتاب کی جلد کو گوم کہتے ہیں اور عربی جدید میں اس کا نام بردی ہے۔ پہلے تمام ممالک میں اسی کاغذ پر کتابیں لکھی جاتی تھیں مگر جب یومینوس دوسرے بادشاہ مصر نے پیرس کا غیر ملک کو جانا بند کر دیا تب شہر پرگموس میں (جو ایشیائے کوچک میں بہت آباد اور اب اس کی خرابات کا نام پرگہ ہے)۔ چمڑے کا کاغذ بننا شروع ہوا اور اسی شہر کے نام سے معروف ہوا چنانچہ اسی پرگموس کو بگاڑ کے انگریزی میں پارچمنٹ کہتے ہیں۔ سنہ عیسوی سے اک صدی پیشتر اس چرمی کاغذ کا خوب رواج ہو گیا تھا۔ ہیروڈوٹس نے اپنے زمانہ میں چمڑے کے کاغذ کی کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ مورخ تو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام سے بھی پانچ سو برس تخمیناً پیشتر ہوا ہے۔ مگر پلینی نے اس کی ایجاد کی تاریخ ۱۹۶ سال قبل سنہ عیسوی قرار دی *

اس آیت سے قرآن کا مکتوب ہونا تو ظاہر ہے مگر لفظ رق نے بہت بڑا فائدہ یہ دیا کہ اسکا چمڑے کے ورقوں پر لکھا جانا ثابت ہوا۔ ہم کو خبر ملی ہے کہ انجیل کے نسخے پیرس کاغذ پر لکھے جاتے تھے اور چونکہ یہ کاغذ بہت سستا تھا اس لئے بہت ہی بودا اور ناپائدار تھا اور انجیل کے نسخے دست بدست مومنین میں متداول رہنے سے بہت جلد تلف ہو جاتے تھے (دیکھو چمبرس۔ انسائیکلوپیڈیا۔ آرٹیکل بیبل) اس لئے قرآن کی زیادہ حفاظت اور صیانت کے لئے اس کو شروع میں چمڑے کے ورقوں پر لکھتے تھے *

اور روائتیں بھی اسی کی تائید میں ہیں کہ پہلے قرآن قطعات ادیم یعنی چمڑے پر لکھا جاتا تھا علامہ ابن حجر کا قول تفسیر اتقان (نوع ۱۸ ص ۵۸ مطبوعہ ۱۲۸۲ھ) میں منقول ہے۔ انما کان فی الادیم والعسب اولا قبل ان یجمع فی عہد ابوبکر ثم جمع فی الصحف فی عہد ابی بکر کما دلت علیہ اخبار الصحیحہ المترادفہ *

(۴) "انہ لقرآن کریم" +

"فی کتاب مکنون" +

"لا یمسہ الا المطہرون" + (واقعہ ۷۶-۷۸)

یعنی بے شک یہ قرآن ہے عزت والا لکھا ہوا ہے محفوظ کتاب میں اُس کو وہی چھوتے ہیں جو پاک ہیں +

اِس میں قرآن کی تعریف میں وہی کتابت اور حفاظت بیان ہوئی ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کے نسخے بکثرت موجود تھے اور عوام میں منتشر تھے۔ اور کتاب مکنون کہتے ہیں اشارا اس پر کہ کاتبوں کے وہم اور غلط سے محفوظ ہے۔ اور جس شخص کو کاتبوں کی بے احتیاطی غفلت اور خودرائی کی اصلاح جو اُنھوں نے کتب سابقہ کی نقل وکتابت میں کی ہے معلوم ہو اس کو البتہ ان الفاظ کا مکنون اور محفوظ کا بھید اور کاتبوں کی دیانت اور امانت کی توثیق کی وجہ خوب ظاہر و روشن ہوگی +

(۵) یہ تو مکہ کی کیفیت تھی اور مدنی آیتوں میں اَور بھی زیادہ قرآن کے مکتوب ہونے کا ذکر ہے +

"رسول من اللہ یتلوا صحف مطہرۃ" +

"فیہا کتب قیمہ" + (بینہ ۲ و ۳)

یعنی رسول اللہ کا پڑھتا ہوا پاک نوشتے جن میں سچی کتابیں لکھی ہوئی ہیں +

(۶) کئی جگہ قرآن کو کتابت کے لفظ سے یاد کیا ہے +

"ذالک الکتاب لا ریب فیہ" + (بقرہ)

"کتاب احکمت ایاتہ" + (نساء)

"انزل علیک الکتاب" + (نور)

ان کُل آیات پر نظر کرنے سے ظاہر ہے کہ مدینہ میں قرآن کے نسخوں کی بہت کثرت سے اشاعت ہو گئی تھی اور آپ سے آپ ہی ایسا ہوا ہوگا کیونکہ جبکہ مکّہ میں قرآن کے متعدّد نسخے موجود تھے اور ایک جماعت کاتبوں کی مستعد تھی حالانکہ وہ زمانہ اسلام کی مصیبت کا تھا اور مسلمان بھی کم تھے اور جبکہ مدینہ میں مسلمانوں کو امن ملا اور تعداد بھی بڑھی تو بالضرور کتابت کی کثرت اور دور دور نسخے منتشر ہوئے ہونگے +

۴ ۔۔ ایک تو اِس وجہ سے کہ عرب میں اکثر لوگ اپنی عادت اور طبیعت کی وجہ سے نصیحت کی باتوں اور تاریخی حالات کو شعر اور قصیدوں کو حفظ کرنے کے عادی تھے اور دوسرے

اس وجہ سے کہ قرآن کے عالی مضامین اور عمدہ نصیحتیں اور خدا کی صفات اور مکارم اخلاق اس زمانہ کے کاہنوں اور شاعروں کے خیالات سے نہایت عمدہ اور افضل اور فصاحت و بلاغت میں لاثانی اور بے مثل اور ہمیشہ عجائبات قدرت کا ذکر اس میں پایا جاتا تھا اس جہت سے عرب کے لوگ اس کو اور بھی پسند کرتے تھے اور عبارت اور مضمون دونوں کی خوبی پر لوٹ جاتے تھے اور اچنبھے سے سنتے اور توجہ سے کان لگاتے تھے۔ پس یہ باتیں اس کی حفظ اور نگہداشت پر علاوہ زمانہ کی عادت اور رسم کے اور بھی قوی وجہیں ہوئیں ✦

جناب پیغمبرؐ کی حیات میں تمام جزیرہ عرب میں اسلام مشہور ہو گیا تھا بحر قلزم سے بکرین کے کنارے تک وہاں سے خلیج فارس کے آخر تک اور فرات سے ہوتا ہوا ملک شام کے کنارے کنارے پر بحر قلزم تک تمام ملک اسلام سے معمور تھا اس میں کثرت سے دیہات اور قصبات آباد تھے اور بحرین نجد و عمان و قبیلہ بنی طے و ربیعہ و قضاعہ و طائف و مکہ و مدینہ وغیرہ شہروں اور بستیوں میں قرآن کی تلاوت اور کتابت بڑی کثرت اور شوق اور احترام اور دینداری سے ہوتی تھی اور ایک ہی متن مصحف سب اطراف میں شایع اور منتشر تھا ✦

"ذکر السیّد الاجل المرتضیٰ علم الھدیٰ ذوالمجد ابوالقاسم علی بن الحسین الموسوی۔ ان القرآن کان علی عھد رسول اللہ صلعم مجموعاً مولفاً علی ما ھو علیہ الآن واستدل علی ذٰلک بان القرآن کان یدرس ویحفظ جمیعہ فی ذٰلک الزمان وانہ کان یعرض علی النبی ویتلے علیہ وان جماعۃ من الصحابۃ کعبد اللہ بن مسعود وابی ابن کعب وغیرھم ختموا القرآن علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عدت ختمات وکل ذٰلک بادنیٰ تامل یدل علی انہ کان مجموعاً مرتباً غیر منشورۃ ولا مبثوث" ✦ (تفسیر مجمع البیان الطبرسی)

"قال ابو محمد رحمۃ اللہ مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والسّلام قد انتشر وظھر فی جمیع جزیرۃ العرب من منقطع البحر المعروف ببحر القلزم مارًا الی سواحل الیمن کلھا الی بحر الفارس الی منقطعۃ مارا الی الفرات ثم علی منقطعۃ وصفیا الی منقطع الشام الی بحر القلزم وفی ھذہ الجزیرۃ من المدن والقری ما لا یعلم الا اللہ عز وجل کالیمن والبحرین والعمان والنجد وجبل طی بلاد مصر وربیعہ وقضاعہ والطائف ومکہ کلھم قد اسلموا و بنوا المساجد لیس فیھا مدینۃ ولا قریۃ ولا حلۃ لاعراب وقد قری فیہ القرآن فی الصلوٰۃ وعلمہ الصبیان والرجال والنساء وکتب" ✦ (کتاب الفیصل لابو محمد ابن حزم الاندلسی سے)

شیخ محدث حر عاملی رسالہ تواتر قرآن میں لکھتے ہیں "(من) تتبع الاخبار فی تصفح الآثار

من کتب الاحادیث والتواریخ وغیر ذلک فانه یعلم قطعا ان (القرآن) کان فی غایة الکثرة نقله من الناقلین اکثر منهم وانه ما زال یزید وقد تقدم فی کلام سید المرتضی انه کان مجموعاً موءلفاً علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیه واله ویاتی کثیر مما یدل علی ذلک فظهر انه بلغ حد المتواتر بل زاد علیه بمراتب کثیرة"۔

۱۵۔ یورپ کے علماء اور اہل تحقیق نے قرآن کے حفظ وضبط اور کتابت کی تفصیلی کیفیتوں کے بیان میں بہت غلطیاں کی ہیں گو اس کے لفظی تواتر اور تحریف سے محفوظ رہنے کو سب ہی نے تسلیم کیا ہے مگر اکثر یہی سمجھے ہوئے تھے کہ آنحضرت کے زمانہ میں قرآن لکھا ہؤا نہیں تھا۔ ایک سال بعد انتقال کے جمع ہؤا۔ اور جارج سیل باینہمہ کثرت معلومات لکھتے ہیں۔ کہ جبکہ کاتب وحی نئی سورة کو لکھ لیتے تو مسلمانوں میں مشتہر کی جاتی اور کئی لوگ تو اُس کی نقلیں اپنے اپنے لئے لکھ لیتے مگر اکثر تو حفظ ہی یاد کرتے تھے اور جب وہ اصل تحریریں واپس آیا کرتی تھیں۔ تو اُن کو بلا ترتیب ایک صندوق میں جمع رکھتے جاتے تھے۔

اس میں اگر غرابت ہے تو صرف صندوق کے ذکر میں ہے ورنہ آخر اُن اصلی نوشتوں کی حفاظت کے لئے تو کوئی صورت تجویز کی گئی ہو اور گو کہ ہر ایک وحی کی تحریر میں بظن غالب آلات کتابت کی موافقت اور یگانگت ممکن نہ تھی اور غالباً اصلی تحریریں پیرس (عسب) لخاف (نرم پتھر) قطع الادیم (پارچمنٹ) شانہ اور پسلی کی ہڈیوں (بالاکتاف والاضلاع) یا اُونٹ کی پیٹھ پر رکھنے کی لکڑیوں (اقتاب) پر ہوتی تھی تو آخر وہ کہیں جمع تو رہتی ہونگی۔ اور ہرچند کہ بجائے موسوی الواح "حوث" کتوبین (شموس ۳۲/۱۵) جناب پیغمبر اور مسلمانوں کے دل کی زندہ تختیوں پر قرآن نقش ہو جاتا تھا۔ اور نیز مسلمانوں کے پاس سورتوں کی نقلیں اور صحف بھی محفوظ اور مکنون رہتی تھیں مگر ضرور ہے کہ ایک نسخہ خاص اور مصحف نبوی پر صحف مکرمہ۔ لوح محفوظ۔ کتاب مسطور۔ رق منشور۔ کتاب مکنون۔ اور صحف مطہرہ کا خصوصاً بھی اطلاق ہوتا تھا جمع رہتا ہوگا گو بعد میں جب کہ قرآن شہرت اور تواتر میں کامل ہو گیا تو اب بعد کے زمانہ میں نہ تو اصل نوشتوں کی حفاظت کی ضرورت رہی اور نہ کاتبوں کی توثیق کی۔

"After the new revealed passages had been from the prophet's month taken down in writing by scribe, they were published to his followers, several of whom took copies for their private use, but the far greater number got them by heart. The originals, when returned, were put promiscuously into a chest."

G. Sale's Prel. Dis page 49.

۱۶- اب ہم متاخرین محققین یورپ کے نتیجہ تحقیق میں چند اقوال نقل کرتے ہیں :-
(۱) سر ولیم میور کی تحقیق ایک امر میں بڑی تعریف کے لایق ہے - پہلی جلد مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۶۱ء میں لکھتے ہیں ؛

Committed to memory by earely Moslems.

"But the preservation of the Koran during the life-time of Mahomed was not dependent on any such uncertain archives. The divine revelation was the corner stone Llam. The recital of a passage formed an essential part of every celebration of public worship; and its private perusal and repitition was enforced as a duty and a privilege, fraught with a richest religious merit. This is the universal voice of early tradition and may be gathered from the revelation itself. The Koran was accordingly committed to memory more or less by *every* adherent of Islam, and the extent to which it could be recite was reckoned one of tho chief distinctions of nobility in the early Moslem emprie. The custom of Arabia favoared the task. Passionately fond of poetry, yet possessed of but limited means and skill in committing to writing the difusions of their bards, the Arabs had long been habituated to imprint them on living tablets of their hearts.

The recollective faculty was thus cultivated to the highest pitch, and it was applied, with all the ardour of an awakened Arab spirit, to the Koran Such was the tenacity of their memory, and so great their power of application, that several of Mohamets followers, according to early tradition, could, during his life-time repeat, with scrupulous accuracy the entire revelation." The life of Mahomet by W. Muir Esq. Vol 1 psge V.

ترجمہ "مگر محمد (صلعم) کی حیات میں قرآن کی حفاظت صرف ان متفرق تحریروں ہی میں منحصر نہیں تھی - یہی وحی الہٰی تمام مسلمانوں کا نبی تھا - ہر ایک جماعت عام میں قرآن پڑھنا ضروری تھا - اور خلوت میں قرآن کی تلاوت اور ذکر باعث ثواب عظیم تھا - یہ مضمون تمام روایات قدیم میں متواتر المعنی ہے اور خود قرآن ہی سے بھی پایا جاتا ہے اسی کے مطابق ہر ایک مسلمان کم و بیش حفظ کرتا تھا - اور مسلمانوں کی قدیم سلطنت میں جو شخص جس مقدار تک قرآن پڑھ سکتا تھا اسی اندازہ کے موافق اس کی قدر و منزلت ہوتی تھی اور عرب کی رسم سے اُسکی زیادہ تائید ہوئی - وہ لوگ نظم کے تو از حد مشتاق تھے اور فن کتابت کا سامان کافی اُنکے پاس نہ تھا - کہ خطبوں کو لکھ رکھتے اس لئے مدت سے وہ لوگ اس کے عادی ہو رہے تھے

کہ اشعار وخطب کو اپنے دل کی زندہ تختیوں پر منقش کر رکھتے تھے۔ قوت حافظہ اُن کی انتہا کے درجہ پر تھی اور اُس کو وہ لوگ قرآن کی نسبت بکمال سرگرمی کام میں لاتے تھے۔ اُن کا حافظہ ایسا مضبوط اور اُن کی محنت ایسی قوی تھی کہ حسب روایات قدیم اکثر اصحاب محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) پیغمبر کی حیات ہی میں بڑی صحت کے ساتھ تمام وحی کو حفظ پڑھ سکتے تھے" ؛

کتاب سیرت محمدؐ ہی مصنفہ آنریبل ولیم میور
جلد ۱ - صفحہ ۵ - مطبوعہ ۱۸۶۱ء

(۲)۔ پھر اسی باب میں لکھتے ہیں :۔

"However retentive the Arab memory, we should have still regarded with distrust a transcript made entirely from that source. But there is good reason for believing that may fragmentary copies embracing among them the whole Koran, or nearly the whole, were made by Mahomet's follower during his life. * * * * * * The ability being thus possessed, it may be safely inferred that what was so indefatigably committed to memory, would be likewise committed carefully to writing."

W. Muir. Ibid.

یعنی عرب کا حافظہ کیسا ہی دیرپا کیوں نہ ہوتا ہم ان تحریروں کو جو صرف یاد ہی سے لکھی جاتیں ہم بے اعتبار سمجھ لیتے۔ لیکن اس امر کے باور کرنے کی وجہ معقول ہے کہ بہت سی مختلف نقلیں جن میں کل قرآن شامل تھا یا جو تقریباً کل پر محتوی تھیں مسلمانوں نے پیغمبرؐ کی حیات میں لکھ لی تھیں ؛ ؛ ؛ ؛ جبکہ ان لوگوں کو لکھنے کی استعداد حاصل تھی تو صحیح نتیجہ نکل سکتا ہے۔ کہ جو چیز ایسی حفاظت شدید سے یاد کی جاتی تھی وہ اسی طرح بکمال احتیاط لکھی بھی جاتی ہوگی" ؛

(۳) اور پھر اسی مقام پر متصلاً لکھا ہے ؛

Tanscription of portions of the Koran common among the early Moslems.

"We also know that when a tribe first joined Islam, Mahomet was in the habit of deputing one or more of his followers to teach them the Koran and the requirements of h's his religion. We are frequently informed that they carried *written* instruc-

tions with them on latter point, and it is natural to conclude that they would provide themselves also with transcripts of the more important parts of the Revelation, especially those upon which the ceremonies of Islam were founded, and such as were usually recided at the public prayers. Besides the reference in the Koran itself to its own existence in a written form, we have express mention made, in the authentic traeition of Omar's conversion, of a copy of the twentieth Sura being used by his sister's family for social and private devotional reading. This refers to a period preceding, by three or four years, the emigration to Medina. If transcripts of the revelation were made, and in common use, at that early time, when the followers of Islam were few ant oppressed, it seems a sure deduction that they multiplied exceedingly when the prophet came to power, and his Book formed the law of the greater part of Arabia."

Sir W. Muir, Ibid,

ترجمہ - ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ جب کوئی قبیلہ مسلمان ہوتا تھا تو محمدؐ (صلعم) کی عادت تھی کہ اپنے اصحاب میں سے کسی ایک یا دو اصحابی کو اُن کے پاس بھیجدیتے تھے تاکہ اُن کو قرآن اور ضروریات دین سکھلاویں - اور اکثر خبر ملتی ہے کہ وہ اپنے ساتھ مذہبی امور کی تعلیم کے لئے تحریریں لیجایا کرتے تھے پس لاجرم یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ لوگ قرآن کی ضروری سورتیں بھی ہمراہ لیجایا کرتے ہونگے - بالتخصیص وہ اجزاء قرآن جن پر مذہبی رسوم موقوف تھیں اور جو نماز میں اکثر پڑھی جاتی تھیں - علاوہ ان تصریحات کے جو قرآن ہی میں خود اس کے مکتوب ہونے پر پائی جاتی ہیں اِک صحیح روایت میں جسمیں عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونیکی کیفیت مروی ہے قرآن کی بیسویں سورۃ کی نقل کا تذکرہ ہے جو عمر رضی اللہ عنہ کی بہن کے گھر میں جو اُن کی ذاتی مصرف کے لئے تھی - یہ اُس زمانہ کا ذکر ہے جو ہجرت سے ۳ یا ۴ برس پیشتر گذرا تو اگر اس قدر قدیم زمانہ میں قرآن کی نقلیں لکھی جاتی تھیں اور عام تھیں درانحالیکہ مسلمان کم اور مظلوم تھے تو یقینی نتیجہ نکلتا ہے کہ جب پیغمبر صلعم کو قوت ہوئی اور یہ کتاب اکثر ملک عرب کے لئے شریعت قرار پائی جاتی تو اس وقت قرآن کے نسخہ کثرت سے بڑھ گئے ہونگے - (ایضاً ص ۹ و ۱۰) ✤

(۴) پھر ایک جگہ صفحہ ۲ کے حاشیہ پر لکھا ہے ✤

" It is evident that the revelations were recorded, because they are called frequently throughout the Koran itself *kitab*, i. e. " the writing, " " scriptureres."

یعنی یہ بات بدیہی ہے کہ وحی لکھی جایا کرتی تھی کیونکہ خود قرآن میں بارہا اس کا کتاب نام رکھا گیا ہے ۔

(۵) اور راڈویل صاحب سورہ قیامہ وطہ کی بعض آیات سے استنباط کرتے ہیں کہ شروع ہی سے محمد صلعم نے ایک لکھی ہوئی کتاب کے مشتہر کرنے کا منصوبہ کر لیا تھا ۔

"Weare led to conclusion that, from the first, Mahommed had formed the plain of promulgating a written book."

Revd. J. M. Rodwell p. 47.

(۶) لا یمسہ الا المطہرون کے حاشیہ پر لکھتے ہیں کہ "یہ آیت اس امر پر متضمن ہے کہ لا اقل قرآن کے اجزا کی نقلیں عام کے استعمال میں موجود تھیں اور جب عمر رضی اللہ عنہ ایمان لائے اور اُنھوں نے اپنی بہن کے ہاتھ سے بیسویں سورہ کی نقل لے لینی چاہی تب اُن کی بہن نے اسی آیت کا حوالہ دیا تھا" ۔

"This passage implies the existence of copies of portions at least of the Koran in comman use. It was quoted by sister of Omar when at his conversion he desired to take her copy of Surea XX, into his hand."

Revd. Rodwell. p. 93.

۷۱۔ اب یہاں پر ایک شبہ یہ وارد ہوگا کہ جبکہ قرآن جناب پیغمبرؐ ہی کے زمانہ میں سب لکھا گیا اور خود قرآن ہی سے اس کا مسطور و مکتوب ہونا ثابت ہے تو پھر عہد خلافت صدیق میں جمع ہونا کیا معنی اور حضرت عثمانؓ کا جامع القرآن ہونا کیسا ۔

جواب

حضرت خلیفہ اوّل کے عہد میں قرآن جمع کئے جانے اور اس سے پہلے اس کا جمع کیا ہوا نہ ہونے کی خبر منجملہ اخبار احاد ہے جو قطعی اور یقینی حالت کے مقابلہ میں قائم نہیں رہ سکتی۔ اور اس کی تقریر ایسی مبالغہ آمیز ہے کہ قطعی واقعات کے خلاف ہے۔ پھر اگر اسی طور سے زید ابن ثابت کا قرآن جمع کرنا ہوا ہوتا تو ضرور مشتہر ہوتا اور بہت سی روایتیں اسکی پائی جاتیں۔ مگر برخلاف اس کے صحاح میں بہت ہی کم اس کی خبر ملتی ہے۔ خیال کیجیے کہ یمامہ کی لڑائی بحساب واقدی و ابو معشر سنہ ۱۲ ہجری کے ربیع الاوّل میں ہوئی۔ اور بحساب طبری ۱۱ سال اور بقول آخر ۱۱ سال کے آخر میں ہوئی۔ اور زمانہ خلافت صدیق ۲ برس ۲ مہینے تک بمشکل پہنچتا ہے۔ اور

زید کی تتبع وتلاش البتہ اک معتد بہ عرصہ تک رہی ہوگی۔ اور کھجور کے پتے اور پتھر کے ٹکڑے چمڑے کے ورق۔ تختیاں اور چوڑی ہڈیاں ڈھونڈنی اور منگوانی اور حافظوں کو ہر چار طرف سے جمع کرنے میں بہت بہت عرصہ اور نیز شہرہ ہوا ہوگا تو یہ معاملہ ایسا مشہور ہوجاتا جیسے بدر کا معرکہ اور احزاب کی لڑائی۔ مگر تمام صحاح کو چھان مارو یہی زید ابن ثابت یحییٰ بن عبدالرحمان۔ لیث بن سعد و ابن شہاب اس کے ناقل پائے جاتے ہیں اور اُن کی روایت ایک اور شخص کی روایت سے ایک بڑی بات میں مختلف ہے +

مَیں یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت صدیقؓ نے خلافت کی حیثیت سے حکماً یعنی خلافت کی حیثیت سے سرکاری طور پر ایک نسخہ (آفیشیل اڈیشن) تمام وکمال ایک جلد میں زید سے لکھوایا اور دستور العمل خلافت اور ہدایت نامہ ریاست کے طور پر اس کو رکھا گو وہ پہلے سے بہت لوگوں کے پاس لکھا ہؤا موجود اور دُور دُور کے ضلعوں اور پرگنوں میں مشہور تھا +

میری یہ رائے محقق حارث المحاسبی کے قریب قریب ہے۔ کما قال فی فہم السنن "کتابت القرآن لیست بمحدثۃ فانہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یامر بکتابتہ ولکنہ کان مفرقا فی الوقاع والاکتاف والعسب فانما امر الصدیق بنسخہا من مکان الی مکان مجتمعاً وکان ذالک بمنزلۃ اوراق وجدت فی بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیہا القرآن منتشر فجمعہا جامع وربطہا بخیط حتی لایضع منہا شیٔ" (اتقان نوع ۱۸) +

مگر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ نسخہ تمام وکمال کس چیز پر لکھا گیا غالباً کاغذ پر ہوگا۔ فی موطا ابن ذہب عن مالک عن ابن شہاب عن سالم بن عبد اللہ قال جمع القرآن فی قراطیس۔ اور ایسا ہی مغازی ابن عقبہ میں ابن شہاب سے ہے۔ فکان ابوبکر اوّل من جمع القرآن فی الصحف۔ مگر صحف کی اولیت تو غلط ہے کیونکہ پیغمبر صلعم ہی کے زمانہ میں قرآن صحف میں تھا۔ "رسول من اللہ ویتلوا صحفاً مطہرۃ" +

البتہ اسی نسخہ میں غالباً سورتوں کی ترتیب ایسی ہی کی گئی تھی کہ پہلے سبع طوال پھر مئون پھر مثانی پھر مفصل جیسے اب تمام جہان کے نسخوں میں ہے +

اور حضرت عثمان تو اپنے عہد میں جامع قرآن نہیں ہوسکتے۔ انہوں نے صرف اتنا ہی کیا کہ قرآن معروف کے کئی ایک نسخے لکھوا کے حکماً اطراف وجوانب دیار اسلام اور فوج کی چھاؤنیوں میں بھجوا دیئے اور اس وجہ سے قرآن کی اَور بھی زیادہ شہرت اور اشاعت ہوئی یہاں سے حارث محاسبی نے داد تحقیق دی چنانچہ تفسیر اتقان میں منقول ہے "قال الحارث المحاسبی المشہور عند الناس ان جامع القرآن عثمان ولیس کذلک" +

مگر یہ واہیات روایت کہ اُنہوں نے کچھ قرآن جلوا بھی دیئے محض بے ثبوت ہے یہ[1] بھی واقعہ اسی قسم کا تھا کہ اگر ہؤا ہوتا تو بہت مشہور ہوتا اور بہت اہل مصاحف شکایت کرتے اور ایک بڑی کھلبلی مچ جاتی۔ خصوصاً مخالفان عثمان رضی اللہ عنہ تو اُس کو بہت ہی مشہور کرتے مگر بایںہمہ تو فرد واعی کا نوں کان خبر نہیں ہوئی +

اس کے علاوہ اول تو اسی میں اختلاف ہے کہ جلانیکا حکم دیا تھا یا پھاڑنے کا۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری تصنیف علامہ ابن حجر عسقلانی میں ہے۔ قولہ امر بما سواہ من القرآن فی کل صحیفۃ او مصحف ان یحرق۔ فی روایۃ الاکثران یخرق بالخاء المعجمۃ وللمروزی بالمہملۃ ورواہ الاصیلی بالوجہین والمعجمۃ اثبت الخ مگر ابن عطیہ کہتا ہے الروایت بالحاء المہملۃ اصح +

پھر ایک یہ بات بھی محل غور ہے کہ ہر ایک حکم سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ تعمیل بھی ہو گیا ہو اور جب تک کہ اُس کے وقوع کی خبریں ایسی ہی جزم اور یقین کے ساتھ نہ سُننے میں آویں۔ تب تک اس امر کے واقع ہو جانے اور تعمیل کئے جانے پر یقین نہیں ہو سکتا خصوصاً ایسا امر جو حس اور مشاہدہ کے متعلق ہو۔ اور بخاری کی خبر واحد میں صرف امر ہی امر پایا جاتا ہے اور وہ کچھ بھی ثابت نہیں کر سکتا +

بخاری کی شرح کرنے والوں نے (جیسا کہ شرح کرنیوالوں کا دستور ہے کہ متن کے متعلق اور مضامین بھی خواہ مخواہ تلاش کر لاویں گے) اس روایت کی شرح میں دو ایک خبریں جلوائے جانے کی لکھی ہیں جو کسی طرح لایق اطمینان اور قابل قبول نہیں ہو سکتیں۔ چنانچہ ایک روایت تو ایسی ہے کہ بکر بن الاشج صرف قیاساً اور روایت بالمعنی کے طور پر انس کے قول "امر ان یحرق" کو "فامر بجمع المصاحف فاحرقہا" کمال مبالغہ سے بیان کرتا ہے۔ اور شعیب کی روایت میں (عند ابی داؤد والطبرانی) اس قدر عبارت زیادہ ہے "فذلک الزمان احرقت المصاحف بالعراق بالنار" مگر ہم یہ نہیں سمجھتے کہ انس کی یہ روایت کس قسم کی ہے کہ مدینہ میں بیٹھے ہوئے عراق کا حال کہہ رہے ہیں اور مدینہ کے واقعہ کا کچھ ذکر ہی نہیں کرتے۔ غالباً اہل صحاح نے اس جزو کو وضعی سمجھ کر طرح دیا ہوگا۔ اور مصعب بن سعد کے طریق سے یہ روایت ہے "ادرکت الناس متوافرین حین احرق المصاحف فاعجبہم ذلک" اور پھر یہی روایت اس طرح پر بھی ہے "ولم ینکر منہم احد" یہ دونوں باہم ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں اور یقیناً دونوں بناوٹ معلوم ہوتی ہیں +

---

[1] اس روایت کا ایک راوی شیعہ ہے +

خلاصہ یہ کہ اس روایت خلاف درایت کا ماخذ صرف قولاً یا وہماً اور قیاساً انس ہی تک پہنچتا ہے اور بوجہ خبر واحد اور مختلف فیہ ہونیکے اس کا غیر مفید علم ہونا پر ظاہر ہے ❖

۱۸- یہ امر کسی قدر بیان بھی ہوا اور زیادہ بیان کا محتاج بھی نہیں کہ قرآن کے حفظ و کتابت میں ہر ملک اور ضلع کے مسلمانوں نے ہر طبقہ اور صدی میں ایسی کوشش بلیغ کی اور اس کثرت سے اس کے نسخے مشہور اور محفوظ رہے کہ ایشیا میں اقصاے بلاد چین سے یورپ کے اقصاے بلاد اسپین تک اور ممالک افریقہ و دیگر جزائر ایشیا و یورپ میں دو نسخہ بھی مختلف نہ ملینگے اور ایک بھی ایسا غلط لفظ یا سہو کاتب نہ ملیگا جس کی صحت میں حفاظ و راہل فن کو ذرا بھی تامل ہو۔ تمام جہان میں جہاں دیکھو ایک ہی متن پاؤ گے اور اس کا ایسا اتحاد اور ہر ہر نسخہ کی ایسی تعجب انگیز موافقت اور یگانگت بلا مبالغہ ایک اعجاز ہے جس کو منکرین اعجاز بھی مجازاً یا مبالغتاً اعجاز سے منسوب کرتے ہیں۔ تمام بلاد مختلفہ اور امصار و در دست ایشیا و یورپ و افریقا سب ملکوں کے حافظوں کے دلوں کی زندہ الواح گویا کہ اس لوح محفوظ کے ایک ہی چھاپے کی لاکھوں۔ کروڑوں نقلیں ہیں جنمیں چودہ سو برس سے آج تک بعینہ ایک ہی عبارت چلی آتی ہے ❖

مسٹر اڈوارڈ گبن نے ایک مقام پر لکھا ہے:-

. . . . and the various aditions of the Koran assert the same miraculous privilege of an uniform and uncorruptable text."

E. Cibbon. Ch. 50. Vol. 6.

یعنی "قرآن کی بہت سی نقلوں سے وہی اعجاز کا سا خاصہ یگانگت اور عدم قابلیت تحریف کا متن ثابت ہوتا ہے" ❖

(تاریخ رومتہ الکبریٰ جلد ۶ باب ۵۰)

سر ولیم میور فرماتے ہیں جلد اوّل صفحہ ۲۷ ❖

" . . . . . We may upon the strongest presumpt, affirm that every verse of the Koran is the genuine and unaltered composition of Mahomet himself, and conclude with at least a close approximation of the verdict of Von Hammer.—

" *That we hold the Koran to be as surely Mahomet's" word. as the Mahomtans hold it to be the word of God."*

Sir William Muir. Vol. 1 P. XXVII.

یعنی "نہایت قوی گمان پر ہم اقرار کرتے ہیں کہ ہر ایک فقرہ قرآن کا صحیح اور بلا تبدیل محمدؐ ہی کا کہا ہوا ہے اور اسکے نتیجہ میں جیسا کہ وان ہیمر نے کہا ہے یہ کہتے ہیں کہ قرآن کو ہم بالیقین ایسا ہی محمدؐ کا کلام سمجھتے ہیں جیسا کہ مسلمان اُس کو کلام الٰہی سمجھتے ہیں"۔

ہاں ایک جگہ اور لکھا ہے اور وہ بھی خوب لکھا ہے:-

"The recension of Othmau has been handed down to us unaltered. So carefully, indeed, has it been preserved, that there are no variations of importance,—we might almost say no variation at all,—among the innumerable copies of the Koran scattered throughout the vast bounds of the empire of Islam. Contending and embittered factions, taking their rise in the murder of Otham himself within a quarter of a century from the death of Mahomet have ever since rent the Mohometan world. Yet but *ONE KORAN* has always been current amongst them ; and the consentaneous use by all to the present day of the same Seripture, is an irrefragablc proof that we have now before us the very text prepared by the unfortunate Caliph. There is probably in the world no other work which has remained twelve centuries with so pure a text."

Ibid p. XIV and XV.

یعنی "عثمان کا نسخہ ہم تک بلا تحریف چلا آیا ہے درحقیقت ایسی احتیاط سے اسکی حفاظت ہوئی ہے کہ قرآن کے بے شمار نسخوں میں جو اسلام کی کثیر الوسعت مملکت میں منتشر ہیں بڑے اختلاف نہیں ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ بالکل اختلافات نہیں ہیں۔ محمد صلعم کی وفات کے بعد ایک چہارم صدی میں قتل عثمان کے وقت سے مسلمانوں میں تنازع اور شدید مخالفتیں پیدا ہونے سے مسلمانوں میں پھوٹ پڑگئی تھی تاہم ان میں **ایک ہی قرآن** ہمیشہ سے جاری رہا ہے۔ اور سب میں بالاتفاق اسی ایک ہی قرآن کا استعمال میں رہنا اس بات کے ثبوت کی ایک لاجواب دلیل ہے کہ ہمارے پاس اب وہی کتاب ہے جو اس مظلوم خلیفہ کے حکم سے لکھی گئی تھی غالباً دنیا میں کوئی اور ایسی کتاب نہیں ہے جو ۱۲ سو برس تک ایسی صحیح المتن رہی ہو"۔

۱۹- ہماری اگلی کتب مقدسہ کی یہ کیفیت تھی کہ جوں جوں اُن کے نسخہ زیادہ منتشر اور مشتہر ہوتے تھے اختلاف عبارات بھی اسی قدر زیادہ ہوتے جاتے تھے اور رفتہ رفتہ یہ اختلاف[1] عبارات ایک بحر ذخار اور دریائے ناپیدا کنار ہو گئے۔ علمائے بنی اسرائیل اور مشایخ مسیحی ہمیشہ اسکے شاکی رہے۔ اور نسخوں کے دو قبیلہ مشرقی اور مغربی قائم ہو گئے۔

[1] توریت میں اختلاف پڑجانے کی خبر قرآن میں بھی دی گئی ہے "واتینا موسی الکتاب فاختلف فیه ۲۴ م ۲۰ ع"۔

توریت کے باب میں عبرانی۔ سامری۔ یونانی نسخوں کا اختلاف فیلو اور یوسیفس علماء کے زمانہ کی عبارتیں پھر کتب یہود مسل ربوث پرکی الیعاذر۔ اور قصری کی دوسری طرز کی عبارتیں اور ربی سعدیاس اور حیی کی قرائتیں اور ان کے زمانہ کے بعد ابن عزرا۔ پرحیی۔ ربی یہوشیو دین مرشتی (رمبام) اور قمحی یہ سب لوگ اختلافوں کے شاکی رہے اور آخر میں میئر ہلیوی (بابت سنہ ۱۲۴۴ء) عبرانی نسخوں کے اختلافات پر بہت ہی نوحہ زن رہا (دیکھو انسائیکلوپیڈیا ابراہام برلس ج ۴ سنہ ۱۵۱۹ء) اس زمانہ کے بعد ربانیین یہود نے متن کی اصلاح پر کمر باندھی ربی یونزانو نے اسی غرض سے سیاحت اختیار کی اور شلومومنورزی نے کتاب منحات شائی میں خطی نسخوں سے دو ہزار اختلاف عبارات جمع کئے یہ کیفیت یہود کے مجاہدات کی اس وقت کی تھی جبکہ عیسائیوں میں توریت کی بالکل صحت پر پورا بھروسا تھا۔ اسی سائیکلوپیڈیا میں اُس مضمون کے بعد لکھا ہے:-

"So that at the time when Christians were generally insisting on the perfection of the Hebrew text, the Jews were labouring to correct it, and lamenting its great imperfection in the following terms. . . . .

کہ جس زمانہ میں کہ عموماً عیسائیوں کو متن توریت کی صحت پر اصرار تھا اس وقت یہود اس کی اصلاح میں مشقت کر رہے تھے اور ان الفاظ میں اس کے بڑے نقص پر نوحہ سرائی کرتے تھے الخ +

پھر ۱۷ و ۱۸ صدی میں مسیحیوں کو بھی اصلاح اختلاف عبارات پر توجہ ہوئی اور یہود سے زیادہ کوشش کی اور ڈاکٹر کینیکاٹ اور ڈی روسی اپنا نام کر گئے۔ مطبوعہ نسخوں میں سے جو پہلے سنہ ۱۴۸۲ء میں چھپا تھا اس سے وانڈرہوف کو دوسرے نسخہ میں جو سنہ ۱۷۰۵ء میں چھپا بارہ ہزار جگہ اختلاف کرنا پڑا +

عہد جدید کے نسخوں کے اختلافات بھی جانچے گئے اور بہت سے جرمنی محققوں نے اسمیں محنت کی ڈاکٹر مِل نے عہد جدید کے چند نسخے جمع کر کے تیس ہزار اختلاف عبارات نشان دیئے (دیکھو انسائیکلوپیڈیا برٹینکا ج ۱۷ لفظ اسکرپچرس دفعہ ۱۳۳) پھر جان جیمس ویٹسٹین نے مختلف ملکوں میں پھر کے اپنے متقدمین کی نسبت بہت زیادہ نسخے بچشم خود دیکھے اور اُس کی تعداد اختلاف عبارات کی دس لاکھ سے زیادہ ہوئی (ایضاً دفعہ ۱۳۵) اور ڈاکٹر گریسباخ نے ڈیڑھ لاکھ اختلاف عبارات شمار کئے (دیکھو طامس ہارٹ ول ہارن کی کتاب جلد اب ۲ ف ۳۔ ص ۱۰۶ مطبوعہ فلاڈلفیا سنہ ۱۸۳۵ء) حالانکہ کل تعداد انجیل کے نسخوں کی جو کلاً یا جزأً مقابلہ ہوئے۔ تخمیناً پانچ سو نسخوں تک پہنچتی ہے مگر یہ تعداد ان نسخوں کی تعداد کی ایک جزو قلیل ہے جو یورپ

پرائویٹ کتب خانوں میں ہیں۔ دہارن ج ۲ ص ۱۰۰ و ۱۰۱ مطبوعہ ۱۸۲۸ء +

گویہ اختلافات بیحد و بے حساب ہوئے اور زیادہ تتبع اور تفحص پر اور بھی زیادہ ہونگے مگر تاہم ان سے ان کتابوں کے موضوع و مقصود اور منشاء اصلی کو کم ضرر پہنچا ہے +

لارڈ بولنگ بروک وغیرہ منکروں نے یہ حجت کی تھی کہ اگر یہ کتابیں خدا کی طرف سے تھیں تو ضرور تھا کہ وہ بعینہ اپنی اسی اصلیت اور اصلی صحت پر باقی رہتیں۔ مگر ڈاکٹر کینکاٹ نے ایسے اعتراضوں کے جواب میں کہا کہ ان کتابوں میں بہت سی غلطیاں پڑگئیں ہیں تو ان سے جناب باری تعالیٰ کی حکمت پر کوئی حرف نہیں آسکتا کیونکہ معظم امور ہنوز محفوظ اور متیقن رہیں اور ہمیشہ لوگوں نے ان کتابوں سے ہدایت پائی ہے +

بعض اہل شوق نے قرآن کے بھی دو چار نسخے مقابلہ کئے اور ان میں کہیں کہیں شاذ و نادر تکلیف کو تکلف یا رتع و یلعب کو مرتع و ملعب پایا مگر یہ اختلاف محض بے حقیقت ہیں کیونکہ کتاب کی غلطی و سہو میں گفتگو نہیں شکایت تو اس امر کی ہے کہ دو عبارتیں ایسی مختلف پائی جائیں جنمیں سچی اور اصلی عبارت کی تمیز دشوار ہو جاوے۔ پس قرآن کے نسخوں کے سہو کاتب کو صحف سابقہ کے اختلاف نسخ سے کچھ نسبت نہیں ہے اور بالآخر سر ولیم میور نے یہی فیصلہ کیا +

" To compare (as the Moslems are fond of doing) the pure text with the various readings of our Scriptures, is to compare things between the history and essential points of which there is no analogy "

Sir William Muir. Vol. I. p. XV note.

یعنی مسلمانوں کا اپنی خاص کتاب کا ہماری کتب مقدسہ کے اختلاف عبارات سے مقابلہ کرنا ایسی چیزوں کا باہم مقابلہ کرنا ہے جن کے حالات اور اصلی امور میں کچھ بھی مناسبت نہیں ہے۔ انتہیٰ +

۲۰۔ اسی بحث کے متعلق تھوڑا سا حال اُن اخبار احاد ضعیف اور موضوع کا بھی ضرور ہے جن کو بعض نے قرآن کے نقصان یا بعض حروف کے تغیر میں پیش کیا ہے۔ اخبار احاد تو کبھی مفید علم ہوتی ہی نہیں نہ عقل کی راہ سے اور نہ قاعدہ روایت و ضابطہ درایت کی راہ سے خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ قطعیات اور متواترات کے مقابلہ میں ہوں +

علمائے شیعہ میں سے شیخ ابو جعفر طوسی تبیان میں ایسی روایتوں کی نسبت لکھتے ہیں "طریقہا الاحاد التی لا توجب علما" اور سید مرتضیٰ علم الہدیٰ فرماتے ہیں "فان الخلاف فی ذالک مضاف الی قوم فعلوا الخبار ضعیفة ظنوا صحتہا لا یرجع بمثلہا عن العلوم

المقطوع علی صحتہ" +

اور علمائے سنّت وجماعت میں سے حکیم ترمذی صاحب نوادر الاصول میں فرماتے ہیں۔ والعجب من ھؤلاء الرواۃ احدھم یروی عن ابن عباس انہ قال فی قولہ حتی تستانسوا وتسلموا ھو خطاء من الکاتب انما ھو تستاذنوا وتسلموا وما اری مثل ھذہ الروایات الا من کید الزنادقۃ فی ھذہ الاحادیث انما یریدون ان یکیدوا الاسلام بمثل ھذہ الروایات الخ +

بعضے مستضعفین نے ایسی روایات نقصان کا معارضہ اَور طرح پر کیا ہے یعنی جبکہ ان کا ابطال محققانہ نہ کر سکے اور بناچاری ایک قسم کا نسخ یعنی منسوخ التلاوۃ ایجاد کیا اور ان خرافات روایات سے یوں پیچھا چھڑایا اور متاخرین نے اس کو مقلدانہ قبول کیا۔ مگر اہل عقل خوب سمجھتے ہیں کہ یہ محض ایک بے بنیاد بات ہے اور بہت لوگوں نے اس سے انکار بھی کیا ہے تفسیر اتقان میں ہے۔ حکی القاضی ابوبکر فی الانتصار عن قوم انکار ھذا الضرب لان الاخبار فیہ اخبار احاد ولا یجوز القطع علی انزال قرآن ونسخہ باخبار لاحجۃ فیہا +

اس قسم کے نسخ کے بطلان کو ذرا ہم مفصل بیان کریں +

(۱) وہ سب خبریں جن کے غلبہ وہم سے یہ قسم نسخ ایجاد ہوئی ہے سب اخبار احاد ہیں جن پر کبھی یقین نہیں ہوسکتا +

(۲) اس مسئلہ پر سب اتفاق کرتے ہیں۔ ان القرآن لا یثبت الا بالتواتر اور یہ بھی ماجاء بخبر الاحاد لا یثبت بہ القرآن۔ پس یہ بڑی غلطی ہے کہ ان روایتوں کے مذکورات کو قرآن منسوخ التلاوۃ سمجھا جاوے +

(۳) جو لوگ نسخ قرآن کو جائز رکھتے ہیں ان کے مسلک پر نسخ کے جواز کی یہ آیت ہے ما ننسخ من آیۃ[۵۱] او ننسہا نات بخیر منہا او مثلہا پس اس میں ضرور ہے کہ جو آیت منسوخ ہو اُس کے بدلے میں ایک آیت آنی چاہیئے اور جو منسوخ التلاوۃ فرض کی گئیں ہیں اُن کے بدلے کی کوئی آیت نہیں بیان کی جاتی +

۲۱۔ یہ آیتیں کسی قدر مطول ومبسوط ہوگئیں اور گو یہ بھی فائدے سے خالی نہیں مگر اس سے زیادہ مفید مطالب جو ہمارے پیش نظر تھے وہ ہنوز بیان میں نہیں آئے۔ اب ہم انشاءاللہ قرآن کی فصاحت وبلاغت کی حقیقت اور علم وحکمت کی وجوہ اعجاز اور پھر اسکے محاسن اصلی اور خیر محض کے اصول اور اسکی فضیلتوں کے بیان میں اہل یورپ کا اعتراف اور مخالفوں

[۵۱] ہم نہیں سمجھتے کہ آیہ کو یہاں اصطلاحی معنوں پر کیوں حمل کیا جاتا ہے۔ لغوی معنی کو ترجیح ہونی چاہیئے +

کی شہادت بیان و نقل کرینگے۔ پھر چند اعتراضات جو بنا بر اصول تمدن و حکمت وارد کیئے جاتے ہیں اور بعض مطاعن علمی و فلسفی جو حکمت جدید کی اشاعت اور فلسفہ فرنگ کی ترقی سے پیش آتے ہیں معرض بحث میں آوینگے +

پیغمبر پر سحر

"وقال الظالمون ان تتبعون الا رجلا مسحورا"

(فرقان)

۱۔ کسی سچے مسلمان کا تو یہ کام نہیں کہ جناب پیغمبر کی نسبت ایسا کہے کہ اُن پر کبھی ایک منٹ کے لئے بھی جادو کا اثر ہوا۔ یہ بات تو کافروں ہی کو زیبا تھی اور اُنہوں نے ہی کہی تھی کہ یہ نبی تو جادو کا مارا ہوا ہے۔ اور اِس تہمت نالایق کو خدا نے بھی جھٹلایا چنانچہ سورہ فرقان اور اسریٰ کی آیت کو ہم نے اس بیان کے عنوان میں لکھ دیا ہے۔ مگر ایک عرصہ سے مسلمانوں میں سے ایسی حمیت جاتی رہی وہ اِس کی تو کچھ پروا نہیں کرتے۔ بلکہ ایسے مضمون کی حمایت کرتے ہیں +

۲۔ مسلمان محدثوں نے اس مضمون کی ایک عجیب و غریب روایت کی ہے کہ ایک یہودی نے جناب پیغمبر پر جادو کر دیا تھا اور وہ چالیس دن تک یا چھ مہینے یا برس دن تک اس میں مبتلا رہے ہے۔ ابی حمزہ کی روایت میں تو چالیس دن ہیں اور وہب کی روایت میں چھ مہینے۔ مگر زہری کی روایت میں برس دن ہے۔ علامہ ابن حجر نے اسی کو معتمد قرار دیا ہے[1] سبحانک ھذا بہتان عظیم +

۳۔ اس سحر کا اثر (دروغ بر گردن راوی) یہاں تک ہوگیا تھا کہ معاذ اللہ جناب پیغمبر کے دماغ میں خلل آگیا تھا۔ چوں مادۂ سحر بسر مبارک رسید بود چناں تخیل میکرد کہ چیزے کہ

---

[1] وفی روایۃ ابی حمزۃ عند الاسماعیلی انہ صلی اللہ علیہ وسلم اقام اربعین یوماً فی روایت وھیب عن ھشام عند احمد ستۃ اشھر وجمع بان ستۃ اشھر من ابتداء تغیر مزاجہ والاربعین یوما من استحکامہ لکن فی جامع معمر عن الزہری انہ لبث سنۃ واسنادہ صحیح۔ قال ابن حجر فھو المعتمد۔ ارشاد الساری شرح صحیح بخاری ج ص۔ مدت بقائے ایں عارضہ بقولے چہل روز و در روایتے شش ماہ و در روایتے یک سال بود۔ شرح سفر السعادت۔ عبدالحق دہلوی +

نکردہ است کردہ میشود و ایں تصرف است از ساحر در طبیعت و مادہ دموی تا آں مادہ بربطن مقدم دماغ غلبہ کرد و مزاج آں از طبیعت اصلی برگشت (سفر السعادۃ علامہ مجد الدین فیروزآبادی) ص ۱۹۹- یہی مضمون ابن القیمؒ نے بھی لکھا ہے +

۴- ایسے لغو اور واہی خیالوں کو تو قرآن مجید جھٹلا چکا پس جو روایتیں بھی اس مضمون کی ہوں گی وہ کب لایق التفات ہونگی وہ راوی بھی انہیں کافروں کی کہی ہوئی کہتے ہیں شیخ الاسلام علامہ امین الدین طبرسی نے تفسیر مجمع البیان میں (ذیل ہاروت و ماروت) لکھا ہے +

"فاما روی من الاخبار ان النبیؐ سحر فکان یری انہ فعل مالم یفعلہ او انہ لم یفعل ما فعلہ فاخبار مفتعلہ - لا یلتفت الیھا" +

۵- اگرچہ جھوٹی روایتیں سچی ہوں تو پھر نبی کی بات پر کیا اعتبار ہو سکتا ہے - بہت سی وحی کی باتیں بھی صرف اُن کے تغیر دماغ کی وجہ سے خیال میں آگئی ہوں گی - حدیث کی شرح کرنیوالے ایک عجیب مخمصہ میں گرفتار رہیں تو ان سے اس روایت باطلہ کی تکذیب کرتے بنتا ہے اور نہ منکروں کو جواب دیتے بنتا ہے - قاضی عیاض الغرناطی نے (سنہ ۴۷۶ - ۵۴۴ ہجری) کتاب شفا فی تعریف حقوق المصطفٰے میں (ص ۲۹۹ و ۳۰۰) اس اعتراض کے اُٹھانے کی کوشش کی ہے مگر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ جادو کا اثر جناب پیغمبرؐ کے دل اور اعتقاد اور عقل پر نہ تھا صرف ظاہر میں ہاتھ پیر پر ہوا تھا مگر بخاری و مسلم کی روایتوں کے مقابلہ میں وہ تاویلیں پیش نہیں جاتیں اور معہذا اصل سحر کے مان لینے سے کچھ مفر نہیں رہتا - اور مسحور وہی ہے جس کی عقل میں خلل آگیا ہو[1] +

۶- ہم نے مناسب جانا کہ اس بحث میں اصل روایتوں پر نظر کی جاوے اور دیکھیں کہ وہ کچھ معتبر ہو سکتی ہیں یا نہیں +

بخاری نے روایت کی ہے - حدثنا ابراھیم بن موسی اخبرنا عیسی بن یونس عن ھشام عن ابیہ عن عائشۃ رضی اللہ عنھا قالت سحر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجل من بنی زریق یقال لہ لبید بن الاعصم حتی کان رسول اللہ یخیل الیہ انہ کان یفعل الشیٔ وما فعلہ الخ +

حدثنی عبد اللہ بن محمد قال سمعت ابن عیینۃ یقول اول من حدثنا بہ ابن جریج یقول حدثنی آل عروۃ عن عروۃ فسألت ھشاما عنہ فحدثنا عن ابیہ

---

[1] والمسحور الذی قد سحر فاختلط علیہ عقلہ و زال عن حد الاستواء ھذا ھو القول الصحیح تفسیر کبیر فخر رازی (اسری) +

عن عایشة رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سحر حتی کان یری انہ یاتی النساء ولا یاتیھن الخ ✦

حدثنا عبید بن اسماعیل حدثنا ابو اسامہ عن ھشام عن ابیہ عن عایشہ قالت سحر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی یخیل الیہ انہ یفعل الشیٔ وما فعلہ الخ ✦

مسلم نے روایت کی ہے۔ حدثنا ابو کریب قال حدثنا ابن نمیر عن ھشام عن ابیہ عن عایشة رضی اللہ عنہا قالت سحر رسول اللہ صلعم یھودی من یھود بنی زریق یقال لہ لبید بن الاعصم قالت حتی کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخیل الیہ یفعل الشیٔ وما یفعلہ الخ ✦

ان روایتوں میں یہ قول تو حضرت عائشہ کی طرف منسوب ہے کہ جناب پیغمبرؐ پر ایک یہودی نے جادو کر دیا تھا اور اس قول کے بعد ایک قصہ ہے کہ جس میں اختلاف الفاظ اور کسی قدر اختلاف مضمون بھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جناب پیغمبر نے فرمایا کہ دو آدمی میرے پاس آئے اور ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ اس شخص کا (یعنی پیغمبرؐ صلعم کا) کیا حال ہے اس نے جواب دیا کہ یہ شخص مطبوب ہے اس کا ترجمہ حدیث کی شرح کرنے والوں نے مسحور کیا ہے یعنی جادو کا مارا ہے پھر اُس نے پوچھا کہ کس نے جادو کیا تب اُس نے جواب دیا کہ لبید بن اعصم نے جادو کیا ہے۔ پھر اُس نے پوچھا کاہے سے جادو کیا ہے اُس نے کہا کہ کنگھی اور سر کے ٹوٹے ہوئے بال اور کھجور کے درخت کا گابہ۔ پھر اُس نے پوچھا وہ کہاں ہے اُس نے جواب دیا کہ ذروان کے کنوئیں میں۔ تب جناب پیغمبرؐ اور صحابہؓ وہاں تشریف لے گئے اور وہاں سے آکر حضرت عائشہؓ سے کہا کہ اُس کنوئیں کا پانی سُرخ سا تھا اور اُس درخت وہاں کے ایسے تھے جیسے سانپ کی سر یا بد صورت الخ ✦

۸ — یہ ایسی روایت ہے کہ جس کو اگر صحیح و قطعی تسلیم بھی کر لیا جاوے تو بھی کسی ذی عقل اور صاف طبیعت آدمی کی نظر میں اس میں کچھ خلاف حقیقت نہیں ہے مگر جو لوگ جاہلی طبیعت کے ہیں اور دیو بھوت اور جادو کو مانتے ہیں وہ اس روایت کے مضمون کو اپنے ڈھنگ پر لیجاتے ہیں اور کچھ تحریف اور تاویل کر کے نبی کو جادو کا مارا ہوا بنا لیتے ہیں۔ ذالک ظن الذین کفروا ✦

۹ — اس روایت کی تفسیر ہمارے مذاق پر تو یہ ہے کہ ہم کو اس امر سے تو انکار نہیں ہے کہ کوئی شخص جادو نہیں کرتا یا کوئی شخص کسی کو جادو کا مارا ہوا نہیں سمجھتا بلکہ ہمارا قول صرف یہی ہے کہ ہم کو جادو کے تحقیق سے انکار ہے یعنی جادو کبھی چلتا نہیں اس کا اثر کسی پر ہوتا نہیں۔

"لا یفلح الساحر حیث آتی"۔ گو وہ لاکھ پڑا کہا کرے کہ میں نے اس شخص پر جادو کر دیا ہے اور جس شخص کی نسبت جادو کرنیوالا یا جادو کرنے کا دعوےٰ کرنیوالا یہ کہے کہ میں نے اس پر جادو کر دیا ہے تو عرف میں اس کو مسحور یا جادو کا مارا ہوا بھی کہینگے گو حقیقت میں اس مسحور پر کچھ جادو کا اثر نہ ہوا ہو جیسے عموماً کہتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں شخص کا معشوق ہے حالانکہ شخص عاشق کے عشق کا اس پر درحقیقت کچھ بھی اثر نہیں ہوا کرتا ۔

عرب میں اور یہودیوں میں سحر اور ساحری کا بڑا چرچا تھا ایسا ہوا ہوگا کہ لبید بن اعصم یہودی نے اسی خیال باطل یعنی جادو کے کارگر ہونے کی بنا پر جناب پیغمبرؐ کی نسبت جادو کا عمل کیا ہو اور کنگھی اور سر کے بال کسی درخت کی چھال میں لپیٹ کر ذروان کے کنوئیں میں داب دیئے ہونگے اس معاملہ کا چرچا لوگوں میں ہوتا ہوگا۔ ان میں سے دو آدمی جنہوں نے یہ بات سُنی ہوگی جناب پیغمبرؐ کے پاس بیٹھکر باتیں کرتے ہونگے کہ لبید نے اُن پر (اپنے زعم میں) فلانے کنوئیں میں جادو کیا۔ اس بات کو سن کر جناب پیغمبرؐ اس کنوئیں پر خود گئے یا کسی کو بھیجا ہو کیونکہ اور روایتوں میں ہے۔ (عند ابن سعد من حدیث ابن عباس فبعث الی علی و عمار فامرھما ان یاتیا البیر) کہ اپنے اصحاب کو بھیجا تھا اور یا یہ ہوا ہو کہ اصحاب میں سے کوئی خود ہی چلے گئے ہوں ۔

۱۰- پس اس روایت میں کوئی بات جادو کے تحقق کی نہیں نکلتی۔ سب سے زیادہ مشکل اور باطل قول یہ ہے کہ سحر رسول اللہ الخ یہ اگر ان معنوں میں لیا جاوے کہ لبید نے پیغمبرؐ کی نسبت جادو کا عمل کیا تو کچھ بھی دقت نہیں ہاں اگر یہ مراد ہو کہ درحقیقت پیغمبرؐ پر کسی کے جادو کا عمل چل گیا اور جادو اُن میں مؤثر ہو گیا اور اُن کے دماغ میں خلل آگیا اور عقل میں فتور پڑ گیا تو یہ بالکل جھوٹ اور باطل ہے یقیناً راویوں کے دماغ میں فتور آگیا ہوگا یا محدثوں کی عقل میں خلل آگیا ہوگا۔ کیونکہ کسی شخص کے جادو کے مارے ہوئے ہونے پر گواہی دینا ایک ایسے امر پر شہادت دینا ہے جو قابل حس نہیں ہے کسی کو مسحور سمجھنا امر حسی نہیں ہے پس اس پر کوئی گواہی نہیں ہو سکتی ۔

۱۱- عوام نے اس روایت کے مضمون سمجھنے میں چند غلطیاں کی ہیں۔ اوّل تو یہ کہ سحر رسول اللہ الخ کو حقیقی اور واقعی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ایسے ہی ثابت ہے کہ کوئی کہے کہ زید پر گولی چلی گو زید اس گولی کے اثر سے بالکل محفوظ ہو۔ یا کوئی کہے کہ ہندہ تو خالد کی معشوق ہے گو ہندہ کو خالد سے کچھ بھی واقفیت نہ ہو یا اُس کے عشق کا اثر ذرا بھی اس میں نہ ہوا ہو۔ دوم یہ کہ وہ جو دو شخص پیغمبرؐ کے پاس آکے بیٹھے تھے اُن میں سے ان لوگوں نے ایک کو تو جبریل بنا لیا اور ایک کو میکائیل۔ حالانکہ بخاری و مسلم کی روایتوں میں "رجلان" کا لفظ صاف موجود ہے (یعنی دو آدمی) جو روایتیں ان صحیحین کے درجہ سے گھٹی ہوئی ہیں اُن کے راویوں نے اپنے دل سے "رجلان" کی جگہ "ملکان"

یعنی دو فرشتے" کردیا۔ جیساکہ طبرانی کی روایت میں ہے اور جن راویوں نے اور بھی زیادہ آزادی برتی اور روایت بالمعنی پر کفایت نہ کی وہ اس سے بھی بڑھ گئے اور صاف "جبرائیل و میکائیل" ہی کہدیا جیسا کہ ابن سعد کی ایک منقطع روایت میں ہے۔ سوم یہ کہ ان دونوں آدمیوں نے جو یقیناً لبید کے ہمراز تھے جناب پیغمبرؐ کو مطبوب بتلایا اس لفظ کو شارحین نے مسحور کے معنی میں قرار دیا ہے حالانکہ یہ بھی ایک زبردستی سی ہے۔ قسطلانی شارح بخاری نے اس کنایہ کو صرف تفاول کے طریق پر قرار دیا ہے اور قرطبی نے کچھ اور ہی لکھا۔ انما قیل للسحر الطب لان اصل الطب الحذق والتفطن له فلما کان کل من علاج المرض والسحر انما یتاتی عن فتنة وحذق اطلق علی کل منهما هذا الاسم۔ جب طب کا لفظ ایسا عام ہے تو اس سے خاص مسحر سمجھنا خلل دماغ سے خالی نہیں اصل یہ ہے کہ ان لوگوں نے یہ امر تسلیم کرلیا ہے کہ جادو کا اثر ضرور متحقق ہوتا ہے پس اب جو کوئی خبر جادو کی روایت میں آویگی وہ ضرور تسلیم کیجاویگی۔ حالانکہ اس کا تحقق محض ایک وہم اور خیال ہے اور معتزلہ کو جو مسلمانوں میں ایک حکیمانہ خیال کا فرقہ ہے جادو کے تحقق سے انکار ہے +

۱۲- اگر ضابطہ فن درایت کی رُو سے اس روایت پر نظر کیجاوے تو یہ کسی طرح صحیح و ثابت و یقینی و قطعی نہیں ٹھہر سکتی +

اوّل تو یہ ایک خبر واحد ہے اور اخبار احاد سے کسی امر کی نسبت جس کی وہ خبر دیتے ہیں یقین نہیں حاصل ہوتا۔ پس یہ خبر بھی سچی اور یقینی نہیں ہوسکتی +

دوم یہ کہ اس روایت میں عنعنہ ہے یعنی عیسیٰ بن یونس اور ابن نمیر اور ہشام بن عروہ اور عروہ بن زبیر نے حدثنا یا اخبرنا لکھکر روایت نہیں کی جس سے اتصال پایا جاتا بلکہ عن عن کہکر روایت کی ہے جس میں احتمال ہے کہ ایک نے دوسرے سے بگوش خود سُنا ہو یا اَوروں سے سُنا ہو جن کا نام ظاہر نہیں کیا اور ایسی روایت جس کا کوئی راوی بھی مجہول یعنی نامعلوم رہجاوے صحیح اور سندی نہیں ہوسکتی +

اس باب میں جو کچھ حجتیں اور تقریریں ہیں وہ ہم کو معلوم ہیں۔ علی ابن المدینی (اُستاد بخاری) اور بخاری اور ابو بکر صیرفی اور شافعی کا یہ مذہب ہے کہ روایت معنعن کو متصل سمجھا جاویگا جبکہ دونوں راوی ایک ہی زمانہ میں ہوں اور اُن میں باہم ملاقات ہونا بھی ثابت ہو اور وہ لوگ مدلس بھی نہ ہوں اور مسلم وغیرہ کا یہ مذہب ہے کہ دونوں راویوں کا صرف ایک زمانہ میں ہونا چاہیے تاکہ ملاقات کا ثابت ہونا شرط نہیں ہے۔ مسلم نے مقدمہ صحیح میں اپنے مخالف کی بڑی فضیحت کی ہے اور ایک طولانی تقریر کی ہے مگر محی الدین نووی نے منہاج شرح صحیح مسلم بن حجاج میں (باب ماتصح به رواية الرواة بعضهم عن بعض) لکھا ہے کہ جس باب کی طرف مسلم گیا ہے محققوں نے اس سے انکار

کیا ہے اور اس کو ضعیف بتلایا ہے اور جس بات کو مسلم نے رد کیا ہے اُسی کو صحیح قرار دیا ہے[1] مگر ہماری رائے میں تو ان دونوں مذہبوں میں ایک گونہ سہل انگاری اور مسامحت ہے کیونکہ ان میں سے جس نے زیادہ تشدد کیا ہے وہ صرف یہی کہتا ہے کہ صرف اِن دونوں راویوں کا جو عنعنہ کرتے ہیں باہم ملاقات کا ہونا ہی کافی نہیں ہے۔ بلکہ ایک مرتبہ[2] شاید تمام عمر میں ملاقات کا ہو جانا بھی ثابت ہونا چاہئے۔ اور یہ اصول پھر بھی ناقص ہے کیونکہ جب تک ہر ہر خبر میں بالمشافہ سنی ہونے کی تصریح نہ ہوگی ہمیشہ وہی احتمال ارسال قائم رہیگا۔ ہم روز کے تجربہ سے بات ثابت پاتے ہیں کہ گو زید و خالد دونوں راوی ایک ہی شہر میں رہتے ہوں اور ملاقات بھی ہوا کرتی ہو تاہم زید کا ہر عنعنہ خالد سے بلاواسطہ اور بالمشافہ نہیں ہوتا چہ جائیکہ کتب احادیث کے راوی جن میں سے ایک تو خراسانی ہے اور ایک بصری اور ایک کوفی ہے تو ایک مصری اور پھر اُن کی معنعن روایتیں انصال پر حمل کی جاتی ہیں یہ عجب قاعدہ ہے +

مسلم نے اپنے قول کی تائید میں انہیں راویوں کا حوالہ دیا ہے۔ جن پر ہم بحث کر رہے ہیں۔ یعنی هشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہ۔ چنانچہ لکھا ہے۔ بیقین تعلم ان هشاما قد سمع من ابیه وان اباه قد سمع من عائشه رضی الله عنها۔ الخ مگر جب تک ایک خاص خبر میں بالمشافہ سننا ثابت نہ ہو تب تک عام طور کا سماع کچھ مفید نہ ہوگا +

غرض کہ اس میں نہایت شبہ ہے کہ عیسےٰ بن یونس اور ابن نمیر نے ہشام سے یہ روایت بلاواسطہ سنی یا بواسطہ اور ایسے ہی ہشام نے عروہ سے بالمشافہ سُنی یا کسی اَور واسطے سے اور ایسے ہی عروہ نے ام المومنین عائشہ رضؓ کے روبرو یہ روایت سُنی یا اَور کے ذریعہ سے۔ پس اس وجہ سے یہ روایت ناقابل اعتبار ہے +

سوم یہ کہ اس روایت کا ایک راوی ہشام بن عروہ ہرچند کہ عموماً ممدوح اور ثقہ اور معتبر ہے مگر امام مالک نے اُس کو جھوٹا یعنی کذاب کہا ہے پس یہ راوی مقدوح ٹھہرا اور روایت کم سے کم ضعیف ٹھہریگی اسماء رجال کی کتاب تہذیب الکمال میں لکھا ہے۔ قال الحافظ ابوبکر الخطیب

---

[1] وهذا الذی صار علیه مسلم قد انکره المحققون وقالوا هذا الذی صار الیه مسلم ضعیف والذی رده هو المختار الصحیح الذی علیه ائمة هذا الفن مثل علی ابن المدینی والبخاری وغیرهما۔ شرح صحیح مسلم للنووی +

[2] والعنعن الذی قیل فیه فلان عن فلان من غیر لفظ صریح بالسماع او التحدیث او الاخبار اتی عن رواة مسمین معروفین موصول عند الجمهور بشرط ثبوت لقاء المعنعنین بعضهم ولو مرة الخ۔ ارشاد الساری شرح بخاری للقسطلانی ج ۱ ص ۹ +

اخبرنی الربانی قال حدثنی محمد بن احمد بن عبد الملک الاوفی قال حدثنا محمد بن علی الایادی قال حدثنا زکریا بن یحیی الساجی قال حدثنا احمد بن محمد البغدادی قال حدثنا ابراهیم بن المنذر قال حدثنا محمد بن فلیح قال قال لی مالک بن انس ہشام بن عروہ کذّاب الخ - اگر ہمارے جواب میں یہ کہا جاوے کہ یہ روایت ایک خبر واحد ہے اس پر یقین نہیں ہوتا تو ہم کہیں گے کہ پیغمبر صلعم پر جادو ہو جانے کی روایت بھی تو خبر واحد ہے اس پر بھی یقین نہ کیجئے +

چھٹا یہ کہ حضرت ام المومنین عائشہؓ کا یہ فرمانا کہ سحر النبی الخ ضابطہ فن درایت کے موافق تو قابل قبول نہیں ہے کیونکہ اس میں کسی امر حسّی کی خبر نہیں ہے پس جیسا کہ راوی کا ثقہ اور عدل ہونا ضرور ہے ویسا ہی یہ بھی ضرور ہے کہ اس نے امر حسّی یا واقعہ چشم دید کی خبر دی ہو نہ کہ امر عقلی یا خیالی یا وہمی اور اعتقادی کی - ہم ان راویوں کے مشاہدات پر اعتبار کرتے ہیں مگر اُن کی رائے اور خیالات کو نہیں مانتے - رائے تو صرف شخص معصوم صاحب الوحی کی مانی جاتی تھی +

پس ان وجوہ سے یہ خبر قابل قبول اور لایق اعتبار نہیں ہے +

سُلیمان علیہ السلام

علم منطق الطیر - جنّ - نمل - طیر - ہُدہُد عفریت - عرشِ بلقیس - کشفِ ساق

علم منطق الطیر

(۱) وورث سلیمان داود وقال یا ایہا النّاس علمنا منطق الطیر واوتینا من کل شیئ ان ھذا لھو الفضل المبین (سورۃ نمل) +

ترجمہ - اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے اور کہنے لگے اے صاحبو ہم کو پرندوں کا علم ملا ہے اور ہر چیز میں سے ہم کو عنایت ہوا ہے - یہ بیشک بڑی فضیلت ہے +

تفسیر - منطق الطیر ایک علم ہے جس میں پرندوں کی بناوٹ - صورت اور عادات کا بیان ہوتا ہے اور یہ ایک شعبہ ہے حیواۃ الحیوان کے علم کا جس میں ہر قسم کے جانداروں کا ذکر ہوتا ہے منطق الطیر ٹھیک ترجمہ ہے یونانی زُ اُرنی ثو - لوجیا کا - اُرنیس اور اُرنی تھوس کہتے ہیں -

اُڑنے والے کو اور بوجیا کے معنی لغت اور علم +

جو لوگ اس حقیقی علم منطق الطیر سے ناواقف ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ پرند آپس میں ایسی مرکب آوازیں بولتے ہیں جیسے انسان بولتے ہیں اور اُن کی ایسی ہی باتوں کو سلیمان علیہ السلام سمجھ جاتے تھے عبرانی زبان میں ایسے علم منطق الطیر کو دبرہا عوف کہتے ہیں דבר העוף دبرھا کے معنے بات یا بیان اور عوف کے مانند پرند +

کتب سلاطین میں جو غالباً شاہی روزنامچہ کے حالات سے مؤلف ہوئی ہے اور اب یہوو کے صیغہ کتو بیم میں داخل اور عمل میں شامل ہے حکمت سلیمانی کی عموماً اور علم منطق الطیر کی خصوصاً تصدیق اور تصریح پائی جاتی ہے۔ چنانچہ سلاطین کی پہلی کتاب نسخہ عبرانی کے پانچویں باب اور ۱۳ پسوق میں جو ترجمہ ہندی میں ۴ باب کی ۳۳۔ آیت ہے یہ مضمون ہے +

”اور اس نے درختوں کی کیفیت بیان کی۔ سرو کے درخت سے لیکر جو لبنان میں تھا اُس زوفا تک جو دیوداروں پر اُگتا ہے اور چارپایوں اور پرندوں اور رینگنے والوں اور مچھلیوں کا حال بیان کیا“ +

جنّ

(۲) وحشر لسلیمان جنوده من الجن والانس والطیر فهم یوزعون (سورہ نمل) +

ترجمہ۔ اور جمع کئے سلیمان کے پاس اُس کے لشکر جن اور انس اور پرند اور وہ روکے ہوئے تھے۔ یا ٹکڑے ٹکڑے تھے +

تفسیر۔ جن۔ کنعان کے گرد نواح میں ایک قوم قوی ہیکل دیو قامت تند و شدید اور جبار رہتی تھی جو عمالیق کہلاتی تھی اور بنی اسرائیل اُن کو اپنی شدید عداوت اور اذیت کی وجہ سے اور اُن کی بُت پرستی اور دیو اور دیویوں کی عبادت اور بھوت پریت کی پوجا سے اُن کو بھی شدّیم یعنی جنّ کہا کرتے تھے اور وہی جبار بنی عمالیق حضرت سلیمانؑ کے زیر فرمان کچھ مقید اور کچھ ملازم و مصاحب تھے +

کتاب واعظ جو حضرت سلیمانؑ کی تصنیف سے ہے اس میں اُنھوں نے لکھا ہے کہ میرے پاس جن یا شیطان (مسخّر) تھے اصل عبارت کتاب واعظ ۲/۸ کی یہ ہے :۔

כנסתי לי גם כסף וזהב וסגלת מלכים והמדינות

עשיתי לי שרים ושרות ותענגות בני האדם שדה ושדות

ترجمہ۔ میں نے سونا روپا اور بادشاہوں اور ملکوں کا خاص خزانہ اپنے لئے جمع کیا۔

پینے گانے والے اور گانے والیاں رکھیں اور بنی آدم کے سامان عیش۔ شیطان اور جنات اپنے لئے فراہم کئے +

مگر بیبل کے سب ترجمے اس مقام پر جس کو ہم نے شیطان و جنات ترجمہ کیا ہے مختلف ہیں مگر یہود کی مدراش ہمارے موافق ہے +

ترجمہ اُردو ۱۸۴۵ء و ۱۸۷۰ء	بیگم اور بیگیات
ترجمہ انگریزی ۱۶۱۱ء	باجے اور سب قسم کے ساز
ترجمہ مذہب رومن کیتھلک ۱۷۴۹ء	پیالے اور برتن شراب ڈھالنے کے
ترجمہ عربی	سید و سیدات
ترجمہ فارسی	انواع سازہائے موسیقی
ترجمہ یونانی قدیم	ساقی اور ساقیات۔
ترجمہ عربی ۱۸۳۱ء	شاقات وایاریق للخدمة لکسب الخمر

اصل عبری میں یہ الفاظ שדה ושדות (شدہ و شدوت) ہیں جن کی اصل שד (شد) ہے۔ اربع عسیریم یعنی عہد عتیق کی اصل عبرانی کتابوں میں اور جہاں جہاں یہ لفظ آتا ہے وہاں شیطان اور دیو یا دیوتا کے معنے لئے گئے ہیں۔ استثنا باب ۳۲-۱۷ "انہوں نے شیطانوں کی قربانیاں گذرانیں"۔ ויזבחו לשדים (ویذبحو لشدیم) اور زبور ۱۰۶-۳۷ (نسخہ عبری) "انہوں نے تو اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو شیاطین کے لئے قربانی کیا +

ויזבחו את בניהם ואת בנותיהם לשדים

ویذبحو ایۃ بنیھم وایۃ بنوتیھم لشدیم +

ترجمہ۔ عربی میں یہ فقرہ ۱۰۵ از بور میں ہے وذبحوا بنیہم وبناتہم للشیاطین +

پس یہ سب ترجمے اُردو انگریزی۔ عربی۔ فارسی مقام مذکورہ بالا کے غلط ہیں +

اب دیکھنا چاہئے کہ שד (شد) کی وجہ تسمیہ کیا ہے یعنی عبرانیوں میں جن اور شیطان کو שד کیوں کہا۔ ظاہر ہے کہ پرانے یہودیوں میں جن و شیطان کے خیالات نہیں تھے وہ ان ناموں سے مطلق واقف نہ تھے جب ایرانیوں یعنی زردشت کے مذہب والوں سے اور یہودیوں سے میل جول ہوا تب انہوں نے اُن سے ایسے خیالات اور محاورات سیکھ لئے اگرچہ سلیمان کا زمانہ اس واقعہ سے قبل کا ہے۔ مگر مصریوں میں اور کنعانیوں میں اور اور قوموں میں جو بنی اسرائیل کے اردگرد تھیں شدت سے بُت پرستی اور جن پرستی اور شیطان پرستی ہوتی تھی اور بنی اسرائیل نے کسی نہ کسی مناسبت سے اُن کے نام گھڑ لئے تھے مثلاً שעדים

(سعیرم) بھی عبرانی کتابوں میں (لیویان ۱۷-۷ و ۲-اخبار الایام ۱۱-۱۵) شیاطین کے معنوں میں آیا ہے حالانکہ اس کا ترجمہ لفظ بالوں والے (بصیغہ جمع) ہے۔ شعیر کے معنی بال ہیں جیسے عربی میں شعر کہتے ہیں اور یم جمع کا ہے مصریوں میں ایسی بکری کی جس کے بڑے بڑے بال ہوتے تھے پرستش ہوتی تھی اور جس دیوتا کے نام وہ بھیڑ یا بکرا مخصوص ہوتا (جیسے ہمارے یہاں میراں اور شیخ سدو) تو ایسے بکرے کو اسرائیلیوں نے اصل شیطان کے نام سے موسوم کیا۔ حالانکہ وہ بکرا شیطان نہ تھا ایسے ہی شدیم بھی اصل میں قوی ہیکل اور مرد ضابط و شدید جو اپنی حیات میں یا مرنے پر پُجتے ہوں گے شیاطین کے نام سے موسوم ہوگئے حالانکہ در اصل وہ انسان تھے۔ یہی لفظ سعیرم اور سعیر توریت میں اَور جگہ (توریت کی تیسری کتاب ۲۳ و ۲۴ و ۸ و ۹ و ۲۶ اپنے اصلی معنوں میں یعنی بکرا اور حلوان آیا ہے +

پُرانی زبانوں میں ایسا محاورہ تھا اور اَب بھی اس کے آثار ملتے ہیں کہ تمدن کی حیثیت نے بنی آدم کی دو تفریقیں کر دی تھیں ایک تو شہری دوسرے وحشی اور جبلی اس وجہ سے اس قسم کے الفاظ ایش سدہ اور ایش تم عبرانی میں (پیدایش ۲۵/۲۷) اور جیسے بدوی اور حضری۔ ایسے ہی جن اور انس تھے کیونکہ جن کے معنے چھپے ہوئے کے ہیں اور انس جو چیز نظر آوے۔ جو لوگ حضرت سلیمان کے یہاں پتھر تراشنے کا کام کرتے تھے انکو جبلیم (اسلاطین ۵/۱۸) یعنی پہاڑی کہا ہے اور قرآن میں اُن کو جن اور شیاطین (انبیا) کہا ہے۔ ان کا تفصیلی بیان دوسرے موقع پر ہوگا +

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ شدد کے معنی میں تباہ کرنا فنا کرنا اور غارت کرنا داخل ہے اسلئے ڈاکوؤں شریروں کو بھی شدد کہتے ہیں اور کتاب امثال سلیمان علیہ السلام ۲۱-۷ اور صحیفہ اشعیا ۱۶-۴ میں یہ لفظ انہیں معنوں میں ہے اور عربی میں بھی شدۃ سختی اور زور کو کہتے ہیں بس شدد یا جو اس کی جمع ہے شدیم ہندی میں اس کے معنے مہابلی اور مہادیو کے ہونے چاہئیں = اور چونکہ جس قدر چیزیں خدا کے ماسوا پوجی جاتی تھیں اور اب بھی پوجی جاتی ہیں وہ سب انسان اور انسان کی روحیں ہیں کہ وہ لوگ اپنے زمانۂ حیات میں کسی نہ کسی وجہ سے بنی آدم پر غالب ہوئے اور بعد مرنے کے اُدبنائے گئے جتنے زمیاروں کی پرستش کی اصل یہی ہے کہ اُن کو بھی در اصل انسان مانا جاتا ہے بعد مرنے کے وہ آسمان کو اُڑ گئے جیسے زُہرہ وغیرہ۔ پس حضرت سلیمانؑ کے جن اور شیطان شدہ اور شدوت۔ وہ سب حضرت انسان ہی میں سے تھے اور قرآن کا مضمون حضرت سلیمان کی کتاب سے بالکل موافق ہے۔ مخالفوں نے اور نادان دوستوں نے یہ بات مشہور کر رکھی ہے کہ قرآن کا یہ مضمون کہ سلیمان کے پاس جنات تھے محض ایک افسانہ ہے جسے یہود کے بے اصل قصہ کہانیوں سے اخذ کیا گیا ہے مگر اب اُن کی کیسی غلطی ثابت ہوئی کہ

سلیمان کی سچی کتاب میں (واعظ ۱۲) وہی مضمون جس سے مضمون قرآن کی تصدیق ہوتی ہے ثابت ہوتا ہے ✢

نمل

(۳) حتیٰ اذا اتوا علی واد النمل قالت نملة یا ایہا النمل[1] ادخلوا مساکنکم لا یحطمنکم[2] سلیمان وجنودہ وھم لا یشعرون۔ (نمل) ✢

ترجمہ۔ یہاں تک کہ جب قوم نمل کی میدان میں پہنچی تو اس قوم کی رئیس عورت نے اپنے اہل قوم سے کہا کہ اے قوم نمل اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اُن کا لشکر تم کو ناوانستہ آزار پہنچاویں ✢

تفسیر۔ چیونٹی کو بھی نمل کہتے ہیں اور اس نام کا ایک قبیلہ بھی تھا جب اس قوم یا قبیلے کے ملک میں سلیمان کا لشکر پہنچا تو چونکہ دستور ہے کہ لشکری آدمی اکثر اوروں پر زیادتی اور جبر کرتے ہیں اس لئے رئیس قوم نے اپنے اہل قوم کو سمجھا دیا کہ اپنے گھروں میں بیٹھے رہو ✢

آپ دیکھئے کہ سب قوموں میں دستور ہے کہ وہ اپنے نام جانوروں کے نام پر رکھتی ہیں جیسے عرب میں اسد اور کلب کے دو مشہور قبیلے تھے اور ہندوستان میں ناگ بنسی۔ تو کیا درحقیقت وہ شیر اور کتے اور سانپ تھے۔ ایسے ہی نمل بھی جو چیونٹی کو بھی کہتے ہیں اور ایک قبیلہ یا قوم کا نام بھی تھا ✢

مسلمان مفسروں میں سے عجائب پسند اور وہمی خیال کے آدمیوں نے اس قوم نمل کو چیونٹی سمجھا اور شاعروں کی وجہ سے اُس کی بڑی شہرت ہوگئی اور نامسلمان مخالفوں نے اعتراض کی راہ سے اس پر طعن وطنز کئے۔ ایک قوم تو اپنی سادگی سے اور دوسری قوم شرارت سے بہک گئی ✢

قرآن مجید کے جس قدر عربی۔ فارسی اور ہندی ترجمے ہوئے سب نے نمل کا یہی ترجمہ کر دیا حالانکہ یہ نام ہونے کی وجہ سے ترجمہ کے لائق نہ تھا ✢

یونانی زبان کی پُرانی کتابوں میں بھی قوم نمل کا حال ملتا ہے چنانچہ اسطرابو یونانی جو

---

[1] اس میں نمل سے ایسا خطاب کیا گیا ہے جیسا کہ عقلا یعنی آدمیوں سے کیا جاتا ہے نہ کہ جیسا غیر عقلا یعنی حیوانات سے ہوتا ہے۔ جانوروں کی خلقت میں عقل اور نطق رکھا ہی نہیں گیا۔ ولا تبدیل لخلق اللہ ✢

[2] حطم کے معنے روندنے کے نہیں ہیں بلکہ توڑنے کے ہیں۔ چیونٹیوں کے مضمون پر جمانے کے لئے اس کا ترجمہ روندنا کر دیا جاتا ہے ✢

سال عیسوی سے ۶۰ برس پیشتر پیدا ہوا تھا اُس نے اپنی کتاب جغرافیہ میں (جو اب انگریزی میں ترجمہ ہوکر تین جلدوں میں چھپ گئی ہے ۱۸۵۶ء) "مرمی گائیڈ" کا ذکر کیا ہے (اس لفظ کے معنی بھی چیونٹی کے ہیں) کہ وہ زمین سے مٹی کھودتی ہے اور اُس میں سے موتی کے ذرّے نکلتے ہیں۔ اور اُن کے اطراف کے رہنے والے باربرداری لیکر آتے ہیں اور چیونٹیوں سے لڑتے ہیں۔ اور وہ مٹی بھر کر لیجاتے ہیں اور اُس میں سے سونا الگ کر لیتے ہیں۔ اس امر کی تصدیق ہم کو مقرزی کی تاریخ سے ہوئی (یہ مورّخ احمد المقرزی مصر میں سنہ ۱۳۶۰ء سے سنہ ۱۴۴۲ء تک تھا۔ اُس نے عربی میں مسلمانوں کی تاریخ لکھی) کہ جب ہارون الرشید دورہ کرتے ہوئے وادی نمل میں پہنچے تو وہاں کی ایک بڑھیا نے ان کی دعوت کی (عجیب اتفاق ہے کہ سلیمان کے وقت میں بھی شاید اس قبیلہ پر ایک عورت نملہ حکمراں تھی اور ہارون کے وقت میں بھی ایک بڑھیا اس قوم کی رئیس تھی) ہارون نے اس خیال سے کہ یہ گانوں بہت ہی چھوٹا ہے۔ دعوت قبول کرنے میں تامّل کیا آخر قبول کی۔ اور رخصت کے وقت اُس بڑھیا نے کئی تھیلیاں اشرفیوں کی نذر کیں۔ بادشاہ نے تعجب سے پوچھا تو اُس نے جواب دیا کہ ہمارے یہاں ایسا سونا بہت نکلتا ہے[1] +

طیر

(۴۲) وتفقّد الطیر فقال مالی لا اری الھدھد ام کان من الغائبین لاعذّبنّه

[1] سید خیر الدین احمد وزیر سلطنت تونس نے کتاب اقوم المسالک فی احوال الممالک (ص ۳۰۷) میں جس کا ترجمہ نظم الممالک (ص ۶۲) میں ہوا ہے لکھا ہے کہ۔

"مقرزی نے مامون رشید کی ایک حکایت لکھی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی ثروت اور دولت اُنکے عدل کے زمانہ میں کیسی ترقی پر تھی چنانچہ اُس نے لکھا ہے کہ جب مامون رشید نے مصر کے علاقہ کا دورہ شروع کیا تو وہ ہر گانوں میں ایک رات دن ٹھہرتا تھا جب وہ طا رالنمل ایک گانوں میں پہنچا تو وہاں حسب معمول اُس نے قیام نہ کیا اور آگے کو چلا تو ایک بڑھیا اُسی گانوں کی مامون رشید کی خدمت میں آئی اور اُس نے عرض کیا کہ آپ میرے گانوں میں بھی قیام فرماویں جب مامون رشید نے اُس کی التجا کو قبول فرمایا اور وہاں قیام کیا تو اُس بڑھیا نے اپنی حیثیت کے موافق مامون رشید کی اور اُسکے لشکر کی دعوت کا سامان کیا اور جب مامون رشید نے وہاں سے روانہ ہونیکا قصد کیا تو اُس بڑھیا نے دس تھیلیاں اشرفیوں کی ایک ہی سن کے سکہ کی مامون رشید کی نذر گذرانیں مامون رشید اوّل تو اپنی اور اپنے لشکر کی دعوت سے ہی متعجب ہوا تھا جب اُس نے اس قدر اشرفیاں دیکھیں تو اَور بھی زیادہ متعجب ہوا اور بڑھیا سے کہا کہ ہم تیری نذر نہیں لیتے تو ایک غریب بڑھیا ہے اُس بڑھیا نے کہا کہ یہ کوئی بڑی چیز نہیں ہے بلکہ یہ سونا تو ہمارے گانوں کی مٹی میں سے پیدا ہوتا ہے علاوہ اسکے میرے پاس تو بہت کچھ اَور موجود ہے یہ تو کچھ بھی نہیں ہے جب مامون رشید نے یہ سُنا تو اُس کو خوشی قبول کیا اور اُس بڑھیا کی اُس گانوں میں عزّت اور وقعت زیادہ کر دی" +

عذاباً شدیداً اولااذبحنه اولیاتینی بسلطان مبین (نمل) +

ترجمہ۔ اور سلیمان نے لشکر کا جائزہ لیا تو کہا کیا وجہ کہ ہدہد (جو ایک شاید امیر فوج یا مصاحب تھا) نظر نہیں آتا۔ کیا وہ غیر حاضر ہو گیا اس کی میں سزا کروں گا یا قتل کروں گا۔ اگر وہ کوئی معقول عذر نہ پیش کرے گا[ل] +

تفسیر۔ لوگوں نے اردو میں اس کا ترجمہ عجیب کیا ہے کہ اور خبر لی اڑتے جانوروں کی الخ حالانکہ طیرہ کے معنی لشکر کے بھی ہیں۔ حماسہ میں جو علم عربیت کی معتبر اور مشہور کتاب ہے موسیٰ بن جابر کا یہ ایک شعر ہے۔ ے

فما نفرت جنی ولا فل مبردی۔
ولا اصبحت طیری من الخوف دفعاً +

اس کی شرح میں شیخ ابوزکریا یحییٰ بن علی الخطیب التبریزی نے لکھا ہے۔ ویجوز ان یرید بالطیر سوابقه وطوایف خیله التی کانت تذهب فی الغارات والارتباء وتجسیس الاخبار وغیرها (ص ۱۰۲ شرح حماسہ مطبوعہ بونا سے ۱۸۵۸ء) +

ہُدہُد

ہدہد ایک آدمی کا نام ہے اور ایک چڑیا بھی عربی زبان میں ہدہد کہلاتی ہے اور لفظ ہداہد جو کہ ہدہد کی جمع ہے ایک قبیلہ کا نام ہے جو یمن میں تھا (صراح) اور تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان کے زمانہ میں اور آدمی اسی نام کے یا اسی کے قریب اللہجہ نام کے تھے چنانچہ ہدد ۶۶۲ جس کا ذکر کتاب اول سلاطین ۱۱/۱۴ میں ہے ہددعزر ۶۶۲ ۶۶۲ ایضاً ۱۱/۲۳ اور شاید بعض تفسیروں میں ہے کہ ہدہد بلقیس کے چچا کا نام تھا اور ڈاکٹر پوکاک کی تاریخ عرب میں جو سولھویں صدی میں تصنیف ہوئی بلقیس کے باپ کا نام ہدہادبن شرجیل لکھا ہے مفسرین نے لفظ طیر کی مناسبت سے ایک انسان سردار لشکر یا مصاحب حضرت سلیمانؑ مسمی بہ ہدہد کو چڑیا بنا دیا +

عفریت عرش

(۵) قال یاایها الملاء ایکم یاتینی بعرشها قبل ان یاتونی مسلمین ۔ قال عفریت[۲]

[ل] یہ باتیں انسی کی نسبت کہی جاتی ہیں جو کہ مکلف اور ذی عقل ہو نہ چڑیوں کی نسبت +

[۲] قوله تعالیٰ۔ عفریت التاء زایدة لانه من العفر یقال عفریت وعفریته۔ اعراب القرآن +

من الجن انا آتیک بہ قبل ان تقوم من مقامک وانی علیہ لقوی امین (نمل) +

ترجمہ۔ حضرت سلیمان نے فرمایا کہ اے دربار والو تم میں کوئی ہے کہ اس کا تخت اُنکے حکم بردار ہوکر آنے سے پہلے لے آوے قبیلہ جن میں سے عفریت نامی ایک شخص نے کہا کہ آپکے اپنی جگہ سے اُٹھنے سے پہلے مَیں اُس کو لا دیتا ہوں اور مَیں اُس پر قوی اور امین ہوں +

تفسیر۔ عفریت ایک آدمی کا نام تھا اور کسی شہر یا قلعہ کا نام بھی ہوسکتا ہے قاموس میں عفر کے مادہ میں لکھا ہے۔ اسم ارض وقلعة بفلسطين واسم امراة والرجل الكامل

لہ بخاری نے (کتاب الصلوٰۃ و تفسیر میں) روایت کی ہے۔ حدثنا اسحاق بن ابراھیم حدثنا روح ومحمد بن جعفر عن شعبة محمد بن زیاد عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان عفریت من الجن تفلت علی البارحة اوکلمة نحوھا لیقطع علی الصلوٰۃ فامکنی اللہ منه واردت ان اربط الی ساریة من سواری المسجد حتی تصبحوا وتنظروا الیه کلکم فذکرت قول اخی سلیمان ھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی قال روح فردہ خاسئا +

یعنی جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک عفریت جن میں سے میری نماز میں آیا میں نے اُس کو پکڑ لیا اور چاہا کہ مسجد کے ستون سے باندھ رکھوں مگر سلیمان کا قول یاد آیا الخ یہ روایت ثابت اور صحیح نہیں ہے +

اوّل تو یہ کہ یہ ایک خبر واحد ہے جو مفید علم ویقین نہیں ہوتی +

دوسرے یہ کہ اس میں راوی نے ٹھیک وہ الفاظ جو جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائے تھے یاد نہیں رکھے چنانچہ اس کا شک اور تردد او کلمة نحوھا سے ثابت ہے +

تیسرے یہ کہ یہ روایت مُعنعن ہے جس میں شعبہ اور محمد اور ابی ھریرہ اور جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم سے عنعن کرکے روایت ہوئی ہے جو اتصال پر یقیناً حمل نہیں ہوسکتی احتمال ہے کہ ان سب راویوں کے درمیان ایک ایک دو دو واسطہ چھوٹ گیا ہو +

چوتھے یہ کہ حضرت ابوہریرہ سے اکثر غلط روایتیں مشہور ہوگئی ہیں اور خود اُنکے زمانہ میں بھی اُن کی روایت پر لوگ طمانیت نہیں کرتے تھے اور اُن کی روایتوں کو حضرت عائشہ پر عرض کرکے تصحیح یا تغلیط کرتے تھے چنانچہ مسلم نے روایت کی ہے (باب استحباب بدو النعال بالیمنی الخ) حدثنا ابوبکر بن ابی شیبه وابو کریب واللفظ لابی کریب قالا حدثنا ابن ادریس عن الاعمش عن ابی رزین قال خرج الینا ابو ھریرۃ رضی اللہ عنه فضرب بیدہ علی جبھته فقال الا انکم تحدثون انی اکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الخ

یعنی ابو رزین کہتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ ہم لوگوں کے پاس آئے اور اپنا ماتھا کوٹ کے فرمانے لگے کہ تم لوگ کہتے ہو کہ میں جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھتا ہوں الخ پانچویں یہ کہ روح راوی بھی متکلم فیہ ہے جیسا کہ فتح الباری شرح بخاری تصنیف ابن حجر عسقلانی کے مقدمہ کی نویں فصل سے ظاہر ہے پس یہ روایت کسی طرح قابل یقین نہیں ہوسکتی +

ضابط القوی۔ پس یہ عفریت جو حضرت سلیمان کے دربار میں تھا قبیلہ بنی عمالیق سے جو جن کہلاتے ہیں ہوگا اور یہ نام یا تو شہر عفرون کی نسبت سے اُس کا ہوگا یا اُس کا ذاتی نام اور یا اُس کی قوت اور شدّت کی وجہ سے وہ عفریت کہلاتا ہوگا جس کا اشارہ لفظ قوی میں بھی ہے اور یہ تو عجائب پرستوں کی ایک خام خیالی ہے کہ وہ راکش یا دیو تھا +

عبرانی کتابوں میں عفرہ עפרה آدمی کا نام بھی ہے (۱۔ اخبار الایام ۱۴/۴) اور شہر کا نام بھی (قاضیوں کی کتاب ۱۱/۶ ۲۴/۸ ۵/۹) ایسے ہی عفرون עפרון بھی آدمی کا نام ہے۔ (پیدائش ۲۳ باب ۹/۲۵) اور شہر کا نام بھی (۲۔ اخبار الایام ۱۹/۱۳ یوشع ۹/۱۵) +

(۶) قال الذی عندہٗ علمٌ من الکتاب انا اٰتیک بہٖ قبل ان یرتدّ الیک[۵] طرفک فلما راٰہ مستقرًا عندہٗ قال ھذا من فضل ربی لیبلونی ءاشکر ام اکفر (نمل) +

ترجمہ جس شخص کے پاس کتاب کا علم تھا وہ بولا کہ میں اس کو ایک طرفۃ العین میں لادیتا ہوں پھر جب سلیمان نے اس کو اپنے پاس رکھا دیکھا تو کہا کہ یہ میرے خدا کے فضل سے ہے۔ میری آزمایش کو کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری +

تفسیر۔ وہ عفریت تو قوم عمالیق سے تھا اور یہ شخص اہل کتاب میں سے تھا اس نے کہا کہ میں بلقیس کے تخت کو بہت جلد منگوا دیتا ہوں غالباً اس کا تخت ایک معمولی طور کے بیٹھنے کی چوکی ہوگی جسے بلقیس ساتھ لائی ہوگی وہ اس نے بلقیس کے یہاں سے منگوادی اور یہ بات غالباً بلقیس کی اطلاع سے ہوئی چنانچہ دوسری آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جب ملکہ سبا کو وہ تخت دکھلا کے پوچھا گیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے اس نے کہا۔ کانّہٗ ھُو واُوتینا العلم من قبلھا کہ گویا یہ وہی ہے اور ہم کو معلوم ہوچکا آگے سے۔ قصّہ گو مفسّروں نے محض ان سیدھی سادی باتوں کو افسانہ کا رنگ دینے کو بہت کچھ مبالغے کئے ہیں کہ بلقیس کا تخت حد سے زیادہ مثلاً ۸۰ گز لمبا تھا اور وہ اس کو سات کوٹھڑیوں میں سبا میں بند کر آئی تھی اور اس پر پہرے کھڑے تھے اور آصف وزیر سلیمان نے درحقیقت ایک طرفۃ العین میں اس طور سے منگادیا۔ کہ اسم اعظم[۶] پڑھا اور وہ تخت زمین کے نیچے ہی نیچے چلا آیا اور سلیمان علیہ السلام کے قریب آکر زمین سے پیدا ہوگیا۔ قرآن کے مضمون میں کوئی ایسا مضمون خلاف مجرائے طبعی اور فسانہ کے طور پر نہیں ہے۔ مگر قصّہ خوانوں نے اپنی سے لغو اور بیہودہ حکایتیں بڑھا اور ملا کے

---

[۵] انہ اراد المبالغۃ فی السرعۃ کما یقول لصاحبک افعل ذالک فی لحظہ و ھذا قول مجاھد الخ۔ تفسیر کبیر رازی +

[۶] ذوق اسمار الٰہی میں سب اسم اعظم اس کو ہر نام میں عظمت ہے نہ ایک نام میں خاص +

اسی اصلی باتوں کو ایک تمسخر بنا دیا ہے +

کشفِ ساق

(۷) قیل لها ادخلی الصرح۔ فلما رأتہ حسبتہ لجۃ وکشفت عن ساقیہا قال انہ صرح ممرّد من قواریر۔ (نمل) +

ترجمہ۔ کسی نے کہا اس عورت کو اندر چل محل میں تو جب دیکھا اس نے وہ سمجھی کہ پانی ہے اور گھبرائی (کہ کیونکر جاؤں) کسی نے کہا یہ تو ایک محل ہے اس میں شیشے جڑے ہیں +

تفسیر۔ کشف ساق سے کنایتاً گھبراہٹ مراد ہے کیونکہ جب کوئی ہنگامہ برپا ہو یا معرکہ جنگ میں شکست ہو لڑ پڑے اور ہل چل اور بھاجڑ پڑے تو عرب کے لباس کے مقتضا سے پنڈلیاں کھل جائیں گی +

پس یہاں یہ ترجمہ بہت ہی مناسب اور چسپاں ہے۔ قرآن مجید میں ایک جگہ اور بھی کشفِ ساق کا ذکر ہے یوم یکشف عن ساقٍ (ن) اور یہاں قیامت کے ہول اور گھبراہٹ اور ہڑاہڑ اور افراتفری مچ جانے سے یہی صاف اور صحیح معنی ہو سکتے ہیں کہ جس دن ہلڑ مچے۔ نہ یہ کہ حقیقت میں کسی کی پنڈلی کھل جائے اور عرب کا ایسا محاورہ بھی ہے کہ جب لڑائی میں شدّت ہو۔ تو کہتے ہیں۔ کشفتِ الحرب عن ساقٍ۔ جو لوگ یہاں پر یہ معنی مراد لیتے ہیں کہ ملکہ سبا نے اپنی دونوں پنڈلیاں ننگی کر دیں تاکہ اس پانی میں اُتر جاوے وہ صرف اس لغو قصّہ کی رعایت سے ایسا کہتے ہیں یعنی حضرت سلیمانؑ سے جنّات نے کہا تھا کہ ملکہ بلقیس ایک جنّیہ کے پیٹ سے ہے اور اس کی پنڈلیوں پر بال ہیں اور اس کے پیر گدھے کے کھُر کی مانند ہیں تو اس امر کی تحقیق کے لئے حضرت سلیمانؑ نے یہ سب سامان کیا تھا مگر حضرت سلیمانؑ کی نبوت اور حکمت پر نظر کرنے سے یہ قصّہ محض واہیات معلوم ہوتا ہے اور یقیناً جھوٹ ہے یہ اُن کا بادشاہی سامان تھا۔ اور اس پانی کو دیکھکر ملکۂ سبا گھبراتی تھی کہ کیونکر جاؤں اتنے میں کسی نے کہدیا کہ اس پانی پر آئینہ کا فرش ہے +

(۸)۔ اس مضمون میں ہم نے تفسیروں کی عبارتوں سے اور مختلف مفسّروں کے اقوال سے بحث نہیں کی۔ ہمیں ہندی سادہ و سرسری۔ صرف قرآن مجید کی عبارت اور اس پر ضروری امر متعلق تھا لکھدیا ہے کیونکہ اس تحریر سے مقصود ہے کہ قرآن مجید میں جو ایسی باتیں ضمناً تفسیر کے لباس اور قصّہ خوانوں کی وجہ سے داخل سمجھی جاتی ہیں اُن سے مضمون قرآنی کو پاک کیا جاوے۔ اور جو سچّی اور سیدھی بات ہو وہی راست راست بیان کی جاوے اور جو کچھ اعتراضات منکروں

کی طرف سے ان مضمونوں پر وارد ہوتے ہیں اُن کو یہ بات صاف صاف دکھلا دینی چاہیئے۔ کہ اس قدر تو امر حق اور واقعی ہے اور اس قدر لغو اور جھوٹ ہے اور جس قدر جو مضمون قرآن میں ہے وہ تاریخی واقعات اور مجرائے طبعی کے موافق ہے۔ اگر تفسیروں میں جھوٹے قصّے اور خلافِ حقیقت حکایتیں بھری ہوں تو اس سے قرآن اُس کا ذمہ وار اور جوابدہ نہیں ہوسکتا +

بعضے بعضے ہوشیار اور حکیم مزاج مفسّروں کو بھی یہ بات معلوم تھی کہ یہ قصّے تفسیروں کے پیرایہ میں اعتراض کے قابل ہیں اور اُنہوں نے اپنے زمانہ کے علم و حکمت کے رنگ اور مقدور کے موافق اس کے جواب دینے اور اعتراض اُٹھانے پر کوشش بھی کی مگر پھر بھی اُنہوں نے جواب دینے میں ایک عمدہ اصول کو نظرانداز کر دیا وہ یہ کہ اُنہوں نے قرآن کے سچے مضمون اور تفسیروں کی جھوٹی کہانیوں میں تمیز نہیں کی الاکہیں کہیں +

امام فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر میں سورۂ نمل کی تفسیر میں اُنہیں آیتوں کے ذیل میں لکھا ہے:۔

انّ الملاحدۃ طعنت فی ھٰذہ القصۃ من وجوہٍ۔ احدھا ان ھٰذہ الآیات اشتملت علیٰ انّ النملۃ والھُدھد تکلما بکلامٍ لا یصدر ذٰلک الکلام الا من العقلاء وذٰلک یجر بہ الی السفسطۃ فانا لو جوّزنا ذٰلک لما امنا فی النملۃ التی تشاھدھا فی زماننا ان یکون اعلم بالھندسۃ من اقلیدس وبالنحو من سیبویہ وکذا القول فی القملۃ والصّبیان ویجوز ان یکون فیھم الانبیاء والتکالیف والمعجزات ومعلوم ان من جوّزہ کان الی الجنون اقرب۔ وثانیھا ان سلیمان علیہ السلام کان بالشّام فکیف طار الھدھد فی تلک اللطیفۃ من الشام الی الیمن ثم رجع الیہ +

والجواب عن الاوّل ان ذٰلک الاحتمال قائم فی اوّل العقل وانّما یدفع ذٰلک بالاجماع وعن البواقی ان الایمان بافتقار العالم الی القادر المختار یزید ھٰذہ الشکوک +

اور پھر دوسری جگہ لکھا ہے وھٰھنا سوال وھو انہ کیف یجوز والمسافۃ بعیدۃ عن ینتقل العرش فی ھٰذا الزمان وھٰذا تقتضی اما القول بالطفرۃ او حصول الجسم الواحد دفعۃ واحدۃ فی مکانین۔ جوابہ ان المھندسین قالوا کرۃ الشمس مثل کرۃ الارض مائۃ واربع وستین مرّۃ ثم ان زمان طلوعھا زمان قصیر فاذا قسمنا زمان طلوع تمام القرص علیٰ زمان القدر الذی بین الشام والیمن کانت اللمحۃ کثیرۃ فلما ثبت عقلاً امکان وجود ھٰذہ الحرکۃ السریعۃ وثبت انہ تعالیٰ قادر علیٰ کل الممکنات زال السّوال۔ (از نسخہ قلمی) +

بھلا وہ قصّے تو عجیب تھے ہی یہ جواب اُن سے بھی زیادہ عجائب و غرائب ہیں خیر اُس زمانہ میں شاید یہی جواب کافی ہوگا +

ہم نے جو ترجمہ اور مختصر سی تفسیر کر دی ہے اس سے سب قسم کے اعتراضات خواہ وہ علوم حکمیہ کی قسم سے ہوں یا تاریخی واقعات کی قسم سے رفع ہو جاتے ہیں اور سچا مضمون قرآن کا ثابت ہوتا ہے +

اور مضامین حضرت سلیمانؑ کے جو سورۂ سبا۔ انبیا اور ص میں ہیں اُن پر پھر کبھی نظر کی جائے گی +

تسخیرِ ریح۔ جہاز رانی۔ عین القطر یعنی صناعت سے پگھلا ہوا تانبا اور اُس کا مقام۔ جنّ و شیاطین۔ صُور کے ملک کے پہاڑی آدمی جو فنون اور دستکاری و جہاز رانی میں بڑے صنّاع اور اُستاد کار تھے۔ بِاِذْنِ رَبِّہٖ۔ یعنی حورام کاریگر کا اپنے بادشاہ کی اجازت سے حضرت سلیمانؑ کا کام کرنا۔ اُسکی صنّاعیوں کی تفصیل صُحُفِ سابقہ سے قرآن مجید کی تطبیق اور تصدیق اور انکشافاتِ جدید کی توقّع

(۱) قرآن مجید میں تین جگہ فرمایا ہے کہ ہوا کو سلیمان علیہ السلام کے تابع یعنی مسخّر کر دیا تھا۔ ولسلیمان الریح غدوھا شھر و رواحھا شھر۔ (سبا۔ رکوع ۲) ولسلیمان الریح عاصفۃ تجری بامرہٖ الی الارض التی بارکنا فیھا۔ (انبیا رکوع ۶) وسخّرنا لہ الریح تجری بامرہٖ رخاءً حیث اصاب (ص رکوع ۳) +

سورہ ابراہیم میں ہے وسخر لکم الفلک لتجری فی البحر بامرہٖ وسخر لکم الانھار وسخر لکم الشمس والقمر دائبین وسخر لکم اللیل والنھار +

ترجمہ۔ اور کام میں دی تمہارے کشتی کہ چلے دریا میں اُسکے حکم سے اور کام میں دیں تمہارے ندیاں اور کام میں دیئے تمہارے سورج اور چاند ایک دستور پر اور کام میں دیئے تمہارے رات اور دن +

ان آیتوں سے صاف کھُلتا ہے کہ قرآن میں تسخیر کا مضمون کس محاورہ پر آتا تھا یہ عوام الناس کی تسخیر نہیں ہے جو پریوں کو تسخیر کرتے ہیں اور منتر پڑھتے ہیں۔ بلکہ جملہ اہل عالم کا ان چیزوں سے قدرتی

طور پر متمتع ہونا ان چیزوں کا اُن کے مسخر ہو جانا ہے ورنہ کسی نے ہم میں سے کوئی پڑھنت پڑھکر کشتیوں اور دریاؤں کو اور چاند اور سورج اور رات اور دن کو مسخر نہیں کیا ہے +

(۲)۔ مفسرین تو یہ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ ایک اُڑن کھٹولے[ل] پر سوار ہو کر معہ سازوسامان وحشم وخدم اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر یعنی ممالک شام وایران ویمن وفلسطین یا دمشق سے اسطخر اور فارس اور وہاں سے کابل کی سیر کیا کرتے تھے مگر مفسرین کا قاعدہ ہے کہ جب وہ کہینگے تو ایک انوکھی بات کہینگے جس کا کچھ پتہ ٹھکانا نہ ہو وہ اپنے خیال کی بلند پروازیوں سے ہم کے گھوڑے دوڑاتے ہیں + ؎

میرے توسن کو صبا باندھتے ہیں
شعرا اپنی ہوا باندھتے ہیں

وہ کبھی تاریخانہ تحقیقات پر متوجہ نہیں ہوتے۔ وہ جو شام کی کسی لڑائی میں ایک بار شُتر یہود کے قصہ کہانیوں کا ل گیا تھا وہی اُن کا مایۂ بساط ہے حالانکہ حضرت سلیمانؑ کی تاریخی کتابیں جو یہود کے مجموعہ اربع عسریم کے صیغہ کتوبیم میں مدون ہیں۔ اگر اُن پر رجوع کرتے تو انہیں ان آیات کی تفسیر میں بادہوائی قصہ کہانی لکھنے کی ضرورت نہ پڑتی +

(۳) کتاب سلاطین اور اخبار الایام کے ملاحظہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے بنی اسرائیل میں اوّل اوّل جہاز رانی شروع کی اُن کے دو بڑے بڑے بیڑے بحر روم اور بحر ہند میں آسمان سے باتیں کرتے ہوئے ہوا کے رُخ پر چلتے تھے۔ اور چونکہ اُس زمانہ میں دخانی جہاز نہ تھے اور بادی جہاز بغیر تسخیر ہوا کام نہیں دیتے۔ اُن کی رفتار ایسی تھی کہ صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک اس قدر مسافت طے کر جاتے تھے جو اُس زمانہ میں ایک مہینے کے سفر میں طے ہوسکتی تھی اور الی الارض التی بارکنا سے بھی اُن کی واپسی پر اشارہ ہے پس سلیمان علیہ السلام کے ان جہازوں کا چلنا اور ہوا کا مسخر ہونا ایک ہی بات ہے۔ قرآن کوئی تاریخ کی کتاب نہیں جس میں مفصل کیفیت لکھی جاتی بلکہ اس میں تو بسبیل تذکرہ فضایل سلیمان علیہ السلام اور انعامات الٰہی کے بیان میں اس بات پر اشارہ ہے جو تاریخ کی کتابوں میں مفصل لکھی ہوئی ہے +

(۴) سِفر الملوک اوّل (ب ۹) میں لکھا ہے (۲۶) پھر سلیمان بادشاہ نے عصیون جبر میں جو ایلوث کے نزدیک ہے دریائے قلزم کے کنارہ پر جو ادوم کی سرزمین میں ہے جہازوں کے بحر بنائے اور حیرام نے اُس بحر میں اپنے جاکر ملاح جو سمندر کے حال سے آگاہ تھے سلیمانؑ کے چاکروں کے ساتھ کر کے بھجوائے اور وے اوفیر کو گئے۔ اور کتاب سفر الایام ثانی (ب ۲) میں

ل غبارہ کا احتمال ہوسکتا ہے مگر اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے +

حیرام کا قول بخطاب سلیمان منقول ہے (۱۶) ہم جتنی لکڑیاں تجھ کو درکار ہیں لبنان میں کاٹینگے اور اُنہیں بیڑا بندھوا کے سمندر پر سے تیرے پاس یافا میں پہنچاویں گے۔ پھر اسی کتاب کے باب آٹھ میں ہے۔ اُس وقت سلیمانؑ سمندر کے کنارے ادوم کے ملک میں عصیون جبیر اور ایلوث کو گیا اور حورام نے اپنے نوکروں کے ہاتھ سے جہازوں کو اور ملاحوں کو جو سمندر کے حال سے آگاہ تھے اُس پاس بھیجا اور وے سلیمانؑ کے چاکروں کے ساتھ اوفیر کو گئے اور وہاں سے ساڑھے چار سَو قنطار سونا لیا اور سلیمانؑ بادشاہ کے پاس لائے +

پھر اسی کتاب کے نویں باب میں لکھا ہے۔ کہ بادشاہ کے جہاز حورام کے نوکروں کیساتھ طرسیس کو جاتے اور وہاں سے اُن پر تین برس میں ایک بار سونا اور روپا اور ہاتھی دانت اور بندر اور مور اُسکے لئے بھیجتے تھے۔ اس سے ثابت ہے کہ مقام عصیون جبر میں حضرت سلیمانؑ نے جہاز بنوایا تھا اور وہ جہاز اوفیر کو جاتا تھا اور دوسرا جہاز طرسیس کو جاتا تھا +

(۵) محققین نے اس امر میں اختلاف[۵۱] کیا ہے کہ اوفیر کس مقام پر تھا اس شہر کا نام صحیفہ ایوب ۲۲/۲۴ میں بھی ہے۔ ترجمہ یونانی سبٹواجنٹ میں اوفرہ کی جگہ سفرہ لکھا ہے۔ بعضے تو ہاتھی دانت اور بندر اور طاؤس کے قرینہ سے اس کو ہندوستان کا کوئی شہر جو مغرب کے کنارہ پر ہوگا بتلاتے ہیں اور بعضے اُس کو افریقہ کا مشرقی کنارہ بتلاتے ہیں اور لفظ تکوہیم کا ترجمہ طوطوں کی ایک قسم کرتے ہیں نہ کہ طاؤس۔ آدریسی نے اپنے جغرافیہ میں سفرا کو افریقہ میں قائم کیا ہے اور بطلیموس نے ایک سفرا عرب میں اور ایک ہندوستان میں لکھا ہے +

شاید طرسیس وُہی ملک ہے جو قرطاجنہ کے پاس افریقہ کے کنارہ پر ہے اور اب تونس[۵۲] کے نام سے موسوم ہے۔ مگر ان باتوں کی تحقیق خارج از بحث ہے اس لئے اوفیر اور طرسیس کی بحث میں جو جغرافیہ کے متعلق ہے کوئی قطعی بات نہیں کہی جاتی +

وَ اَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ[۵۳]۔ (سبا) +

(۶) شاہ ولی اللہ صاحب کا ترجمہ ہے "و روان ساختیم برائے او چشمۂ مس" اور شاہ

---

۵۱ دیکھو ہارن کی تفسیر جلد ۳ صفحہ ۷۰۰۔ اور ہمبلٹ کی کتاب الکائنات (ج ۲ ص ۲۴۹ و ۵۰۰) اور خطبات الاحمدیہ تصنیف مولوی سید احمد خاں بہادر نجم الہند خطبہ جغرافیہ عرب +

۵۲ تونس مدینۃ کبیرۃ محدثۃ بافریقۃ علی ساحل البحر عمرت من انقاض قرطاجنہ وھی علی میلین ھہنا وکان اسمہ تونس۔ طرسیس۔ ابو الفداء +

۵۳ مشہور ہے کہ عربی زبان میں عین کے بہت معنی ہیں چنانچہ عین کے معنے گزیدہ ہر چیز ہے شخص و نفس ہر چیز بھی ہیں۔ صراح اور قاموس میں ہے ذات الشی والسید پس یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ ہم نے اس کیلئے عمدہ تانبا پگھلا دیا +

عبدالقادر صاحب کا ترجمہ ہے۔" اور بہادیا ہم نے اُسکے واسطے چشمہ پگھلے تانبے کا" مگر تانبا جو ایک معدنی جوہر ہے وہ پگھلا ہوا نہیں ہوتا بلکہ جملہ جواہر کانی یعنی معدنیات بجز پارے کے سخت اور صلب ہوتے ہیں۔ قِطر کے معنی جمال قرشی نے صراح میں مس کے لکھے ہیں۔ اور فیروز آبادی مجدالدین نے قاموس میں اسکے معنے (نحاس الذائب او ضرب منه) یعنی پگھلا تانبا یا اُس کی ایک قسم۔ اس میں قدرت کا بیان نہیں ہے کیونکہ فطرت میں تانبا پگھلا ہوا نہیں ہوتا بلکہ صنعت کا بیان ہے جس سے سمجھا جاویگا کہ حضرت سلیمان نے تانبے کے پگھلانیکا[1] کارخانہ جاری کیا ہوگا۔ جو کہ بیت المقدس اور بیت الملک وغیرہ عمارات شاہی کے مصرف میں آتا ہوگا +

(۷) پس جو کچھ اس میں علم حقایق اشیاء کی جہت سے اعتراض ہوتا ہے وہ تو رفع ہوگیا اب اس پگھلے تانبے کے چشمہ کا تاریخی ثبوت باقی رہا اور وہ یہ ہے:-

سفر الملوک الاوّل جو ملاخیم کی پہلی کتاب ہے اور اردو ترجموں میں سلاطین کی پہلی کتاب کہلاتی ہے اُس کے ساتویں باب کی ۱۳ اور ۱۴- آیت میں ہے:-

پھر سلیمان بادشاہ نے صور سے حیرام کو بلا بھیجا اور وہ نفتالی فرقہ کی بیوہ عورت کا بیٹا تھا اور اُس کا باپ صور کا آدمی ٹھٹیرا تھا اور وہ دانش اور عقلمندی اور حکمت سے کہ پیتل کے سب طرح کے کام کرے معمور تھا۔ سو وہ سلیمان بادشاہ پاس آیا اور اُس کا سب کام کیا اور اسی باب میں تانبے سے جو چیزیں بنائی گئیں اُن کی تفصیل بھی لکھی ہے اور پھر کتاب سِفر الایام الثانی جو اخبار الایام کہلاتی ہے اُس کی دوسری کتاب کے دوسرے باب کی ۱۳ و ۱۴- آیت میں ہے" اور اب میں حورام ابی ایک ہوشیار شخص کو جو کہ امتیاز کرنا جانتا ہے بھیجتا ہوں اور وہ دان کی بیٹیوں میں سے ایک عورت کا بیٹا ہے پر اُس کا باپ صور کا ایک شخص ہے وہ سونے روپے اور پیتل اور لوہے اور پتھر اور لکڑی اور ارغوانی اور آسمانی اور کتانی اور قرمزی اور ہر طرح کے نقشہ کا کام جانتا ہے اور ہر ایک منصوبے کو جو اس سے پوچھا جاوے اُس کے ایجاد کرنے میں ماہر ہے +

اصل عبرانی میں نحاس کی جگہ נחשת (نحشت) ہے اور وہ ایک ہی لفظ ہیں جسکے معنی تانبے کے ہیں +

اور کتاب وبری ہیم ۲ (۱۶/۴) میں נחשת מרוק نحشتہ مروق یعنی نحاس مروق اور وہ یہی قطر۔ مسِ گداختہ اور پگھلے تانبے کے بنے ہوئے برتن تھے ترجمہ عربی میں نحاس نقی) اور کتاب ۱۰ ملاخیم میں (۷/۴۵) נחשת ממרט نحشتہ ممرط جس کا عربی میں ترجمہ نحاس رومی ہے یعنی صاف بنایا ہوا تانبا +

---

[1] اسلنا۔ اذبنا۔ جلالین +

(۸) یہود کی انہیں کتب مقدّسہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ چشمہ تانبے کا یعنی وہ مقام جہاں تانبا پگھلایا گیا تھا اردن کے میدان میں کھنکھناتی مٹّی ہیں سوکوث (ساخوت) اور صرطان۔ (صاروانا) کے درمیان میں تھا دیکھو اخبار الایام ۲/۴ و سلاطین اول ۷/۴۶) +

مفسّرین اس کو قدرتی چشمہ تبلاتے ہیں اور یہ خلافِ فطرت ہے اور اس کی جگہ ملکِ یمن میں تبلاتے ہیں اور یہ خلاف حقیقت ہے +

(کاریگران)

(۹) ومن الشیاطین من یغوصون له یعملون عملاً دون ذالك وکنّا لهم حفظین (انبیا) والشیاطین کل بنّاء وغوّاص۔ واخرین مقرّنین فی الاصفاد (ص ۳ع) ومن الجنّ من یعمل بین یدیه باذن ربّه ومن یزغ منهم عن امرنا نذقه من عذاب السّعیر۔ یعملون له مایشاء من محاریب وتماثیل و جفانٍ کالجوابِ وقدورٍ راسیاتٍ اعملوا اٰل داوٗد شکراً وقلیل من عبادی الشکور (سبا ع۲) +

ان میں کوئی اصطلاحی جن و پری اور خیالی شیاطین و دیو مراد نہیں اور نہ وہ ہوائی جنّات ہیں جن کو تشکّل باشکال مختلفہ کا اختیار رہے اور نہ وہ شیاطین ہیں جن کو شیطان پرستوں نے معبود باطل اور شفیع مان رکھا ہے بلکہ یہاں جن اور شیطان اُن کاریگروں اور اُستاد کاروں کو کہا ہے جن کو حیرام ۲ نے حضرت سلیمان کی درخواست پر بیت المقدس کی تیاری اور بنانے کے لئے بھیجدیا تھا اور نیزان ملّاحوں اور جہازی کام دینے والوں کو کہا ہے جن کو اسی حیرام ۲ بادشاہ صور نے حضرت سلیمان کے جہازوں پر کام کرنے کو بھیجدیا تھا۔ اور نیزان غیر قوم کے آدمیوں کو کہا ہے جو بنی اسرائیل کی قوم سے نہ تھے اور غیر یم کہلاتے تھے۔ جن کو تعمیر کے کام پر لگایا تھا۔ انہیں تینوں قسموں کے آدمیوں نے بیت المقدس اور شاہی تعمیرات اور جہاز رانی کے کام کئے اور یہی لوگ جن اور شیطان اور بنّاء اور غوّاص +

(۱۰) جب سلیمان نے بیت المقدس (مسجد اقصےٰ) بنانے کی تیاری کی تو حیرام بادشاہ صور کو کہلا بھیجا کہ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت داوٗد کی جو مراد بیت المقدس بنانے کی تھی وہ تو لڑائیوں کے شغل سے پوری نہیں ہونے پائی مگر اب میں چاہتا ہوں کہ اس کو پورا کروں الّا میری قوم میں صیدانیوں کی طرح لکڑی کاٹنے کے کام جاننے والے نہیں ہیں (۱ سلاطین ب ۵ - ۲ اخبار باب ۲/۱) چنانچہ حیرام ۲ نے ایک مرد عارف بھیجدیا جو معدنیات کے کام اور نقّاشی وغیرہ میں استاد تھا (سفر الایام - ب ۲/۱۴) +

اور اپنے لڑکوں کو اجازت دی کہ جبل لبنان سے دریا تک ارز اور سرو کی لکڑیاں پہنچا دیں اور سلیمانؑ کے بنّار (عمارت بنانیوالے) اور حیرام کے بنّا اور جبلیوں یعنی پہاڑی آدمیوں نے لکڑی اور پتھر تراشے (کتاب اوّل سلاطین ۵/۱۸ و ۶/۸) +

(۱۱) پھر جب سلیمان علیہ السلام نے عصیون جبر کے مقام پر جہاز بنوایا تو حیرام ۲ بادشاہ صور نے بہت سے ملّاح جو فن جہاز رانی کو خوب جانتے تھے بھیج دیئے (۱ سلاطین ۹/۲۷ ۲ اخبار ۸/۱۸) اور حورام نے اپنے نوکروں کے ہاتھ سے جہازوں اور ملّاحوں کو جو سمندر کے حال سے آگاہ تھے۔ اس پاس بھیجا۔ انہیں کو قرآن مجید میں غوّاص کہا ہے۔ وہ جواہرات اور سونا وغیرہ بھی لاتے تھے (۱ سلاطین ۹/۲۸ ۲ اخبار الایام ۹/۱) +

(۱۲) پھر اقوام غیر میں سے جو لوگ بقیۃ السیف کنعان میں بچ رہے تھے حضرت سلیمان نے اُن کا شمار کر کے (جو ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ پائے گئے) اُن کو مصالح ڈھونے اور پہاڑ کھودنے کے کام پر لگایا (۲ اخبار الایام ۲/۱۷ و ۱۸) یہ بھی جنّ و شیطان کہلائے جو کہ اموریوں۔ حیثانیوں۔ فرزانیوں۔ حوائیوں اور یابوسیوں کی قوم سے تھے +

(۱۳) پس یہ تو سب انسان اور بنی آدم ہی تھے جن کو جنّ اور شیطان کہا ہے نہ کہ وہ جنّ اور شیطان جن کو عوام نے اپنے ذہن سے عجیب عجیب خواص اور کیفیتوں کی ارواح بنا لیا ہے اب یہ بات کہ جن آدمیوں کو عبرانی زبان کی کتب ملاخیم اور وبری ہیمیم میں בנים (بنی۔ تعمیر کرنیوالے کتاب اول سلاطین ۵/۳۲ و ترجمہ عربی ۵/۱۸) +

اور אנשי אניות ידעי הים انیثی انیوث یدع ہیم۔ ملّاح لوگ سمندر جاننے والے (کتاب اوّل سلاطین ۹/۲۷) اور גבלים جبلیم۔ پہاڑی (کتاب اوّل سلاطین ۵/۳۲ ترجمہ انگریزی ۵/۱۸) اور נכרים غیریم۔ اجنبی اور اغیار (جن کو عربی ترجمہ میں رجال الغربا لکھا ہے ۲۔ اخبار الایام ۲/۱۷) اور وہ لوگ صور اور صیدا اور جبل لبنان کے رہنے والے اور غیر قوم کے تھے اُن کو قرآن مجید کے عربی الفاظ میں جنّ اور شیاطین کیوں کہا +

(۱۴) اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تعجب یا اعتراض معترض کے سبق ظن سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ عام طور پر سب کے ذہن میں یہ بات سمائی ہوئی ہے کہ جنّ ایک خاص قسم کی ایسی مخلوق ہوا میں رہتی ہے اور شیطان بھی ایک وجود خاص ہے جو آدمیوں کو بہکاتا پھرتا ہے۔ اسلئے جب یہ الفاظ سننے میں آتے ہیں فوراً وہی خیالات پیش نظر ہو جاتے ہیں۔ اگر ان توہمات سے انسان خالی الذہن ہو تو نہ کچھ تعجب ہوگا اور نہ اعتراض کا موقع ملیگا البتہ زبان نہ جاننے سے جو دقّت پیش آویگی وہ کتب لغات سے رجوع کرنے اور علم مطابقت السنہ کے پڑھنے سے دُور ہو جاویگی +

(۱۵) عرب کے محاورہ میں اُس شخص کو جو اُستاد فن یا بڑا کاریگر اور تیز و چالاک اور عارف اور حاذق ہو جن اور شیطان کہتے ہیں اس محاورہ کی تصدیق شیخ ابو زکریا یحییٰ بن علی الخطیب التبریزی کی شرح حماسہ سے ہوتی ہے جس کے صفحہ ۱۸۲ مطبوعہ ۱۸۲۸ء میں لکھا ہے قال ابو العلاء[1] کانت العرب تذکر الجن کثیرا و تشبہہ الرجل النافذ فی الامور بالجنی والشیطان فلذلک قالوا انفوت جنہ اوا ضعف وذل الخ پس جس شخص کو یہود کی کتب مقدسہ میں برجلا حکیما عارف الفہم (سفر الایام الثانی ۲/۱۳) اور رجلاً حاذقا الصناعۃ النحاس لہما حکمۃ و عقلا ۔ (سفر الملوک الثالث ۷/۱۳) لکھا ہے اسی کو اور ایسوں ہی کو قرآن میں عرب کے محاورہ پر جن اور شیطان کہا ہے +

(۱۶) علاوہ ازیں ملک صور یا شہر صور اور جبل لبنان کے رہنے والے جن اس وجہ سے کہلائے ہیں کہ عربی میں جنان پہاڑ کو بھی کہتے ہیں (قاموس) پس جو لوگ لبنان پہاڑ کے رہنے والے عبری میں דדדם جلیم کہلائے اُن کو عربی میں ۔ جن ۔ ترجمہ کرنا بہت ہی صحیح ہے ۔ اس کے علاوہ جو چیز نظر نہ آوے اُس کو بھی جن کہتے ہیں (دکل مستور ۔ قاموس) اور چونکہ یہ سب آدمی بنی اسرائیل سے غائب لبنان کے پہاڑ پر لکڑی اور پتھر کا کام کرتے تھے اور وہاں سے بنے بنائے پتھر اور تراشی ہوئی لکڑیاں بھیجتے تھے اور بیت المقدس کے مقام پر نہ ہتوڑے کی آواز سُنی گئی اور نہ پہاوڑے کی (اسلاطین ۶/۷) اس لئے بھی اُن کو جن کہنا درست ہوا +

(۱۷) اور اُن کو شیطان کہنا بھی لغت کی راہ سے بہت درست ہے کیونکہ شیطان کے معنی مخالف اور دشمن کے ہیں خواہ وہ حقیقی وجود ہو جیسے آدمی یا حیوان خواہ کوئی ذہنی بات ہو جیسے مرض یا کوئی روح ۔ چنانچہ صراح اور قاموس میں شیطان کے معنی میں لکھا ہے کل عات متمرد من الجن والانس والدواب فہو شیطان ۔ اور معلوم ہے کہ بنی اسرائیل اپنے ماسوا جملہ اقوام کو اپنا مخالف اور دشمن جانتے تھے خواہ وہ مخالفت مذہبی ہو یا مدنی و ملکی ۔ جو لوگ کہ کنعان کے قدیم بت پرست قوم کے بقیۃ السیف رہ گئے تھے اور جن کو بنی اسرائیل نے ہلاک نہیں کیا تھا وہ یقیناً مذہبی اور ملکی طور سے اُن کے مخالف تھے اور صور یا جبل لبنان کے رہنے والے بھی مذہبی مخالف تھے صور کا ملک حضرت داؤد کا فتح کیا ہوا ملک تھا اور گو بادشاہ صور اور سلیمان میں مصالحت تھی مگر قومی اختلاف صرف دو آدمیوں کے اتفاق سے رفع نہیں ہو سکتا ہے +

سلیمان کے زمانہ تک شیطان کی نوعیت اور اس کا کام ایسا نہیں سمجھا جاتا تھا جیسا کہ

---

[1] ابو العلاء احمد بن عبد اللہ بن سلیمان المعزی ۔ س ح ع +

[2] اول سلاطین ۹/۲۰ و ۲۱ +

عیسائیوں اور مسلمانوں کے عُرف میں ہے اس وقت تک اُس کو اصلی مخالف کی جگہ بولتے تھے +

پس اب کلام الٰہی کے معنی بہت صاف ہو گئے جس کو ہر ایک عاقل اور حکیم تسلیم کریگا۔ اور کتبِ سابقہ سے اسکے مضمون کی تصدیق اور تطبیق بھی عُمدہ طور سے ہوگی۔ والحمد للہ علیٰ ذالک +

(۱۸) سورۂ سبا کی آیت جو اوپر لکھی گئی وہ کسی قدر تفصیل کی محتاج ہے اُسکی تفسیر یہ ہے +

آیۃ۔ ومن الجنّ من یعمل بین یدیہ باذن ربّہ +

ترجمہ۔ اور اُن پہاڑیوں میں ایک یا کئی آدمی سلیمان کے پاس کام کرتے اپنے مالک کی اجازت سے +

تفسیر۔ اور سب لوگ پہاڑوں پر شہر صور میں لکڑی اور پتھر کا کام کرتے تھے اور غواص وہاں سے آئے تھے وہ جہازوں پر سمندر میں کام کرتے تھے مگر ایک شخص حورام خاص سلیمان علیہ السلام کے پاس کام کرتا اور حیرام ثانی بادشاہ صور کی اجازت سے آیا تھا۔ یہ مضمون کتاب ملاخیم اور کتاب وبریہیم سے اچھی طرح ثابت ہے اس کے مقامات مناسب کی نقل دوسری دفعہ میں گذری ہے شاید اور بھی ایسے ہی صنّاع وہاں حاضر ہونگے +

(۱۹) یہ جنّ جبلی یا پہاڑی کاریگر بادشاہ صور کا بھیجا ہُوا آیا تھا اخبار الایّام ثانی ۲/۱۴)

پس باذن ربہ سے مراد باذن ملک حیوام ہے اور مالک آقا کو رب کہنا ایک معروف بات ہے۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کے بڑے بھائی کو اُن کا رب کہا۔ اذھب انت وربّک فقاتلا انا ھٰہنا قاعدون (مائدہ ۴) +

حضرت یوسف نے اپنے آقا کو رب کہا۔ ان ربی احسن مثوای (یوسف ۱۳ع) اور فرعون کو اسکے ملازم کا رب کہا اما احدکما فیسقی ربہ خمرا (ایضاً ۵ع) اور اذکرنی عند ربک کا (" ") اور یہود اپنے اُستاد اور معلم کو ربّی کہتے ہیں جیسے ربی قحیی اور ربی میمو اور ربی شلومون یوحائی۔ اور قرآن مجید میں بھی ان کو ربّیون (آل عمران) کہا ہے۔ اور فرعون نے اپنے آپ کو انا ربکم الاعلےٰ (نازعات) کہا یعنی راس ورئیس اور بڑا سردار +

(۲۰) آیۃ۔ ومن یزغ منہم عن امرنا نذقہ من عذاب السّعیر +

ترجمہ۔ اور جو کوئی ان پہاڑیوں میں ہمارے حکم سے پھر جاتا ہم اُس کی سزا کرتے +

تفسیر۔ یہ فقرہ کچھ محتاج تفسیر و تاویل نہیں ہے۔ اتنے بڑے جم غفیر اور جمع کثیر کے لئے کہ ہزاروں ہی تھے ضرور کچھ سیاست کے قاعدے مقرر ہوئے ہونگے اور اسی طور سے وہ سزا پاتے ہونگے +

(۲۱) آیۃ۔ یعملون لہ ما یشاء من محاریب +

ترجمہ - سلیمان کے لئے جو وہ چاہتا بناتے تھے مثلاً قلعے یا بڑے بڑے مکانات یا شہر پناہیں +

تفسیر - حضرت سلیمانؑ نے بہت سے شہر آباد کئے تھے - مثلاً ملو - حاصور - مجدو - جزر - بیت حوران - بعلوت - تدمور وغیرہ - اور شہر اورشلیم کی فصیل بنوائی اور ہر ایک شہر جس میں فصیل نہ تھی اس کی شہر پناہ بنوائی - یہی مراد قلعوں سے ہے (کتاب اول سلاطین $\frac{9}{15\ و\ 17\ و\ 19}$) +

(۲۲) آیۃ - وتماثیل +

ترجمہ - تصویریں +

تفسیر - شیروں اور بیلوں اور کروبیوں کی پوری پوری تمثیلیں بنائی گئی تھیں - جن کی خبر کتاب اوّل سلاطین باب ۷ ورس - ۲۵ و ۲۹ و ۳۶ - اور دوم اخبار الایام $\frac{۴}{۳\ و\ ۴\ و\ ۱۵}$ میں مفصل لکھی ہوئی ہے +

(۲۳) - یہ آیت ہر ایک قسم کی تصویر اور تمثیل یعنی نقشے اور مجسّم کی جائز بلکہ مستحب ہونے کی قطعی دلیل ہے - اس کی بحث ہم نے جداگانہ کی ہے (دیکھو پرچہ تہذیب الاخلاق نمبری ۲ مطبوعہ یکم رمضان ۱۲۹۲ھ) صفحہ ۱۴۴ +

(۲۴) آیۃ - وجفانٍ کالجواب +

ترجمہ - اور لگن جیسے حوض +

تفسیر - ان بارہ بیلوں کے سر پر ایک بہت بڑا لگن حوض نما بنایا تھا جس کا دور ۳۰ ہاتھ اور قطر ۱۰ ہاتھ اور بلندی ۵ ہاتھ کی تھی (کتاب اوّل سلاطین $\frac{۷}{۲۳}$ ۲ اخبار الایام $\frac{۴}{۲}$) +

اور ایسے ہی ایسے اور بھی بنے ہونگے +

(۲۵) آیۃ - وقدورٍ راسیات +

ترجمہ - اور دیگیں جمی ہوئیں +

تفسیر - ان دیگوں کا ذکر کتاب سلاطین اوّل $\frac{۷}{۴۳}$ اور کتاب اخبار الایام $\frac{۴}{۶\ و\ ۱۴}$ دوم میں اور یہ بھی کہ وہ عمر دوں پر جمی ہوئی تھیں +

(۲۶) عیسائیوں نے ہمیشہ ان آیتوں کو ٹھٹھے میں اڑایا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ لکھا ہے (کتاب اوّل سلاطین $\frac{۶}{۷}$) کہ جب بیت المقدّس بنتا تھا تو ہتوڑے یا پھاوڑے یا کسی لوہے کے اوزار کی آواز نہیں آئی - یہاں سے لوگوں نے یہ قصّہ بنا لیا کہ سلیمانؑ نے جنات اور پریوں اور دیووں کی مدد سے مسجد اقصےٰ بنوائی تھی اور یہی سے یہ قصّہ قرآن میں بھی لیا گیا - مگر یہ سب اُن کی بالکل غلط خیالی ہے اُنہوں نے بھی سلیمان کے جنّ و شیاطین کو عرفی اور اصطلاحی

معنوں میں لیا ہے اور بنا بر فاسد بر فاسد کے طور پر اعتراض اور تشنیع شروع کی ہے۔ مگر الآن حصحص الحق۔ اب اصلی حقیقت ظاہر اور ثابت ہوئی اور قرآن مجید کے ان حقایق التحقیقات اور صواوق التصدیقات کی سچی تفسیر اور حقیقی تعبیر قطعی اور یقینی طور سے عیاں ہوئی اور طعن اور تمسخر یہ کرنیوالوں کی خرافات اور عامہ مفسرین کی لغویات سب باطل اور ردّ ہوگئیں۔ واللہ یحق الحق بکلماتہ وھو یھدی الی السبیل +

(۲۷)۔ یہ مضامین قرآن مجید سے دفع اعتراضات اور کتب سابقہ سے تطبیق اور دیگر تاریخی واقعات اور مسائل حکمیہ سے تصدیق کی غرض سے لکھے گئے ہیں اور گو ہم جانتے ہیں کہ بہت سے خفاش منش لوگوں کی آنکھ میں تجلی انوار سے چکاچوند ہوجاویگی (یکاد البرق یخطف ابصارھم) مگر ہم کو امید ہے کہ مسلمانوں میں بہت سے ذی بصیرت اور مستعد اہل تحقیق اس طرف توجہ فرماوینگے کیونکہ ابھی بہت کچھ باقی ہے ہاں ابھی قصہ سلیمان ہی میں کئی ایک مشکلات اور بھی حل کرنی ہیں جس کے حل کرنے کی راہ کو جنات اور شیاطین کی اندھیری بادشاہت اور عوام الناس کے تیرہ و تاریک خیالات کو کلام الٰہی کی نورانی شعاعوں کی تاثیر سے منور کردیا گیا ہے۔ ولیکن من لم یجعل اللہ نورًا فما لہ من نور۔ اب یقین ہے کہ اکثر دھندلی نظر والوں کے دل کی آنکھوں سے توہمات ظلمانیت کی پٹی کھلجانے اور خیالاتِ سوداویہ کے پردے اُٹھ جانے سے اُن پر حقیقی آفتاب کی روشنی کالشمس فی کبد السماء ظاہر و مجلّٰی ہوجاویگی +

فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید +

اب کھولدی ہم نے تجھ پر سے تیری اندھیری اب تیری نگاہ آج تیز ہے (ق ۲ع) +

دریائی گھوڑے۔ نمازِ عصر۔ گھوڑوں کا ذبح کرنا۔ آفتاب کا پلٹ آنا۔ انگشتری سلیمان۔ صخر دیو۔ بُت پرستی

(۱)۔(۳۰) اذ عرض علیہ بالعشی الصافنات الجیاد +

(۳۱) فقال انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی حتی توارت بالحجاب +

(۳۲) ردّوھا علیّ فطفق مسحًا بالسوق والاعناق۔(ص) +

ترجمہ۔ جب دکھانے کو آئے اُسکے سامنے تیسرے پہر کو گھوڑے خاصے بولا میں نے چاہی محبت گھوڑوں کی اپنے خدا کی وجہ سے یہاں تک کہ چھپ گئی اوٹ میں۔ سلیمانؑ نے کہا کہ پھیر لاؤ اُن کو میرے پاس پھر اُن کی پنڈلیاں اور گردنیں چھونی شروع کیں +

عام قصہ تو یہ ہے کہ حضرت سلیمان کے پاس ہزار دریائی گھوڑے جن کے پر لگے ہوئے تھے لائے گئے اُن میں سے نو سَو گھوڑوں کا جائزہ ہو چکا تھا کہ حضرت سلیمانؑ کو نماز کا خیال آیا مگر آفتاب غروب ہو چکا تھا نماز فوت ہو گئی تو اُنھوں نے افسوس کیا اور اُن گھوڑوں کو واپس منگا کر تلوار سے اُن کی پنڈلیاں اور گردنیں کاٹ ڈالیں اور سَو گھوڑے بچ رہے سو اب جو گھوڑے آدمیوں کے پاس نظر آتے ہیں اُنہیں بقیۃ السیف کی نسل ہیں !!! اور یہ کہ پھیر لانے کا حکم فرشتوں کو دیا تھا وہ آفتاب کو پھیر لائے اور اُنھوں نے نماز پڑھ لی !!!

(۴) یہ قصہ جیسا کہ بیان ہوا بالکل جھوٹ اور قصہ گویوں کی اکاذیب اور مفتریات سے بھرا ہوا ہے اکثر تفسیریں ایسی ہی اکاذیب اور بیہودہ باتوں سے بھری ہوئی ہیں۔ ابن کمال نے خوب کہا ہے۔ کتبُ التفسیر مشحونۃ بالاحادیث الموضوعۃ کہ تفسیر کی کتابیں جھوٹی حدیثوں سے بھری ہوئی ہیں (فیض القدیر شرح جامع الصغیر عبد الروف مناوی)

فی المقاصد قال احمد ثلث کتب لیس لہا اصل المغازی والملاحم والتفسیر الخطیب ھو محمول علی کتب مخصوصۃ فی ھذہ المعانی الثلثۃ غیر معتمد علیہا العدم عدالۃ ناقلیہا وزیادۃ القصاص فیہا فاما کتب التفسیر فمن اشہرھا کتابان للکلبی ومقاتل بن سلیمان ص ۵۰ مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۲ھ ع)

اور شیخ محمد طاہر پٹنی نے مجمع بحار الانوار کے خاتمہ میں مقاصد کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام احمدؒ نے لکھا ہے کہ تین علم کی کتابیں بے اصل ہیں اور وہ کتابیں مغازی اور ملاحم اور تفسیر کی ہیں۔ اور خطیب نے کہا ہے کہ امام احمد نے ان علوم کی وہ خاص کتابیں مراد لی ہیں جو اُن کے بیان کرنیوالوں کے غیر معتبر ہونے کی وجہ سے غیر معتمد ہیں اور نیز اس وجہ سے کہ اُن میں قصہ گویوں نے قصے بڑھا دیئے ہیں اور اس قسم کی کتابیں تفسیروں میں سے بہت مشہور تو کلبی اور مقاتل کی تفسیریں ہیں +

اور پھر لکھا ہے۔ کہ معین بن صیفی نے تفسیر جامع البیان میں لکھا ہے کہ امام محی السنۃ

وفی جامع البیان لمعین بن صیفی قد تذکر محی السنۃ البغوی فی تفسیرہ من المعانی والحکایات ما اتفقت کلمۃ المتاخرین علی ضعفہ بل علی وضعہ (ص ۵۱۰) +

بغوی تو اپنی تفسیر میں ایسی باتیں اور حکایتیں لکھ دیتے ہیں۔ جن کے ضعیف بلکہ وضعی یعنی بنائے ہوئے ہونے پر سب متاخرین نے اتفاق کیا ہے +

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تفسیر کی کتابوں میں اکثر جھوٹی روایتیں اور بے اصل حکایتیں اور قصہ گویوں کی بناوٹیں پائی جاتی ہیں۔ ہر ایک صاحب حمیت مسلمان کا یہ کام ہے کہ وہ خدا کے سچے اور مقدس کلام کو اُن لغویات سے پاک کرے اور ان جھوٹی باتوں کے رد کرنے میں

اور اصلی سچے معنی بیان کرنے میں سعی بلیغ کرے۔ السعی منی والاتمام من اللہ +

(۳) یہ بات واقعی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو گھوڑوں کا بہت شوق تھا اور گھوڑوں کی ایک تعداد کثیر اُن کے ہاں جمع تھی۔ چنانچہ اس کی تصدیق میں کتاب دوہین کی فصل نویں آیت ۲۵ میں لکھا ہے۔ "وسلیمان چہار ہزار آخور بجہت اسپ ہا وعرادہ ہا داشت ودوازدہ ہزار سواران کہ ایشان را در شہرہائے عرادہ وار ودر شلیم نزد ملک گذاشت (آیت ۲۸) وازبرائے سلیمان اسپ ہا را از مصر و تمامی ولایت ہا آوردند" اور کتاب اوّل ملوک فصل دسویں آیت ۲۸ میں لکھا ہے "وسلیمان اسپاں ازمصر آوردہ شدہ را داشت، وہمچنیں ریسمان کتانی کہ تاجران ملک آں را بقیمت معیّن گرفتند +

(۴) یہ بات کہ ان گھوڑوں کے ملاحظہ کرنے میں اُن کی نماز فوت ہوگئی تھی بالکل بے اصل ہے انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی[1] کے نہت صاف یہ معنی ہیں کہ میں گھوڑوں کو بہت چاہتا ہوں اور یہ چاہنا بوجہ خدا ہے نہ صرف اپنی خواہش سے۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی نے کتاب اربعین فی اصول الدین (مسئلہ ۳۲) میں لکھا ہے کہ جب سلیمانؑ کو گھوڑے دکھلائے جاتے تھے تو وہ فرماتے تھے کہ میں نے گھوڑوں کی محبّت کی محبّت کی اور اس سے مراد یہ ہے۔ کہ انسان ایک چیز کو چاہتا تو ضرور ہے مگر یہ نہیں ہوتا کہ اسکے چاہنے کو بھی چاہے مگر جب اس نے اسکو چاہا اور چاہنے کو بھی چاہا تو اس سے محبّت یعنی چاہنے میں مبالغہ مراد ہے۔ پھر فرمایا کہ عن ذکر ربی یعنی یہ محبّت شدید بوجہ ذکر خدا اور خدا کے حکم سے حاصل ہوئی ہے نہ کہ اپنی ہی آرزو اور خواہش سے +

> ان سلیمان کان یقول عند عرض الصافنات الجیاد علیہ انی احببت حب الخیر ومعناہ ان الانسان قد یحب شیئاً ولکن لا یحب ان یحبہ فاما انا احبہ واحب ان یحبہ فذالک یدل علی غایۃ المحبۃ ثم قال عن ذکر ربی ای ھذہ المحبۃ الشدیدۃ انما حصلت بسبب ذکر ربی وعن امرہ لا عن الھویٰ والشھوۃ +

اور شرح مواقف سید شریف جرجانی میں جو علم کلام کی بڑی مستند کتاب ہے اس کے موقف چھ مقصد پانچ ورق ۲۰۷ میں لکھا ہے :-

کہ احببت حب الخیر سے محبّت میں مبالغہ مراد ہے کیونکہ انسان کسی شے کو چاہتا تو ہے مگر یہ نہیں ہوتا کہ اس کے چاہنے کو بھی چاہے تو جبکہ اس نے اس کو چاہا اور اُس کے چاہنے کو بھی چاہا تو یہ کمال محبّت ہے اور یہ جو فرمایا کہ عن ذکر ربی

> قولہ احببت حب الخیر مبالغۃ فی الحب فان الانسان قد یحب شیا لکن لا یحب ان یحبہ فاذا احبہ واحب ان یحبہ فذالک ھو الکمال

[1] لفظ عن تعلیل کے واسطے بھی آتا ہے۔ جس سے سبب کے معنی پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ ما کان استغفار ابراھیم لابیہ الا عن موعدۃ اور ما نحن بتارکی الھتنا عن قولک +

فی المحبۃ وقولہ عن ذکر ربی ای بسببہ کما یقال سقاہ عن الغیمۃ ای لاجلہا فالمعنی ان ذالک الحب الشدید انما یحصل بسبب ذکرہ ای بامرہ لا بالہوا وطلب الدنیا و ذالک لان رباط الخیل فی دینہم کان بامرہ کما فی دیننا او ہو مندوب الیہ وقولہ طفق مسحا ای یمسح ربہا واعناقہا اکراما لہا واظہار الشفقۃ شفقۃ علیہا لکونہا من اعظم الاعوان فی دفع اعداء الدین وحملہ علی القطع کما ذہب الیہ طائفۃ حیث قالوا المعنی انہ علیہ السلام جعل یمسح السیف بسوقہا واعناقہا ای یقطعہا اما غضبا علیہا بسبب ما جری علیہ واجلہا واما التصدق بہا ضعیف جدا ولا دلالۃ لہ للفظ کما فی قولہ وامسحوا برؤسکم وارجلکم +

یعنی خدا کے ذکر سے تو اس سے مراد ہے کہ خدا کے سبب کے چنانچہ کہا جاتا ہے سقاہ عن الغیمۃ جس سے مراد ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے تو معنی یہ ہوئے کہ یہ محبت شدید بسبب ذکر یعنی بحکم الٰہی ہے نہ کہ اپنی خواہش اور طلب دنیا کی وجہ سے کہ انکے مذہب میں گھوڑے رکھنا خدا کے حکم سے تھا جیسا کہ ہمارے مذہب میں ہے یا وہ مندوب ہوگا اور طفق مسحا کے یہ معنی ہیں کہ سلیمانؑ ان کے سر اور پنڈلیاں چھوتے تھے۔ ان کی تکریم کے لئے اور شفقت کی وجہ سے کیونکہ وہ گھوڑے دین کے دشمنوں کے دفع کرنے میں بہت مدد دیتے تھے۔ اور جو لوگ اس سے کاٹنا مراد لیتے ہیں اور وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ سلیمان تلوار سے اُن کی پنڈلیاں اور گردنیں کاٹتے تھے یا تو غصہ کی وجہ سے اور یا ان کو قربانی کرتے تھے سو یہ بات بہت ضعیف ہے کیونکہ مسح کے لفظ میں اس پر کچھ دلالت نہیں ہے جیسا کہ وضو کی آیت میں مسح کا ذکر ہے اور کاٹنا مراد نہیں ہے +

اور حتی توارت بالحجاب سے یہ معنی لینے کہ سورج ڈوب گیا محض خیالی ہیں۔ اس کا اس میں کچھ ذکر نہیں اور ایسی بات بالکل سیاق کلام اور موضوع اور منشا مقام سے بعید ہے بلکہ انہیں صافنات کا ذکر ہے یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کا ملاحظہ کیا اور وہ اُن کے آگے سے چلے گئے +

قال ردوہا۔ حضرت سلیمانؑ نے حکم دیا کہ ان کو پھر لے آؤ تو گھوڑے پھر لائے گئے۔ علامہ احمد بن خلیل نے تفسیر کبیر میں حتی توارت بالحجاب کی تفسیر میں کئی دلیلیں اسکے ابطال پر قائم کی ہیں کہ یہاں آفتاب کا غروب ہونا مراد نہیں ہے اور سب کے آخر میں لکھا ہے۔ کہ

ثبت بما ذکران حمل قولہ حتی توارت بالحجاب علی تواری الشمس وان حمل قولہ ردوہا علی ان المراد منہ طلب رد اللہ الشمس بعید غروبہا فی غایۃ البعد عن اللفظ +

ہماری ان دلیلوں سے ثابت ہوا کہ حتی توارت بالحجاب (یہاں تک کہ اوٹ میں چھپ گئے) کو سورج کے چھپنے پر حمل کرنا اور ردوہا علی (اسے پھیر لاؤ) سے سورج کا پھیر لانا سمجھنا

بہت ہی بعید ہے +

"فطفق مسحا بالسوق والاعناق" اور سلیمان نے ان گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں کو چھوا جیسا کہ دستور ہے کہ ہر ایک ذی بصیرت گھوڑوں کا امتحان کرتے وقت اُس کی گردن پر مہربانی اور شفقت سے ہاتھ پھیرتا ہے اور اُن کی پنڈلیوں کی مضبوطی کو ہاتھ لگا کے دیکھتا ہے

انہ کان یمسح سوقہا واعناقہا بیدہ لا یکشف الغبار منہا حبًّا لہا وشفقۃ علیہا +	چنانچہ زہری اور ابن کیسان نے ایسا ہی کہا ہے کہ سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کی پنڈلیوں اور

گردنوں کو ہاتھ سے چھوتے تھے تاکہ ان سے گرد جھاڑ دیں اور یہ محبت اور شفقت کی وجہ سے تھا +

اور یہ بیشک معقول اور صاف معنی ہیں مگر ہمارے مفسرین اس پر راضی نہیں ہوتے وہ اس کو فرماتے ہیں ھذا قول ضعیف (معالم التنزیل بغوی) اور یہ انہیں کے ضعف عقلی کی دلیل ہے +

(۵) جن لوگوں کو قصہ گوئی اور عجائب پسندی کا زیادہ شوق ہے اُنھوں نے رُدُّوْهَا (پھیر دو) سے یہ مراد لی ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ سورج جو کوہ قاف کی آڑ میں جا چھپا ہے اُسے پھیر لاؤ اور اس خلاف حقیقت مضمون کو بعض صحابیوں کی طرف افترا اور بہتان کے طریق پر منسوب کرتے ہیں علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح بخاری میں اس ردّ شمس کی نسبت لکھا ہے۔ کہ

انہ لم یثبت ذلک عن احد والثابت عند جمہور اھل العلم بالتفسیر ان ضمیر ردوھا للخیل (تفسیر کمالین ص ۳۸۰) +	اس مضمون کی روایت کسی سے ثابت نہیں ہے اور جمہور کے نزدیک بھی ثابت ہے کہ پھیر لانے سے گھوڑوں کا پھیر لانا مراد ہے +

(۶) "ولقد فتنا سلیمان والقینا علی کرسیہ جسداً ثم اناب" (ص ع ۱۴) +

اور ہم نے سلیمانؑ کو آزمایا اور اُسی کے تخت پر ایک جسم ڈال دیا۔ پھر اُس نے اپنے حکم سے رجوع کیا +

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے اکاذیب اور قصاص کے خرافات بیش از بیش ہیں جن کا یہاں نقل کرنا بھی تضیع اوقات ہے جس کو شوق ہو وہ تفسیر معالم التنزیل بغوی میں وہب ابن منبہ اور سعید بن مسیب کی روایتیں دیکھ لے اس کا خلاصہ شاہ عبد القادر صاحب نے بھی ترجمہ قرآن کے حاشیہ پر افادہ فرمایا ہے وہ یہ ہے "حضرت سلیمانؑ استنجے کو جاتے تھے تو انگشتری ایک خادمہ کو سپرد کر جاتے تھے اس میں لکھا تھا اسم اعظم ایک جن تھا صخر نام اُس خادمہ کو بہکا کر انگشتری لے گیا اپنی صورت بنائی سلیمانؑ کی سی تخت پر بیٹھ کر لگا حکمرانی کرنے۔ حضرت یہ معلوم کر کے نکل گئے کہ مجھ کو مروا نہ ڈالے ایک گاؤں میں چھپ کر رہے چھ مہینے بعد صخر تھا شراب کے نشہ میں انگشتری دریا میں گر پڑی ایک مچھلی نگل گئی وہ شکار ہوئی حضرت سلیمانؑ کے ہاتھ پیٹ میں سے انگشتری لیکر پھر

آئے اپنے تخت سلطنت پر۔ یہ جانچ ہوئی اس پر کہ اُن کے گھر میں ایک عورت تھی اپنے باپ مرے کو یاد کرکے رویا کرتی تھی اُس کو بنادی جنہوں تصویر اُس کے باپ کی کہ چین پکڑی وہ لگی پوجنے اُنھوں نے خبر نہ لی یا خبر پاکر تغافل کیا" +

(۷) یہ قصہ بالکل موضوع اور مفتریٰ ہے مگر مسلمانوں کا بنایا ہوا نہیں ہے اصل میں اُس کو یہود کے قصّاص اور شیاطین نے بنایا ہے الا مسلمانوں نے اُس کو آمنّا اور صدقنا کہکر قبول کیا ہے۔ یہ قصہ یہود کی کتاب تالمود میں مذکور ہے۔ اور علامہ جار اللہ زمخشری نے

ما روی عن حدیث الخاتم والشیطان و عبادة الوثن فی بیت سلیمان فمن اباطیل الیهود (تفسیر کمالین ص ۳۸۰) +

لکھا ہے کہ وہ روایت حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی اور دیو اور اُن کے گھر میں بُت پرستی ہونے کی ہے وہ یہود کی جھوٹی باتیں ہیں +

ما یروی من حدیث الخاتم والشیطان و عبادة الوثن فی بیت سلیمان فمن اباطیل الیهود +

اور تفسیر مدارک التنزیل نسفی میں بھی ہے لکھا ہے کہ انگشتری اور شیطان اور سلیمان کے یہاں بُت پوجے جانے کی روایت یہود کے باطل قصّوں میں سے ہے +

اور امام فخر الدین رازی نے کتاب اربعین فی اصول الدّین کے ۳۲ مسئلہ میں اسی قصہ کی نسبت لکھا ہے :-

فاما الحکایة الجنیة التی یروونها الحشویة فکتاب اللّٰه مبرا عنها +

کہ جن کی حکایت جو عامہ ناس نے روایت کی ہے سو کتاب اللہ اس سے بری ہے +

اور ایسا ہی سید شریف جرجانی نے شرح مواقف (موقف ۶ مقصد ۵ ورق ۴۷۴) میں بھی لکھا ہے۔ پس یہ ثابت ہوا۔ کہ محقق مسلمانوں نے اس قصہ کو بالکل جھوٹ اور افترا سمجھا ہے +

(۸) معقول پسند مفسّروں نے ایسا لکھا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کبھی بیمار پڑے ہونگے اور چونکہ بیماریوں کو انبیا کے کلام میں خدا کی جانب سے آزمایش کہا جاتا ہے سو اسی میں اِس کا ذکر ہے یعنی حضرت سلیمانؑ اپنے تخت پر بیماری کی شدّت میں مثل جسم بیجان پڑے تھے اور تقدیر کلام اس طرح پر ہوگی۔ والقینا علی کرسیه جسدا یعنی اُن کے تخت پر اُن کا جسم ڈالدیا مگر مبالغہ کی جہت سے (کا) حذف ہوگئی پھر بیماری سے اچھے ہوئے۔ اس کی خبر ثم اناب (پھر اُس نے رجوع کیا) میں ہے +

چنانچہ امام فخر الدین رازی نے کتاب اربعین فی اصول الدّین (مسئلہ ۳۲) میں

ثانیا ان اللّٰه تعالیٰ امتحنه بمرض شدید

یہ معنی بھی لکھے ہیں کہ خدا نے سلیمانؑ کی

فصل جسد الاحداث به مشرفا علی الموت کما یقال لحم علی وضم وجسد بلا روح علی معنی شدة الضعف والتقدیر القینا جسده علی کرسیه فحذف الهاء للمبالغة +	ایک بڑی مرض شدید سے آزمائش کی تو ایک جسم بے حرکت قریب مرگ ہوگئے جیسے بیمار کی نسبت کہتے ہیں کہ لکڑی پر گوشت پڑا ہے اور جسم بیجان یعنی شدت سے ضعیف ہے اور تقدیر کلام یہ

ہوگی کہ اُن کے دھڑ کو اُن کے تخت پر ڈالا اور حرف (ہ) مبالغہ کی وجہ سے حذف ہوگیا +

اور علامہ شمس الدین ابی العباس احمد ابن خلیل نے تکملہ تفسیر کبیر میں اُسی کے قریب لکھا ہے کہ

اقول لایبعد ان یقال انہ ابتلاه اللہ تعالی بتسلیط خوف او توقع بلاء من بعض الجانب علیه وصار بسبب قوة ذالك الخوف کالجسد الضعیف الملقی علی ذالك الکرسی ثم ازال اللہ عنه ذالك الخوف واعاده ذالك ماکان علیه من القوة وطیب القلب +	یہ کہنا کچھ بعید نہیں ہے کہ خدا نے سلیمانؑ کو کسی خوف یا بلا کے مسلط ہونے سے آزمایا اور سلیمانؑ اس کی وجہ سے ایسے ہوگئے تھے جیسے کوئی جسم ضعیف اِک تخت پر پڑا ہو۔ پھر خدا نے اُن پر سے وہ خوف زائل کر دیا اور جو قوت اور صحت ان میں تھی وہ پھر آگئی +

(۹) مگر دراصل جس قصہ پر اس آیت میں اشارہ ہے وہ کتاب ملاخیم میں مفصل لکھا ہوا ہے۔ چنانچہ کتاب اوّل ملوک کی فصل سوم میں حضرت سلیمانؑ کے ذکر میں لکھا ہے +

(۱۶) آنگاہ دو زن زانیہ بنزد ملک آمده درحضورش ایستادند +

(۱۷) ویک زن گفت کہ اے خداوندم من وایں زن در یک خانہ ساکنیم ودراں خانہ نزد او وضع حمل نمودم +

(۱۸) وواقع شد کہ بعد از وضع حمل من روز سوم ایں زن نیز زائید وباہم دیگر بوده دیگرے باما درخانہ نبود بلکہ سوائے ما دو نفر احدے دراں خانہ نبود +

(۱۹) وپسر ایں زن وقت شب مُرد زیراکہ او بر رویش خوابیده بود +

(۲۰) ووقت نیم شب برخاستہ وپسر مرا از پہلوے من وقتیکہ کنیز کت خوابیده بود از من گرفت ودر بغل خود خوابانید +

(۲۱) وصبحدم وقتے کہ براے شیر دادن پسرم برخاستم اینک مرده است وصبحدم او را تشخیص نموده اینک پسرے کہ زائیده بودم نبوده است +

(۲۲) وزن دیگر عرض کرد کہ نے بلکہ پسر زنده از من است وپسر مرده از تست وآں دیگرے گفت نے بلکہ پسر مرده از تست وپسر زنده از من است وچنیں در حضور ملک مے گفتند +

(۲۳) پس ملک گفت کہ ایں یکے میگوید کہ پسر زندہ از من است وآں پسر مردہ از تست وآں دیگرے میگوید کہ نے بلکہ پسر مردہ از تست و پسر زندہ از من است ✦

(۲۴) و ملک گفت کہ شمشیرے رابمن آورید و شمشیر رانزد ملک آوردند ✦

(۲۵) و ملک فرمود کہ پسر زندہ را بدو حصّہ تقسیم نمائید و یک نیمہ بایں بدہید و نیمہ دیگر بدیگرے ✦

(۲۶) و زنے کہ پسر زندہ از آن او بودہ در حالتے کہ رحمش بر پسر او اضطراب میکرد بملک متکلّم شدہ گفت کہ اے خداوند پسر زندہ را باو بدہید والبتہ او را نکشید امّا آں دیگرے گفت کہ نہ از آن من و نہ از آن تو باشد او را تقسیم نمائید ✦

(۲۷) پس ملک جواب داد فرمود کہ پسر زندہ را باو بدہید و او را البتہ نکشید کہ مادرش اوست ✦

(۲۸) و تمامی اسرائیل حکمے کہ ملک اجرا داشتہ بود شنیدہ و از ملک ترسیدند زیرا کہ دیدند کہ در قلبش حکمت خدائیست تا آنکہ حکم را جاری سازد ✦

پس اب قرآن کی آیت کو دیکھئے کہ اس میں صاف اسی قصّہ پر اشارہ ہے کہ القینا علیٰ کُرسیّہ جسداً ثُمّ اناب ہم نے سلیمانؑ کے تخت (عدالت) پر ایک لاش یا جسم (اسی زندہ یا مردہ لڑکے کا) ڈالا (سلیمانؑ کا حکم محذوف ہے) پھر اُس نے (اس حکم اوّل سے) رجوع کیا۔ یعنی پہلے اُس لڑکے کے چیرنے کا حکم دیا تھا پھر اس حکم سے پھر کر اُس لڑکے کو زندہ اُس کی ماں کے حوالہ کر دینے کا حکم دیا ✦

پس یہ ہے سچی تفسیر کلام الٰہی کی نہ کہ وہ جن اور بھوت کے قصّے نہ وہ یہود کے اکاذیب و مفتریات اور مفسّرین کے اباطیل و لغویات۔ امام محی الدین بغوی نے تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے (جلد ۴ صفحہ ۱۰) کہ سب سے زیادہ مشہور قول یہی ہے کہ جو جسم سلیمانؑ کی کُرسی پر ڈالا گیا تھا وہ صخر دیو تھا ✦

واشہر الاقاویل ان الجسد الذی اُلقی علیٰ کُرسیہ ھو الصخر الجنّی ✦

مَیں کہتا ہوں کہ سب سے زیادہ مشہور یہ بات ہے مگر سب سے زیادہ جھوٹ بھی یہی ہے اور سب سے زیادہ سچ اور صاف اور سیدھے اور معقول وہی معنی ہیں جو ابھی ہم نے بیان کئے اس میں حضرت سلیمانؑ کی حکمت اور عدالت کی عظمت بھی ظاہر ہوتی ہے نہ کہ وہ نامعقول قصّہ کہ سلطنت سلب ہوگئی اور ایک ناپاک دیو اُن کے تخت بادشاہت پر مسلط ہوگیا۔۔ اور سلیمانؑ معزول اور مخرج رہے وغیرہ ذالک من الخرافات جس سے سلیمان علیہ السّلام کی بدنامی

اور حقارت اور ذلت ظاہر ہوتی ہے حالانکہ یہ قصہ قرآن مجید میں حضرت سلیمانؑ کے محامد اور فضائل کے ذکر میں ہے +

(۱۲)۔ اسی قصہ باطلہ یعنی حضرت سلیمانؑ کے گھر میں بت پرستی کے متعلق روایت بھی ہے جو ملاخیم اوّل کے گیارھویں باب میں لکھی ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے خلاف حکم خدا کے سات سو بیگمیں اور تین سو حرمیں اپنے لیئے جمع کیںؔ اور اُن کے باعث سے حضرت سلیمانؑ کا دل خدا سے پھر گیا اور اُنہوں نے اپنی اخیر عمر میں بُت پرستی اختیار کی +

قرآن مجید میں اسی نالائق اتہام اور جھوٹے بیان کے رد میں فرمایا ہے۔ ما کفر سلیمان ولکن الشیاطین کفروا۔ (بقر) +

یہ مضمون اگرچہ یہود کے اربع عشریم کی کتابوں میں سے ایک کتاب ملاخیم اوّل میں ہے مگر وہ مضمون یقیناً جھوٹ اور شدت کے مرتبہ کا کفر ہے۔ جس کو اشرار یہود نے افترا کر کے اس کتاب میں داخل کر دیا ہے +

واضح ہو کہ حضرت سلیمانؑ کے حالات کے بیان میں فی الحال دو کتابیں موجود ہیں۔ ایک تو ملاخیم کہلاتی ہے اور دوسری وبری ہیمیم۔ اب یہودیوں نے آسانی کے لئے اُن کے دو دو حصّے کر دیئے ہیں اور اس لئے اردو وغیرہ ترجموں میں کتاب سلاطین اوّل و دوم اور کتاب اخبار الایام اوّل و دوم کے نام سے معروف ہیں یہ بات یقیناً نہیں معلوم ہے کہ کتاب سلاطین ملاخیم کس کی تصنیف سے ہے یا کب تصنیف ہوئی +

یہ کتاب بعد زمانہ قید بابل عہد بخت نصر میں لکھی گئی۔ یعنی تخمیناً پانسو برس بعد حضرت سلیمانؑ کے تو یقیناً اور اس کے بعد اور جس قدر عرصہ ہوا ہو لکھی گئی ہے۔ یہ بات کہ اس کا مصنّف بعد زمانہ قید بابل زندہ رہا اس سے ثابت ہے کہ وہ قید بابل سے یہود کے واپس آنے کا بھی ذکر کرتا ہے (دوم سلاطین باب ۲۵ - آیت ۲۱) اس کا مصنّف یہ بھی کہتا ہے کہ اس کے زمانہ میں اسرائیل کے دس قبیلے ہنوز جلاوطنی میں تھے (دوم سلاطین باب ۱۷ - آیت ۲۳) اور نیز باب ۱۷ میں اُس نے یہود اور اسرائیل کی مصیبتوں پر کچھ تقریر کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ شخص ان مصائب کے بعد ہوا ہے (دوم سلاطین باب ۱۷ - آیت ۶ - ۲۴) اور برخلاف اس کے

ف یہ تعداد یقیناً غلط ہے۔ کتاب غزل الغزلات میں حضرت سلیمانؑ نے اُن کی تعداد ساٹھ بیگمیں اور ۸۰ خواصیں لکھی ہے۔ سو یہ بھی قطعی نہیں ہے۔ عبرانی کتابوں کے عددوں کا کبھی اعتبار نہیں ہو سکتا کیونکہ اُنکے عدد ہمیشہ حرفوں کی صورت میں لکھے جاتے تھے یعنی ابجد کے حساب میں اور چونکہ عبرانی حروف اکثر باہم مشابہ ہیں تو اس سے بڑی غلطی ہو جایا کرتی ہے کتاب سلاطین اور کتاب تواریخ کے باہم مقابلہ کرنے سے بڑا فرق پایا جاتا ہے +

بعضے نشان اس میں ایسے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قبل زمانہ قید بابل یعنی عہد بخت نصر ہے۔ مثلاً اول سلاطین باب ۸۔ آیت ۸ سے ظاہر ہوتا ہے کہ عہد نامہ کا صندوق ہنوز ہیکل میں موجود تھا اور پھر باب ۱۲۔ آیت ۱۹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کی بادشاہت ہنوز قائم ہے۔ پھر کسی جگہ باب ۶۔ آیت ا و ۳۷ و ۳۸ میں زی ۲ اور بول ۸ یعنی زی اور تشرین کے مہینوں کا نام ہے حالانکہ قید بابل کے زمانہ سے ان کا یہ نام متروک ہوگیا تھا اور کبھی کبھی اس کا مصنف ایسا لکھتا ہے جیسا کوئی واقعات ہمعصر کو لکھے اور حاضر ماجرا ہو۔ ان وجہوں پر نظر کرنے سے یہود کا وہ دعویٰ کہ یہ کتاب عزرا نبی کی لکھی ہوئی ہے باطل ہوتا ہے اور ایسا پایا جاتا ہے کہ اصل میں مختلف قسم کی تحریروں یادداشتوں اور شاہی روزنامچوں سے اور زبانی روایتوں اور بعضی مشہور اور متواتر خبروں سے یہ کتاب تالیف ہوئی تھی +

اسی کتاب کے ہم مضمون ایک دوسری کتاب وبری ہیم ہے وہ بھی ایسی ہے کہ اُس میں مختلف تحریروں سے اخذ کر کے لکھا گیا ہے اور کچھ تو قبل زمانہ بخت نصر کی ہے۔ اور کچھ بعد کی ہے +

بعضوں نے قیاس کیا ہے کہ اُسی شخص کی تصنیف یا تالیف ہے جس کی کتاب ملاخیم ہے مگر واقعات کی تاریخوں میں اور اُن کے بیان میں اور نسب ناموں میں اختلاف کثیر کی وجہ سے یہ خیال بالکل غلط نکلتا ہے۔ یہود کی رائے میں یہ کتاب حضرت عزرا نبی کی ہے جنہوں نے بعد قید بابل زکریا اور حجی نبیوں کی مدد سے اُس کو تالیف کیا یعنے اپنے زمانہ کی اور اگلی کتابوں سے اخذ کر کے اُسے مرتب کیا اور اس رائے کی تائید میں وہ یہ کہتے ہیں کہ اس کتاب کی طرز تحریر اور سیاقت کلام عزرا نبی کی عبارت سے بہت مشابہ ہے اور اس کتاب کی اخیر تین آیتیں عزرا نبی کے صحیفے کی پہلی تین آیتوں سے بہت قریب قریب ملتی ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ اُسکا مصنف قید بابل کے بعد بھی زندہ تھا کیونکہ اُس نے قورش بادشاہ کے حکم کا ذکر کیا ہے اور اُس نے داؤد کا نسب نامہ زوروبابل تک لکھا ہے مگر اُس کے خلاف یہ امر ہے کہ اُس کے مصنف نے زوروبابل کا نسب نامہ بارہ پشت تک لکھا ہے۔ اس وقت تک حضرت عزرا زندہ نہ تھے۔ مگر ممکن ہے کہ یہ نسب نامہ الحاقی ہو اور ایسا اکثر ہوتا ہے پس یقین تو نہیں ہوسکتا مگر گمان غالب ہے کہ یہ کتاب حضرت عزرا کی تالیف اور مرتب کی ہوئی ہو +

اب دیکھئے کہ باوجودیکہ یہ دونوں کتابیں باہم شفیق ہیں اور جو تاریخی واقعات ایک میں ہیں وہ دوسری میں بھی ہیں مگر یہ قصہ موضوع و مفتری ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے سات سو جوروئیں اور تین سو حرمیں کیں اور ان کی وجہ سے بُت پرستی اختیار کی دکتاب اوّل سلاطین باب ۱۱

آیت ۱-۱۵) اس کتاب وہری ہیم میں نہیں ہے اور چونکہ یہ کتاب غالباً حضرت عزرا نبی کی تالیف کی ہوئی ہے پس بظن غالب ایسا ہوا ہے۔ کہ اُنھوں نے اس قصّہ کو باطل اور تہمت سمجھ کر چھوڑ دیا ہے +

اگر یہ بات نہ بھی ہوتا ہم اِس مضمون کا ایک دوسری کتاب میں جس کا موضوع اور منشأ وہی ہے جو اس کتاب کا ہے نہ پایا جانا اور ظاہر نظر میں اس مضمون کا بالکل خلاف حکمت سلیمان اور منافی منصب ثبوت ہونا کبھی صرف ایک غیر مستند روایت کے اعتبار پر لائق قبول نہ ہوگا +

فلمّا قضینا علیہ الموت ما دلّھم علیٰ موتہ الّا دابۃ الارض تاکل منسأتہ فلمّا خرّ تبیّنت الجن ان لو کانوا یعلمون الغیب ما لبثوا فی العذاب المھین + (سبا ع ۲)

"جب حضرت سلیمان مرگئے تو اُن کا مرنا جنّوں کو نہ جتایا مگر گھن کے کیڑے نے جو اُن کا عصا کھاتا رہا پھر جب وہ گرے تو معلوم ہوا کہ اگر جن غیب کی خبر رکھتے ہوتے تو ذلت کی تکلیف میں نہ رہتے" (سبا) +

(۱) تفسیریں تو اس سچے واقع کو بھی افسانہ و داستان کے ڈھنگ پر لیگئی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ کے آگے روز ایک بوٹی حاضر ہو کر باتیں کرتی تھی ایک روز خرنوب نامی ایک بوٹی آئی۔ حضرت سلیمانؑ نے اُس کا مصرف پوچھا۔ اُس نے کہا کہ میں اس بیت المقدس کے خراب کرنے کو آئی ہوں۔ حضرت سلیمانؑ سمجھ گئے کہ اب میری موت آگئی تو جنّوں کو عمارت کا نقشہ بنا کر آپ شیشہ کے مکان میں دربند کر بندگی میں مشغول ہوئے بعد وفات کے برس دن تک جنّ بناتے رہے اور سلیمان اسی عصا پر مُردہ کھڑے رہے اور دستور تھا کہ اگر ہیکل یا عبادتخانہ میں کوئی جنّی آکر حضرت سلیمانؑ کے آگے کو گذرتا تھا تو وہ جل جاتا تھا۔ ایک روز جو آپ کے آگے کو جنّ گئے تو وہ نہ جلے اور گھن کے کیڑے سے عصا گرا اور سلیمانؑ کے گرنے سے اُن کی موت معلوم ہوگئی۔ جنّات نے دیمک کا بڑا شکریہ ادا کیا اور اُسی کی احسانمندی میں اُس کو اب تک گیلی مٹی پہنچاتے ہیں +

اصل بات اتنی ہے کہ حضرت سلیمان کی لاش دستور کے موافق مومیائی بنائی گئی تھی ان کنعانیوں وغیرہ گنواروں کو ان کی موت جب معلوم ہوئی جبکہ عصا میں دیمک لگجانے سے لاش گر پڑی۔ اس کی تفصیل یہ ہے +

(۲) مصر میں مُردوں کو حنوط کرنیکا ذکر۔ اہل مصر میں بہت قدیم الایام سے یہ دستور تھا۔ کہ

مردے کی لاش میں خوشبوئیاں بھر کے اس کو بجنسہ قائم رکھتے تھے اور مردے کے چہرے اور بشرے میں سرِ مو فرق نہیں آتا تھا۔ قدیم مورخوں میں سے ھروڈوٹس (مقالہ ۲ باب ۸۶ - ۸۸) اور ڈایوڈورس (مقالہ ۱۔ باب ۹۱ - ۹۲) نے مصریوں کی اس رسم کا مفصل بیان کیا ہے۔ تین طرح پر حنوط کرنے کا دستور تھا۔ اور اس کام کے کاریگروں کی ایک جماعت اور کارخانہ ہی جدا تھا۔ ایسی لاشوں کو ممی۔ مومیا اور ممی کہتے ہیں اور مصری زبان میں اس کا نام سوکا ہے +

(۳) بنی اسرائیل میں حنوط کرنے کی رسم۔ مصریوں میں رہنے سہنے کی وجہ سے یہی رسم بنی اسرائیل نے بھی اختیار کی تھی کہ بزرگ اور امیر آدمیوں کی لاش کو حنوط کرتے تھے۔ سب سے پہلے خود حضرت اسرائیل ہی کی لاش کی حنوط کی گئی۔ کتاب پیدایش کے پچاسویں باب میں ہے (۲) اور یوسف نے اپنے طبیب چاکروں کو حکم کیا کہ اس کے باپ میں خوشبوئی بھریں۔ (۳) طبیبوں نے اسرائیل میں خوشبوئی بھری اور اس پر چالیس دن گذرے کیونکہ جن پر خوشبو بھی جاتی ہے اتنے دن گذرتے ہیں اور مصری اس کے لئے ستر دن تک رویا کئے۔ پھر حضرت یوسفؑ بھی حنوط کئے گئے چنانچہ اسی باب میں لکھا ہے " (۲۶) یوسف ایک سو دس برس کا بوڑھا ہو کر مرگیا اور انہوں نے اُسمیں خوشبو بھری اور اُسے مصر میں صندوق میں رکھا" اصل عبرانی میں خوشبو بھرنے کے لئے لفظ חנט (حنط) ہے۔ یہی لفظ عربی میں بھی ہے۔ جمال قرشی نے صراح من الصحاح میں لکھا ہے "حنوط پراگندگی از بوے خوش۔ تحنیط پراگندن حنوط مردہ را۔ تحنط خوشبوے شدن بحنوط الخ" مردے کے ساتھ خوشبویوں کا ذکر اور بھی کئی جگہ ہے (مثلاً ۲۔ اخبار الایام ۱۶/۱۴ ۲۱/۱۹) یوحنا ۱۹/۴۰ +

(۴) لاش کو منظر عام میں رکھنے کا دستور۔ مصریوں میں تو یہ عام دستور تھا کہ مومیا کی ہوئی لاشوں کو ٹھیک زندہ آدمی کی طرح کھڑے رکھتے تھے اور اس مردہ کے عزیز و اقربا معین اوقات پر اُس کے دیکھنے کو بھی جاتے تھے۔ ایسے مقبرں کی تصویریں رالنسن کے حاشیہ تاریخ ھروڈوٹس میں نقل ہوئی ہیں۔ کتاب اعمال ۹/۳۷ سے مردے کی لاش کو بالاخانہ پر رکھدینے کی رسم معلوم ہوتی ہے اس کے علاوہ اسرائیلی مقبرے بھی ایسے ہوتے تھے جیسے حویلیاں اور مکانات جن میں کوٹھڑیاں اور دالان ہوتے تھے حتیٰ کہ ان میں مسافر راہ گیر بھی تھک کر بیٹھ جاتے تھے اور چور بھی وہاں رہا کرتے تھے دیکھو کتاب تاریخ یہود صفحہ ۱۴۷ +

(۵) سلیمان کے آخر زمانہ کی بغاوتیں۔ یہ بات معلوم ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے آخر زمانہ سلطنت میں کئی ایک بغاوتیں ہو چلی تھیں چنانچہ ہدد اور ریزن اور یربعام کے مفسدے

اور بغاوتیں کتب تواریخ میں لکھی ہوئی ہیں اور نیز رعایا سے بھی کسی قدر ناخوش ہو چلی تھی کیونکہ ان بغاوتوں کی وجہ سے تجارت بند ہو چلی تھی اور نیز رعایا پر خراج بھی زیادہ تھا اور خصوصاً قوم اجنہ کے آدمیوں پر کسی قدر سختی اور ذلت کی تکلیف تھی (دیکھو کتاب سلاطین اوّل کا گیارھواں باب ورس ۱۴ و ۲۳ و ۲۶ - اور بارھواں باب ورس ۴ و ۷ و ۱۱ و ۱۴ - اور نواں باب ورس ۲۱ و ۲۲ - اور سورہ سبا رعذاب مھین) +

(۶) اکثر ارکان سلطنت کو یہ منظور ہوگا کہ اُن کی موت کا عام شہرہ نہ ہو دے تاکہ بغاوتوں کی وجہ اور رعایا کی فی الجملہ ناراضی اور بعض رجال جن کی سخت تکلیف سے ملک میں اور زیادہ سرکشی نہ ہو جاوے اور اسی لئے حضرت سلیمانؑ کی وفات پر کسی قسم کی نوحہ وزاری و ماتم و سوگداری کا کچھ مذکور نہیں ہے اور نہ اُن کے دفن کے جلوس اور سامان وغیرہ کا کچھ ذکر ہے حالانکہ بنی اسرائیل میں بادشاہوں کی وفات پر بہت کچھ جزع و فزع و ساز و سامان ہوا کرتا تھا اور اُجرت پر رونے والے بھی مقرر ہوا کرتے تھے اور کبھی کبھی لاش کے ساتھ باجا ہوا کرتا تھا اور عطریات کی مقدار کثیر صرف ہوتی تھی (یرمیا ۹/۱۷ و ۱۸ ۲ - اخبار الایام ۳۵/۲۵ ایوب ۳/۸ واعظ ۱۲/۵ عاموس ۵/۱۶ متی ۹/۲۳ اور اعمال ۹/۳۹)۔ اس امر پر بعض ارباب تاریخ بھی متنبہ ہوئے ہیں اور لکھا ہے کہ حضرت سلیمانؑ پر نوحہ وزاری کم ہوئی چنانچہ جاہان نے عبرانیوں کی سلطنت کی تاریخ میں (مقالہ ۴ فصل ۳۳ میں) لکھا ہے۔ کہ "سلیمان ۹۷۵ سنہ قبل عیسوی مر گئے اور باوجود اُن کی عظمت و شان کے اُن کا ماتم تھوڑا ہی سا ہوا"۔ ص ۹۷ +

(۷) ان سب قرائن حالات کو پیش نظر رکھ کے اس آیت کا مضمون یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی وفات کے بعد اُن کی لاش مومیا کی گئی کیونکہ خود بنی اسرائیل میں بھی ایسا ہوتا تھا اور خصوصاً اس وجہ سے بھی کہ حضرت سلیمانؑ کے ایک بیوی فرعون مصر کی بیٹی تھی اُس نے ضرور اس معاملہ میں سعی بلیغ کی ہوگی اور نیز ملک میں سرکشی اور بغاوت پھیل جانے سے ارکان سلطنت نے بھی اُن کی موت کو چھپانا مصلحت اور مناسب سمجھا ہوگا اور اس نظر سے یہی ترکیب بہت ہی خوب تھی کہ امرا و سلاطین و نیز حکما و انبیا کے دستور پر اُن کی لاش کو حنوط کرکے ایک جلوہ کے مکان میں جہاں اکثر لوگ دیکھ سکیں رکھدیا جاوے اور عصا کے سہارے اُسے کھڑا کر دیا ہوگا[۱]۔ اتفاقاً دیمک یا گھن کے کیڑے نے اس کو کھانا شروع کیا اور جب وہ عصا ذرا بھی نیچے سے خالی ہوا اُن کی لاش دھڑے سے گر پڑی +

[۱] زمانہ حال میں سید احمد صاحب کی موت چھپانے کے لئے اُن کے مریدوں نے اسی طرح ان کا ڈھانچہ بنا کر پہاڑ کی کھوہ میں بٹھا دیا تھا +

اور جو لوگ اُن کی موت سے واقف نہ تھے اُن کو اس دیمک کی وجہ بھی معلوم ہو گی۔ اور قوم جنّ کے آدمیوں کو معلوم ہوُا اور افسوس ہوُا۔ کہ اگر ہم علم غیب جانتے ہوتے تو اس تکلیف میں نہ رہتے +

(۸) بعضی روایتوں سے بھی اس مضمون کی جو ہم نے حضرت سلیمانؑ کی لاش کے حنوط یا مومیا کئے جانے کی نسبت لکھا ہے تائید ہوتی ہے۔ شیخ الاسلام امین الدین طبرسی نے تفسیر مجمع البیان میں اسی آیت کے ذیل میں لکھا ہے۔ روی انه اطلعه الله سبحانه علی حضور وفاته فاغتسل وتحنط وتکفن والجنّ فی عملهم۔ کہ روایت ہے۔ کہ جب سلیمانؑ کی موت آئی تو خدا نے اُن کو خبر کر دی تو وہ نہائے اور حنوط کیا اور کفن پہنا اور جن اپنے کام میں تھے +

اور تفسیر مواہب علیہ معروف بہ تفسیر حسینی میں ہے کہ "منقضی اجل سلیمان علیہ السّلام درآمد وطلب ودیعت روح کرد سلیمان علیہ السّلام کسان خود را وصیت کرد کہ مرگ مرا فاش نکنید ومرا بعد از مرگ بر عصائے من تکیہ دہید تا جن از کار خود باز نمانند وہم مسجد باتمام رسد پس چوں سلیمان ہم درگذشت او را بشستند وبر او نماز گذاردند واو را برعصا تکیہ دادند دیواں از دور او را زندہ مے پنداشتند وبہماں کار کہ نام زد ایشاں بود قیام مے نمودند +

(۹) تفسیروں میں یہی قصّہ اسی طرز پر ہے مگر اُن کی روایتوں میں افسانہ آمیز تقریر کا رنگ ہے اور سچا واقعہ اور جھوٹی کہانی کی باتیں ملی ہوئی ہیں۔ ان کے نفس واقعہ صحیحہ مندرجہ قرآن کا طرز بیان بھی قصّہ گوئی کی طرف منجر ہے مگر اس پر جو اور حاشیے لگائے گئے ہیں وہ خلاف حقیقت ہیں۔ مثلاً:۔

اس قصّہ کے متعلق ایک غلط بات یہ ہے کہ بیت المقدس بننے سے ایک سال پیشتر حضرت سلیمانؑ نے وفات پائی۔ چنانچہ اکثر تفسیروں میں ایسا ہی لکھا ہے مگر یہ بات تاریخی واقعات کے خلاف ہے کیونکہ بیت المقدس حضرت سلیمانؑ کی زندگی میں تمام بن چکا تھا۔ اور قرآن مجید میں اس مقام پر نہ بیت المقدس کی تعمیر کا ذکر ہے اور نہ ایک سال کا ذکر ہے +

ہمیشہ مخالفوں نے قرآن پر اس وجہ سے اعتراض کیا ہے۔ اس میں خلاف واقعہ سلیمانؑ کی موت کو طیاری بیت المقدس سے ایک پیشتر سال بتلایا ہے۔ حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے اور یہ سب کچھ اعتراضات مفسرین کی لغو روایت کی بدولت ہوئے ہیں +

(۱۰) اب یہ بات کہ وہ جن کون تھے اور اُن کو تکلیف کیا تھی اس کا بیان یہ ہے کہ وہی غیر یہود جو عدم موانست کی وجہ سے بنی اسرائیل کے محاورہ میں غیر اور اجنبی کہلائے۔ اور اُن کا

مناسب ترجمہ عربی میں یا اُس کے لائق مرادف اللفظ قرآن میں جنّ آیا ہے جو ملک کنعان کے اصلی باشندے تھے اور عبری کتب مقدسہ میں اُن کے مختلف قبیلے فلسطین اور عنقیم اور ایمیم اور زمزمیم مذکور ہیں اور اُن کے عذابِ تہیش کا ذکر صحف سلیمان میں ہے اور اس طرح پر مضمون قرآن کی پوری تصدیق ہوتی ہے ✦

پہلے سلاطین کے نویں باب میں ہے (۲۰) لیکن وہ سارے گروہ جو اموری اور حتی اور فرزی اور حوی اور یبوسی سے باقی رہے اور اسرائیل نہ تھے (۲۱) ہاں اُن کی اولاد جو بعد میں باقی رہی جنہیں بنی اسرائیل نابود نہ کر سکے سو سلیمان نے اُن پر خدمت کی کر لگائی جو آج کے دن تک ہے۔ اور کتاب دوم اخبار الایام کے نویں باب (۷ و ۸) میں بھی یہی مضمون ہے اور اصل کتاب عبرانی میں لفظ מס ہے جس کا ترجمہ کسی قدر غلط "خراج" ہوا ہے۔ مگر اس کا صحیح ترجمہ بدنی خدمت ہے خواہ وہ بیگار کے طور پر ہو یا اُجرت اور نوکری کے طور پر مگر بیشتر خدمتی کام کے لئے آتا ہے ✦

اور کتاب ۲۔ اخبار الایام یا تواریخ کے دوسرے باب میں ہے (۱۷) اور اپنے باپ داؤد کے کہنے کے موافق سلیمانؑ نے اسرائیل کے دیس میں سارے پردیسیوں کو گنا اور وے ایک لاکھ ترپن ہزار چھ سو ٹھہرے (۱۸) اور اُس نے ان میں ستّر ہزار باربردار اور اسّی ہزار پتھر توڑنے والے پہاڑ میں ٹھہرائے اور اُن پر تین ہزار کروائی مقرر کئے۔ کہ لوگوں سے کام لیویں ✦

پس یہی غیریم اور نیز وہ کاریگر لوگ جن تھے ✦

(۱۱) صور اور صیدا کے کاریگر جو لکڑی کے کام میں اُستاد کار تھے (اسلا ۵/۶) اور پتھر تراشنے والے ماہران فن (اسلا ۵/۱۸) اور جہازی کام دینے والے ملاحان پرفن (اسلا ۹/۲۷ حزقیل ۵/۱۸) اور غوّاصان نادر روزگار اور نیز وہ پردیسی اور اجنبی یعنی غیر قوم کے آدمی جو بوجھ اٹھانے اور پہاڑ کاٹنے کے کام میں لگائے تھے (۲ تواریخ ۲/۱۷ و ۸/۱) جن کو قرآن میں جن و شیطان کہا ہے یہ سب لوگ درصل فنوقی سطی اور کنعانی تھے۔ اور جو معنی فلسطیم کے ہیں وہی معنی غیریم کے ہیں ملک فلسطین کے اصلی باشندے کنعانی تھے۔ انہیں کنعانیوں כנען کو یونانی زبان میں فوی نی کیس کہتے ہیں (دوسری جگہ صاف لکھا ہے۔ کنعان ارض فلشطیم (اصفیا ۲/۵) یہ قومیں جبکہ بنی اسرائیل اُن پر مسلط ہوئے غیریم یعنی پردیسی اور اجنبی کہلائے اور داؤد اور سلیمان کے زمانہ میں یہ بالکل مطیع اور منقاد ہوگئی تھیں اور اُن سے خدمتی کام لیا جاتا تھا (۲ صموئیل ۸/۵-۱۴ ۱۔ تواریخ ۹/۸-۱۴ اسلا ۹/۲۰

۲- تواریخ $\frac{۲}{۱۴ و ۱۸}$ و $\frac{۸}{۸ و ۷}$) *

(۱۴۲) سپٹواجنٹ میں جو کہ یونانی زبان کا ترجمہ توریت ہے وصحف انبیا میں ملک کنعان کو جن کہا ہے یوشع $\frac{۲}{۱۴}$ اور انجیل میں بھی جن آیا ہے (متی $\frac{۵}{۱۵}$ لوق $\frac{۴}{۵}$ $\frac{۷}{۲}$) اس کی وجہ یہ ہے کہ یونانی زبان میں زمین اور ملک کو جی کہتے ہیں یہیں سے فارسی میں گیو گیتی اور گیہان جہان بنا ہے اور جی کا مجرور مونث واحد جن ہے پس اس اعتبار سے یہ کنعانی لوگ بھی جن کہلاتے ہونگے زمانہ نزول قرآن میں یہودیوں میں سے اصل تورات کا علم یا عبرانی زبان کم رائج تھی سب یہود ترجمہ سپٹواجنٹ پڑھتے تھے۔ اس وجہ سے ان کنعانیوں کا نام عربی میں جنّی آتا ہوگا جس کی جمع جن ہے اور قرآن مجید میں وہی لفظ آیا جو ان کے محاورہ میں تھا۔ یعنی جنّ اور صور وصیدونی بھی کنعانی تھے کیونکہ کنعان کے بڑے بیٹے کا نام صدون تھا۔ اور صور وصیدا دونوں شہر سمندر کے کنارے پر تھے۔ ابوالفدا نے صیدون کو دمشق سے ۶۰ میل کے فاصلہ پر بتلایا ہے۔ اگلے زمانہ میں یہ دونوں شہر آبادی کی کثرت سے ملے ہوئے تھے اس کے آثار اب تک نمودار ہیں *

(۱۴۳) لفظ جنّ قرآن مجید میں متعدد جگہ آیا ہے اور ایسے ہی اس لفظ کے مصداق علیہ میں بھی تعدد ہے یعنی کئی طور پر مختلف حیثیتوں سے (بلحاظ نشتی) بنی آدم زندہ اور مردہ پر اسکا اطلاق ہوا ہے جس کی تفصیل اک جداگانہ آرٹیکل یا رسالہ کے مناسب ہے جو عنقریب شایع ہوگا۔ مگر جنّات سلیمانی تو بجز اُن لوگوں کے جو بنی اسرائیل میں اغیار یعنی کنعان کے اصلی باشندے اور صور وصیدا کے کاریگر پہاڑی وحشی تھے اور کوئی قوم نہیں ہو سکتی۔ اور خصوصاً وہ ہوائی جنّات جو عامہ ناس کے خیالات میں ہیں کہ وہ ہوائی، جاندار ہیں کہ بہروپ خوب بدلتے ہیں (الجن حیوان ھوائی یتشکل اشکالا کثیرۃ) وہ تو کسی طرح سلیمانی جن کی مصداق ہو ہی نہیں سکتے اور ہم آگے چلکے مفسّرین ہی کے اقرار سے ہاں انہیں مفسّرین کے اقرار سے جو جنّات کے بڑے ہوا خواہ ہیں ثابت کر دیں گے کہ حضرت سلیمانؑ کے جنّات وہ عام جنّات نہیں تھے بلکہ وہ ایک خاص مخلوق تھے فانتظر *

(۱۴۴) سلیمانی جنّات کو علم غیب کا دعوے ہونا قرآن کے ان الفاظ سے تو نہیں نکلتا اس لیئے اس کی تفسیر میں مفسّروں نے اختلاف کیا ہے۔ تبینت الجن کے یہ معنی قرین قیاس ہیں کہ اوروں کو معلوم ہوگیا کہ اگر جن علم غیب جانتے ہوتے الخ ایسا ہوگا۔ بنی اسرائیل کو ایسا خیال ہوگا کہ یہ لوگ جو کاریگر اور اُستاد کار اور صنّاع ہیں ان سے حضرت سلیمانؑ کی لاش کے محفوظ کیئے جانے کی حکمت چھپی رہی اگر یہ علم غیب جانتے ہوتے تو اُن کے مرنے

پر سرکش ہو جاتے اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ صور و صیدا کے آدمیوں یا بعضے کنعانی قبیلوں نے (جن کو جنّ کہا ہے) فن تنجیم یعنی اختر شناسی کا اظہار کیا ہو کیونکہ یہ علم نجوم کلدانیوں کی قوم کا نکالا ہوا ہے اور اسی خالدیہ یعنی ملک شام میں ملک صور و صیدا و فلسطین داخل ہے - اور صور و صیدا کے آدمیوں کو جہازرانی کے لئے بھی اختر شناسی کی بڑی ضرورت تھی اور اُس زمانہ میں کمپاس اور قطب نما کی ایجاد نہیں ہوئی تھی - اس لئے ستاروں کی شناخت بہت ضروری تھی - اور قوم فونیقیا بھی نجوم میں ماہر تھی اور صوری و صیدونی سب فونیقی تھے ٭

"وحشر لسلیمان جنودہ من الجن والانس والطیر فھم یوزعون" (نمل ۱۷) ٭

اس مضمون کے ابتداء میں اس آیت کی تفسیر میں صرف اسی قدر بحث کی گئی تھی کہ حضرت سلیمانؑ کے پاس جنّ تھے چنانچہ اس کی تصدیق اُنہیں کی کتاب واعظ کے ۲ باب کے ۸ پسوق سے جس میں لفظ שדה (شدہ) اور שדות (شدوت) ہے کی گئی تھی اور اک عام طور سے بیان کیا گیا کہ یہ شدیا جنّ کون لوگ تھے - مگر اَب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت سلیمان کی فوج کی تقسیم ٹھیک ٹھیک ایسی ہی تھی جیسے کہ قرآن مجید میں مذکور ہے - ہر اک فوج سلیمانی اِک جُداگانہ نام اور خصوصیّت سے مرسوم تھی ٭

حضرت داؤد نے جو کہ حضرت سلیمانؑ کے باپ تھے اپنی فوج تین قسم پر تقسیم کی تھی - ایک لشکر میں تو فلسطینی قوم کے آدمی تھے اُن میں کوئی شخص بنی اسرائیل میں سے نہ تھا - اور چونکہ بنی اسرائیل کا محاورہ تھا کہ اپنی قوم کے آدمیوں میں اور غیر قوم کے آدمیوں میں تمیز و تفریق کرتے تھے اور غیر قوم کے آدمیوں کو اک خاص نام جس سے نفرت اور حقارت یا اُن کے کفر کا اشعار ہوتا ہو موسوم کرتے تھے جیسے [illegible] (غیر یہد) یا גוים (گوئم) اور بربرا اور اُمیئیں وغیرہ - یہی قسم فوج کی قرآن مجید میں "جنّ" کے نام سے آئی ہے - دوسری قسم خاص بنی اسرائیل کی قوم تھی جو قرآن میں "اِنس" کے نام سے اِس مقام میں آئی ہے - اور تیسری قسم کی فوج ایک خاص طور کی جماعت تھی جیسی باڈی گارڈ وہ ہمیشہ طیار رہتی تھی اور چھوٹی جماعت صرف ۶۰۰ بہادروں کی تھی اور وہ اس کام کے لئے مخصوص تھی جیسی عربی فوجوں کی قسم میں "طیر" ہوتی ہے - اُن کی تفصیل یہ ہے :-

(۱) فوج جن - کریثی اور فلیثی قوم کے آدمی جو اجنبی قوم کے تھے - ان کا ذکر کتاب دوم صموئیل باب ۱۵ کی ۱۸-۱۹ - آیتوں میں ہے اور اسی کتاب کے آٹھویں باب کی

۱۸ - آیت اور بیسویں باب کی ۷ - اور ۲۳ - آیت میں بھی ان کا نام ہے - یہ دونوں قبیلے فلسطانیوں کی نسل سے تھے (دیکھو گزی نیوس کا عبرانی لغت جو کہ ابوالولید بن جناح القرطبی کی کتاب الاصول سے ماخوذ ہے ص ۲۱۷ و ۶۷۷ - اور رای و آلد کی عبرانی گرامر - ص ۲۹۷ - اور ہارن کی ۳ ج ص ۲۰۲) +

دوسری قسم فوج اسرائیل کے نام سے تھی اس میں سب بنی اسرائیل اور اہل کتاب تھے اُن کو لفظ انس سے تعبیر کیا ہے - ان کی تفصیل کتاب اخبار الایام باب ۲۷ میں (۱-۱۵) اور ۲ صموئیل باب ۸ کی ۱۶ - اور باب ۲۰ کی ۲۳ - آیت میں مذکور ہے +

بنی اسرائیل ہمیشہ اپنی قوم اسرائیل کو غیر قوم کے آدمیوں سے اپنے محاورات میں ممتاز کرتے تھے وہ ہمیشہ اپنے آپکو עם (جو اصل میں) עם יהוה (خدا کی قوم) اور עם קדוש (مقدس قوم) اور עם נחלה (قوم محفوظ) ہے (خروج ۱۵ باب ۱۳ استثنا باب ۳۲ و ۳۶ و باب ۷ و ۶ و باب ۴ - ۲ وغیرہ) کہتے تھے - اور اپنے ماسوا کو גוים جس سے مراد عام لوگ اور مخالف تھے (زبور دوسرا باب ۱ و ۸ نواں باب ۶ و ۱۶ و ۲۰ و ۲۱ دسواں باب ۱۶ - اسٹھواں باب ۶ و ۹ - اُناسی باب ۶ و ۱۰ - ایک سو چھٹا باب ۴۷) کہا کرتے تھے - اُنہیں محاوروں کی رعایت اور مناسبت سے فوج اسرائیل اور فوج اقوام فلسطینی کو انس اور جن کی فوج سے اس آیت میں بیان کیا ہے +

بنی آدم کی ایسی تقسیم ہر ایک قوم اور اُمہ میں کسی کی رعایت اور لحاظ سے مثلاً مذہبی تفریق سے یا زبان کی تمیز سے یا رنگ کی تفریق سے یا ملک اور ولایت کی مبائنت سے یا میل جول اور وحشت اور مخالفت کی نظر سے یا دوستی اور دشمنی کی راہ سے کر لیتے تھے - یونانی اور رومی اپنے ماسوا اور سب قوموں کو بربری یعنی جنگلی کہتے تھے اور عرب اپنے ماسوا سب کو عجم کہتے تھے - پھر خاص عرب میں دو تفریقیں تھیں - اہل الحضر اور اہل البدو و بنی آدم کی دو تفریقیں کر رکھی تھیں - احمر اور اسود ہند میں قدیم آریا لوگ اپنے ماسوا آدمیوں کو دسو کہتے تھے +

تیسری قسم فوج کی طیر تھی جو داؤد کے بہادروں کے نام سے موسوم تھی הגבורים (کتاب اوّل سلاطین باب اوّل پسوق ۸) اُن کی تفصیل کتاب دوم صموئیل کے باب میں (۸-۳۹) اور کتاب اوّل اخبار الایام کے گیارھویں باب میں (۱۱-۴۷) +

یہ لوگ تعداد میں ۶۰۰ تھے اور پھر اُن میں دو دو سو کی ٹکڑیاں تھیں اور پھر اُن میں بیس بیس کی تفریقیں اور تقسیمیں +

فوج کی یہی تقسیمیں جو حضرت داؤد کے وقت میں تھیں حضرت سلیمانؑ کے وقت میں بھی قائم اور موجود ہیں اور اس آیت میں بھی یہی مراد ہیں ٭

حضرت عیسٰیؑ مسیح ابن مریم رسُول اللہ

اور

صلیب

وقولھم انّا قتلنا المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبّہ لھم وان الذین اختلفوا فیہ لفی شکٍّ منہ مالھم بہ من علمٍ الّا اتباع الظنّ وما قتلوہ یقیناً۔ بل رفعہ اللہ الیہ۔ (نساء ۲۲ع آیت ۱۵۶) ٭

ترجمہ۔ اور یہود کے اس کہنے پر کہ ہم نے مسیح عیسٰی ابن مریم رسول اللہ کو قتل کیا حالانکہ نہ اس کو قتل کیا ہے اور نہ صلیب دیکر مارا ہے لیکن ان کے آگے صورت بن گئی اور جو لوگ اس میں کئی باتیں نکالتے ہیں وہ اس جگہ شک میں پڑتے ہیں اُن کو اس پر یقین نہیں مگر اٹکل پر چلتے ہیں اور اُس کو مارا نہیں یقیناً بلکہ اس کو خدا نے اپنی طرف اُٹھالیا ٭

(۲) حضرت عیسےٰ نہ تو تلوار سے یا پتھروں سے مار ڈالے گئے اور نہ صلیب پر مارے گئے لیکن اُن کے قتل کرنے والوں کو دھوکا ہوگیا یا اُن سے اصل بات پوشیدہ ہوگئی یا اُن کو حضرت عیسےٰ کی موت کا اشتباہ ہوگیا حالانکہ وہ یقیناً نہیں مرے تھے البتہ وہ تین گھنٹہ تک صلیب پر اذیت سے لٹکتے رہے اور پھر اُتار لیئے گئے۔ صلیب پر مصلوب ہونے سے جلدی کوئی شخص نہیں مرجاتا۔ بلکہ کئی روز تک لٹکنے سے دھوپ کی تپش اور بھوک کی شدت اور زخموں کی تکلیف سے البتہ مرجاتا ہے یہ معاملہ حضرت عیسےٰ کے ساتھ نہیں ہُوا۔ اور جب وہ اُتار کے ایک قبر میں رکھے گئے تو اُن کو کہ وہ ابھی زندہ مگر غشی میں تھے بعض مخلص مومنین شب کو مقبرہ سے نکال کے گھر میں کہیں پوشیدہ لے گئے اور پھر حضرت عیسےٰ بعضے حواریوں کو زندہ نظر آئے مگر یہود کی عداوت اور رومیوں کے اندیشہ سے کہیں دیہات میں اپنے قرابت داروں کے ساتھ رہتے تھے پھر خدا نے اُن کو اُٹھالیا یعنی اپنی موت طبعی سے مر گئے اور خدا کے پاس چلے گئے اور اُسکے داہنے ہاتھ جگہ پائی یہ دونوں باتیں مجازاً اور فضیلتاً کہی جاتی ہیں۔ جو لوگ سمجھتے تھے۔ کہ ہم نے اُن کو مار ڈالا قرآن مجید اُن کو جھٹلاتا ہے۔ اور جو لوگ سمجھتے تھے کہ اُنکی صورت کا ایک دوسرا آدمی پکڑا گیا اُن کو بھی قرآن مجید جھٹلاتا ہے اور

کہتا ہے کہ اُن کو علم قطعی نہیں ہے۔ اٹکل پر چلتے ہیں اور پھر اصلی حقیقت بتلاتا ہے۔ کہ اصل بات ایسی چھپ گئی یا پوشیدہ کی گئی +

(۳) اب ہم انہیں مقدمات کو مفصل اور مدلل بیان کرتے ہیں +

یہودیوں کی بے ایمانی اور سخت مکاری اور شدید ریاکاری سے حضرت عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ پر اضلال کا اتہام لگایا گیا۔ اور تکفیر کا فتویٰ دیا گیا ٹھیک ٹھیک جیسا کہ اس زمانہ میں یہود هذه الامة کر رہے ہیں۔ وہ حضرت عیسےٰ کو مضل کہتے تھے (متی ۲۷/۶۳ یوحنا ۶/۱۴) +

(ب) ایسے شخص کی سزا یہود کی شریعت میں سنگساری سے قتل کرنے کی تھی (کتاب احبار ۲۴/۱۴ ومابعد کتاب استثنا ۱۳/۱۱ ومابعد) +

(۴) مگر حضرت عیسےٰ پر کچھ صرف مذہبی جرم ہی قایم نہیں ہوا تھا بلکہ بے ایمان یہودیوں نے اُن پر بغاوت کا جرم بھی ضمیمہ کر دیا تھا تاکہ حکام وقت کو اُن کی سزا پر توجہ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ پلاطس نے حکم دیا ورنہ وہ یہود کے مذہبی الزامات کی کچھ پرواہ نہ کرتا اور اسی لئے وہ سنگسار نہیں کئے گئے جو کہ یہود کی شرعی سزا تھی بلکہ صلیب پر چڑھا کے مار ڈالنے کی تجویز ہوئی کیونکہ یہ رومیوں کی سزا تھی +

(۵) یہود کے کاہنوں نے جو موت کا فتویٰ دیا تھا وہ بغیر رومی گورنر کی منظوری کے نافذ نہیں ہو سکتا تھا اس لئے ضرور ہوا کہ پلاطس کے دربار میں حضرت عیسےٰ کو لیجاویں۔ اس حاکم نے تحقیقات کے بعد حکم دیا۔ کہ میں اس شخص پر کوئی جرم نہیں پاتا مگر یہود نے پھر غل مچوایا (یہود وہاں حاضر نہ تھے یوحنا ۱۸/۲۸) اور اخیر کو اس حاکم کے دل میں یہ بات آئی کہ حضرت عیسیٰ مجرم سہی مگر عید فصح کے روز ایک مجرم چھوڑ دیا جاتا ہے اس لئے اس نے یہود سے کہا کہ تمہاری عادت کے موافق میں اُن کو چھوڑ دیتا ہوں۔ تب پھر یہودی چلائے اور سب حاضرین سے کہلوایا کہ یسوع باربان چھوڑ دیا جاوے اتفاق سے اس مجرم کا بھی نام یسوع تھا اور باربان لقب تھا (دیکھو رینان کی تاریخ مسیح باب ۲۴ ص ۹-۲۷ ۱۸۶۵ء) +

(۶) بالآخر حضرت عیسےٰ کو مقام جلجتہ میں لا کر صلیب سے باندھا صلیب دو لکڑیوں سے جو باہم منقطع ہوں بنی ہوتی ہے[۱] اور مصلوب کے دونوں ہاتھوں میں میخیں ٹھوک دیتے

---

[۱] حضرت عیسےٰ کو صلیب پر پیاس کی شدت میں سرکہ ایک اسفنج کے ذریعے پلایا گیا تھا (متی ۲۷/۴۸ مرق ۱۵/۳۶ لوقا ۲۳/۳۶ یوحنا ۱۹/۲۸-۳۰) رومی سپاہیوں کے پاس ہر موقع میں یہ شربت سرکہ کا ہمیشہ ساتھ رہتا تھا دیکھو تصنیفات اسپارطیانوس اور ولکاطیس غلیکانوس اور یہ رومی لیپکا نہایت صحت بخش اور مفید ہوتا تھا چنانچہ ڈاکٹر ہگز ھام نے رسالہ حمیات کے بیان میں اسکی تصریح کی ہے۔ اس شربت سے حضرت عیسےٰ کو بہت کچھ تسکین ہو گئی ہوگی۔ وللرحمٰن الطاف خفیہ +

تھے اور پیروں میں بھی میخیں ٹھوکتے تھے یا کبھی کبھی ہاتھ اور پیر رسّی سے باندھ دیتے تھے (ہارن کی کتاب جلد ۳ ص ۱۵۷) اور جو لکڑی عمودی شکل کی ہوتی تھی اس کے بیچ میں ایک لکڑی لگی رہتی تھی جو مصلوب کے بیٹھنے کی جگہ بن جاتی تھی ورنہ بغیر اس کے مصلوب کا دھڑ نیچے کو لٹک آتا اور میخوں سے ہاتھ نکل جاتے (یہ بات شیخ آرینیوس جو پہلی صدی میں تھا اور جسٹن جو دوسری صدی میں تھا اُن کے کلام سے معلوم ہوتی ہے ارنسط رینان باب ۲۵ ص ۲۸۷) حضرت عیسٰے کو بھی یہ سب اذیتیں اُٹھانی پڑیں مگر یہ بات صاف معلوم نہیں ہوتی کہ اُن کے پیر چھیدے گئے تھے یا باندھے گئے تھے کیونکہ بعد واقعہ صلیب جب حضرت عیسٰے بعض عیسائیوں سے ملے تو لوک کی روایت میں ہے کہ اُنھوں نے اپنے ہاتھ اور پانوں نشان کے لئے دکھلائے (لوک ۲۴/۳۹ ۴۰) مگر یوحنا کی روایت میں ہے (۲۰/۲۰) کہ ہاتھ دکھلائے۔ لوک نے بچشم خود نہ دیکھا ہوگا اور یوحنا نے شاید دیکھا ہو +

(۷) مصلوب کے لئے جہاں اور سختیاں تھیں وہاں ایک بڑی مصیبت یہ بھی تھی کہ وہ ہمارے زمانہ کی پھانسی کی طرح فوراً یا جلد نہیں مرجاتا تھا بلکہ تین چار دن تک اُس پر لٹکنے یا بندھے رہنے میں بھوک کی شدت پیاس کی سختی زخموں کی تکلیف اور دھوپ کی تپش سے مرتا تھا اور جو کوئی قوی مزاج کا آدمی ہوتا تھا وہ صرف فاقوں کا مارا مرتا تھا۔ یہ بات کہ صلیب پر تین یا چار دن تک موت نہیں آتی تھی پطرونیوس طیطوس کی شہادت سے (کتاب سطیری کان ۱۱۱ وغیرہ) جو پہلی صدی عیسوی میں نقیر و شہنشاہ روم کا دوست تھا اور شیخ ازیجبوس کی شہادت سے (تفسیر انجیل متی مطبوعہ کوسیگارطن ص ۹۳ وغیرہ) جو تیسری صدی عیسوی میں مذہب عیسوی کا مستند اور معتمد بزرگ گذرا ہے ثابت ہے (دیکھو ارنسط رینان کا تذکرہ مسیح ص ۲۹۰) اور قوی مزاج آدمی کا صرف بھوک کے صدموں سے مرنا یوسی بیس پمفلی (جو قیصریہ میں اسقف اور تیسری اور چوتھی صدی میں تھا کی تاریخ کلیسیا ۸/۸ سے ثابت ہے (ایضاً ص ۲۹۱) +

اس لئے جب پلاطس سے یوسف نے حضرت عیسٰے کے دفن کی اجازت مانگی تو وہ بہت متعجب ہؤا کہ ایسی جلدی مرگئے (مرقس ۱۵/۴۴) ڈاکٹر ای کلارک نے تفسیر انجیل متی ۲۷/۳۵ میں لکھا ہے کہ ایسی کئی ایک مثالیں ہیں کہ شخص مصلوب ایسی شدت کے عذاب میں کئی دن تک زندہ رہا ہے (دیکھو ہارن کی تفسیر جلد ۳ صفحہ ۱۵۷ اشاعت ۱۸۲۸ع) +

(۸) حضرت عیسٰے کے شاگرد تو سب بھاگ گئے تھے اور صلیب کے وقت کوئی حاضر ماجرا نہ تھا) ہاں دور کھڑی ہوئی کچھ عورتیں اور جو لوگ حضرت عیسٰے کو جانتے تھے دیکھ رہے تھے۔ (متی ۲۷/۵۵ و ۵۶ مرقس ۱۵/۴۰ و ۱۵/۴۷ لوق ۲۳/۴۹) مگر یوحنا کی انجیل میں ہے ۱۹/۲۵ کہ وہ صلیب

کے پاس کھڑے تھے۔ مگر کتنے ہی پاس ہونگے تب بھی دشمنوں کے خوف اور سپاہیوں کے اہتمام کی وجہ سے دور ضرور ہونگے۔ یوحنّا نے آپ کو پاس بتلایا صرف اِس وجہ سے ہے کہ اُنھوں نے حضرت عیسےٰؑ کی بات سُن لی +

(۹) صلیب والا دن عید فصح کا دن تھا دوپہر کے وقت یہ واقع صلیب پیش آیا اور اب تھوڑی دیر کے بعد سبت شروع ہونے کو تھا اور سبت بھی کیسا کہ معمولی طور کا نہیں بلکہ ایک خاص طور کا جس میں اُن کو بڑا اہتمام اور مذہبی احترام تھا۔ اور یہ بھی شریعت یہود میں حکم تھا۔ کہ شخص مقتول (مرجوم) یا مصلوب کی لاش اُسی دن دفن کر دی جاوے (کتاب استثنا ۲۱/۲۲ و ۲۳/۲۱ و یوشع ۲۹/۸ و ۹ و ۱/۲ وتاریخ یوسیفس مورّخ یہود کتاب ۴ ہ وہ کتاب احادیث یہود یعنی مشنا رسنہدریم ۶/۵) اگر یہود کے ہاں یہ دستور تھا کہ پہلے سنگسار کر کے مار ڈالتے تھے تب صلیب پر لٹکاتے اور اب جب سے کہ ان کی حکومت جاتی رہی اور رومیوں کا قانون جاری ہوا سنگساری کی رسم موقوف ہوگئی تو اب یہود کے حساب سے شخص مصلوب مرے یا نہ مرے مگر اُسی دن اُس کو صلیب پر سے اُتارنا چاہیئے۔ پس ان وجوہ سے یہودیوں نے نہ تو کچھ معاملہ صلیب میں اہتمام کیا بلکہ نہایت جلدی چاہی اور نہ بعد صلیب حضرت عیسےٰؑ کو صلیب سے متعلق رہنے دیا بلکہ حکّام رومیہ سے درخواست کی۔ کہ حضرت عیسےٰؑ کی ٹانگیں توڑ کے اُتروالیں تاکہ اُن کی لاش سبت کو لٹکتی نہ رہجاوے (دیکھو یوحنا کی انجیل ۱۹/۳۱) یہ ٹانگیں تڑوانا بھی قتل کی غرض سے تھا کیونکہ اُن کو معلوم تھا۔ کہ مطلق صلیب پر لٹکانے سے کوئی مصلوب مرتا نہیں۔ اِلّا حضرت عیسےٰؑ کی ٹانگیں نہیں توڑی گئیں کیونکہ وہ تو ضعف یا غشی کے باعث سے مردہ معلوم ہوئے ہی اور اسی پر اشارہ ہے۔ شُبّہ لہم (نساء ۱۵۶) میں +

فلو یہودی فیلسوف الکندری (سنہ ۲۰ قبل مسیح تا سنہ ۴۰ ع) نے اپنی کتاب فلقیم (۱۰) میں لکھا ہے کہ یہود نے درخواست کی تھی کہ ہمارا مقدّس سبت اس ناپاک لاش کے رہنے سے خراب نہ ہووے +

پس ان وجوہ سے بہت جلد حضرت عیسےٰؑ کو صلیب پر سے بظاہر مردہ وبباطن زندہ اُتار لیا گیا +

(۱۰) مگر اسی کے متعلق ایک واقعہ اور بھی گذرا کہ جب رومیوں نے ان اَور دو شخصوں کی جو حضرت عیسےٰؑ کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے ٹانگیں توڑ دیں اور حضرت عیسےٰؑ کی ٹانگیں نہیں توڑیں تو ایک نے برچھی سے حضرت عیسےٰؑ کے پہلو میں ذرا چھید دیا شاید صرف اس غرض سے کہ اگر ہوش باقی ہوگا تو وہ متاذی ہو کر کوئی حرکت مذبوحی کرینگے۔ اس زخم سے خون اور پانی

جاری ہوا یہ بات صرف یوحنا کی انجیل میں ہے جو حضرت عیسےٰ کے بعید ہوں یا قریب ہونگے مگر خون کا نکلنا بے شک اُن کی زندگی کی دلیل ہے کیونکہ مردے کے جسم سے زخم یا نشتر دینے پر نہ خون نکلتا ہے نہ پانی۔ پس اس وقت حضرت عیسےٰ زندہ تھے اور اُسی وقت اُتار لئے گئے سب کام نہایت عجلت میں ہوا۔ یوسف جو ایک ذی عزّت مالدار اور کونسل سنہدریم کا ممبر تھا اُس نے لاش مانگ لی جو اُس کے حوالہ کر دی گئی۔ اس نے اور ایک اور مرد مومن نے دفن کا سامان کیا اور سب لوگ چلے گئے +

برچھی سے چھیدنے کا مضمون (یوحنا ۱۹ ب ۳۴ آ) گو ہمارے خلاف نہیں مگر ہم کو اس پر بہت شبہ ہے۔ اور انجیل نویس متی مرق لوق اس بات کا بیان نہیں کرتے حالانکہ ایک امر عظیم اور ضروری تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں عیسائیوں نے صرف بعض پیشگویوں کو (زبور ۳۴ ب ۲۰ آ زکریا ۱۲ ب ۱۰ آ) جمانے کے لئے یہ بات اپنی طرف سے بنا کر روایت میں شامل کر دی ہے +

جبکہ باوجود اجازت اور حکم کے بھی اُن کی ٹانگیں نہیں توڑی گئیں تو یہ امر خلاف قیاس ہے کہ کسی ایک سپاہی نے ایسی جرأت کی ہو کہ برچھی سے اُن کو چھید دیا ہو +

عیسائیوں نے یہ بات کہی ہے کہ وہ برچھی حوالی قلب میں جا لگی اور وہاں سے رقیق سفید رنگ کا مادہ نکلا مگر حوالی قلب کے زخمی ہونے پر اس کا مادہ اندر ہی کی طرف کو نکلتا اور سفل کی جانب بہ جاتا نہ کہ فوارہ کی طرح باہر کو سیدھے سامنے کو پچکاری کی مانند جوش مارتا نکلتا اور تعجب کہ بہنے میں پانی اور خون الگ الگ رہے +

(۱۱) رومیوں کے دستور کے موافق ضرور تھا کہ مصلوب کی لاش پر صلیب لٹکتی رہے اور چڑیوں کا شکار ہو جائے۔ یہی دستور اہل مصر کا بھی تھا دیکھو قرآن سورہ یوسف واما الاخر فیصلب فتاکل الطیر من راسه (۱۲ ج ۵ ع) رومیوں کے اس دستور کی سند ہوریس لاطینی شاعر کے خطوط (جو حضرت عیسیٰ سے قبل پہلی صدی میں تھا) جووینل (پہلی صدی ع) لوکن رومی شاعر پہلی صدی ع) پلاطوس شاعر (دو صدی قبل ع) پلینی (پہلی صدی) پلوطارس فیلوف (پہلی اور دوسری صدی) پیٹرونیرس (پہلی صدی) کے کلام سے ثابت ہے برخلاف اسکے حضرت عیسےٰ اُسی روز صلیب پر صرف ڈھائی تین گھنٹے رہنے پر یوسف کے حوالہ کر دیئے گئے +

(۱۲) دفن کرنے والوں نے بھی بڑی عجلت کی اور کامل طور سے اُنہیں دفن نہیں کیا اُنہوں نے ایک لحد میں حضرت عیسےٰ کو رکھکے دروازوں پر ایک چٹان یا پتھر کی سل رکھدی تھی تاکہ پرسوں کو عطریات لاکر قبر میں رکھینگے اور کل سبت کو تو کچھ ہو نہیں سکیگا +

اور وہ عورتیں بھی جو صلیب کے وقت دور کھڑی دیکھتی تھیں اُس وقت پاس سے حضرت عیسیٰ کی

لاش کا موقع خوب دیکھ گئیں (لوقا $\frac{۲۳}{۵۵}$) اور اب سب لوگ چلے گئے نہ وہ دشمن خونخوار یہودی رہے
اور نہ وہ رومیوں کا گارد رہا۔ کیونکہ یہ تو ہفتہ کے دن یہود کو سوجھی کہ مبادا اُن کی لاش کو اُنکے
شاگرد چرا لیجاویں تب اُنہوں نے پلاطس سے ایک گارد مانگا کہ وہ پہرہ بٹھاوے اُس نے کہا کہ تمہارے
پاس سپاہی ہیں اُن کو بھیجو۔ اب وہ دوسرے روز وہ احمق پہرہ بٹھانے گئے (متی $\frac{۲۷}{۶۲}$ و $\frac{۲۷}{۶۶}$) ✤

(۱۳) اتوار کو صبح کے وقت وہی عورتیں قبر پر آئیں اور پتھر کو ہٹا ہوا دیکھا اور حضرت عیسیٰ کو
وہاں نہ پایا اور اُس وقت ایک یا دو شخص جو حاکم کے فرستادے یعنی فوج کے پیادے تھے (انجیل
کے ترجموں میں اُن کو فرشتہ بنا دیا ہے) اُنہوں نے کہا کہ تم زندے کو مُردوں میں ڈھونڈھتے ہو
آپ یہاں پر بہت سی مختلف روایتیں ہیں جو متی باب ۲۸ مرکس باب ۱۶ لوق باب ۲۴ یوحنا
باب ۲۰ میں لکھی ہوئی ہیں۔ ان عورتوں نے پطرس اور یوحنا اور حواریوں کو خبر کی اور مشہور
ہوگیا کہ وہ جی اُٹھے ✤

(۱۴) واقعہ صلیب کے بعد تین دفعہ حضرت عیسیٰ زندہ مگر مجروح اپنے حواریوں کو نظر آئے جن کی
تفصیل یوحنا کی انجیل کے بیسویں اور اکیسویں باب میں ہے مگر مجدلینی کو حضرت عیسیٰ کا نظر آنا غلط
ہے اس عورت کے قول کا کچھ اعتبار نہیں وہ شدت سے ضعیف العقل تھی اس کو سات جن لپٹے ہوئے
تھے (لوق $\frac{۸}{۲}$) یونانی زبان میں اس محاورہ سے مراد یہ ہے کہ مجنون تھی اور خود اُس کو شبہ تھا بلکہ
اُس نے اس شخص کو باغ کا چوکیدار سمجھا اور درحقیقت ایسا ہی تھا مگر اس کے ذہن میں اور خیال
میں حضرت عیسےٰ بسے ہوئے تھے اُس نے بعد میں یقین کر لیا کہ وہ حضرت عیسیٰ ہی تھے ✤

(۱۵) اسی زمانہ میں حضرت عیسیٰ کی موت کی نسبت بہت سے شبہے پیدا ہو گئے تھے۔
پلاطس نے جب اس سے دفن کی اجازت لی گئی تو تعجب کیا اور اپنے صوبہ دار سے جو صلیب کے
اہتمام میں تھا پوچھا کہ کیا وہ مر گئے (مرق $\frac{۱۵}{۴۴}$ و $\frac{۱۵}{۴۵}$) ✤
اور بعد میں عیسائیوں کو خود یہ بات کھٹکتی تھی کہ ایسی جلدی مرجانا بالکل خلاف عادت
تھا صلیب پر آدمی چار چار روز تک نہیں مرتے اس لئے اُنہوں نے حضرت عیسےٰ کے
جلدی مرجانے کو بھی ایک معجزہ قرار دیا اور جی اُٹھنے کو بھی ایک معجزہ قرار دیا!!!۔ اُوریجوس نے
(جو تیسری صدی عیسوی کے مشایخ میں تھے) تفسیر انجیل متی میں ایسی دفعی موت کو ایک معجزہ قرار
دیا ہے۔ کئی مثالیں اس قسم کی معلوم ہوئی ہیں کہ اشخاص مصلوب کو موقع سے اُتار کے مجرب
دواؤں سے معالجہ کیا اور وہ زندہ رہے ✤

چنانچہ ہیروڈوطس مورخ رومی اپنی تاریخ کی کتاب، باب ۴ ۱۹۴ میں لکھتا ہے کہ سنڈوکیس جج کہ
صوبہ ایولیس کے شہر کیمی میں حاکم تھا جبکہ وہ بادشاہی قاضیوں میں سے ایک قاضی تھا تو اُس کو

دارا بادشاہ نے رشوت ستانی کے جرم میں مصلوب کر دیا تھا مگر درانحالیکہ وہ صلیب پر لٹکا ہوا تھا دارا کو خیال آیا سند وکیس کی عمدہ خدمتیں بہ نسبت اس امر کے جرم کے زیادہ ہیں اور کہا کہ میں نے جلدی میں حکم دیدیا اور اسی وقت حکم دیا کہ اس کو صلیب پر سے اُتار کے رہا کرو۔ پس سند وکیس اس طرح دارا کے ہاتھ سے موت سے بچ رہا۔ اور یوسیفس یہودی مؤرخ نے جو پہلی صدی عیسوی میں تھا اپنی سوانح عمری کی دفعہ ۷۵ میں لکھا ہے کہ مجھے بادشاہ طیطوس قیصر نے ہزار سوار دے کر قریا لیوس کے ساتھ موضع ثقوآ کے دیکھنے کو بھیجا کہ وہ جگہ فوج کے قیام کے لئے مناسب ہے یا نہیں جب میں وہاں سے پلٹ کے آیا تو دیکھا کہ بہت سے قیدی مصلوب ہو گئے ہیں ان میں سے تین آدمی میرے پہلے ملاقاتی نکلے اس بات سے میں بہت رنجیدہ ہوا اور آبدیدہ ہو کر بادشاہ کے پاس جا کے عرض معروض کی بادشاہ نے فوراً حکم دیا کہ وہ مصلوب اُتار لئے جاویں اور ان کا معالجہ کیا جاوے تاکہ وہ جی بچیں۔ اُن میں سے دو آدمی طبیبوں کے زیر معالجہ مر گئے مگر تیسرا شخص بچ رہا ✦

بڑے سے بڑا قرینہ اُن کی یقینی موت کا یہی ہو سکتا ہے کہ یہود جو شدت سے دشمن تھے اور یہ سب کچھ اُنہوں نے کیا وہ کیونکر بغیر قطعی اور یقینی قتل کئے باز آئے ہونگے یا اُنہوں نے کوئی دقیقہ اُٹھا رکھا ہوگا مگر معلوم ہے کہ یہود کو اُس دن بہت تردد تھا وہ دن اُنکے یہاں روز عید فصح تھا اور اس کے تھوڑی دیر بعد سبت شروع ہونے کو تھا اور اُن کو خود اُس دن کسی فعل کے مباشر ہونیکی ممانعت تھی وہ تو شاید صلیب گاہ پر بھی حاضر نہ تھے کیونکہ وہ اس مذہبی ممانعت سے کہ عید فصح کے دن کوئی کام نہ کرنا چاہئے (کتاب خروج $\frac{12}{16}$ لیویان $\frac{23}{7}$ و $\frac{23}{8}$) وہ لوگ پلاطس کے ایوان عدالت میں بھی داخل نہیں ہوئے تھے اور عید کے باعث سے قربانیوں اور فطیری روٹیوں کی فکر میں تھے ✦

پس وہ تو ان شغلوں اور مذہبی اندیشوں اور شرعی مانعوں کی وجہ سے اسمیں کچھ اہتمام کر سکے ✦

(۱۶) کئی ایک قدیم فرقے عیسائی مذہب کے اس بات کے معتقد تھے کہ حضرت عیسیٰ قتل نہیں ہوئے یا سالیدیان اور سرنِ تھیان اور کورپوکری تیان وغیرہ عیسائی قدیم فرقے کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ کی جگہ شمعون قرینی صلیب دیا گیا اور فرطیس نے (بطریق قسطنطنیہ نویں صدی) لکھا ہے کہ کتاب سیو الحواریین جس میں بطرس یوحنا اندریو طامس اور پولوس کے حالات لکھے ہیں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ مصلوب نہیں ہوئے بلکہ ان کی جگہ کوئی اَور مصلوب ہوا۔ اور برناباس کی انجیل میں لکھا ہے کہ یہودا اسخریوطی اُن کی جگہ مصلوب ہوا اور یہود کو یہ دعویٰ تھا کہ ہم نے یقیناً سنگسار کر کے مصلوب کر دیا۔ مگر ان سب کے خیالات درست نہیں تھے اور قرآن نے ان کی تکذیب کی ہو چنانچہ فرمایا ہے ان الذین اختلفوا فیه لفی شك منه مالهم به من علم الا اتباع الظن ✦

(۱۷) پس جبکہ ایک طرف حضرت عیسیٰ کی موت ثابت نہیں ہوئی اور دوسری طرف اُن کی لاش کا قبر سے بہت جلد غائب ہو جانا ثابت ہے تو اب کوئی اور احتمال نہیں ہو سکتا مگر یہی کہ وہ قبر میں زندہ رکھے گئے اور زندہ چلے گئے۔ ظن غالب ہے کہ اسی یوسف اور نقیدیموس نے اسباب میں کوشش کی ہوگی۔ کیونکہ ان لوگوں کو یہ بات خوب ظاہر تھی کہ حضرت عیسیٰ پر موت طاری نہیں ہوئی کیونکہ ایسی موت بالکل خلاف عادت تھی اُنہوں نے اپنی رسم کے موافق حضرت عیسیٰ کو نہلایا بھی نہ تھا حالانکہ رومیوں یہودیوں اور مصریوں میں مردے کو نہلانے کی عام رسم تھی اور وہ جانتے تھے کہ وہ فوت نہیں ہوئے اور یہ کہ اُن کو نکال لانے میں ایک معصوم نبی اور اولوالعزم رسول کی جان بچانی ہے اور وہ دونوں اس میں کامیاب ہوئے۔ وَعَلَی اللّٰہِ اَجْرُہُمْ +

(۱۸) قرآن میں حضرت عیسےٰ کے مصلوب ہونیکے باب میں جو مضمون ہے اس کو ہمیشہ عیسائیوں نے یہ سمجھا کہ وہ اُنہیں فرقوں سے لیا گیا ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کی جگہ کوئی دوسرا آدمی مصلوب ہوا اور وہ الزام لگاتے ہیں کہ قرآن حقایق واقعی یعنی تاریخی واقعات کے خلاف ہے مگر یہ اعتراض بیجا ہے۔ قرآن خود بتلاتا ہے کہ لوگ اس باب میں مختلف ہیں یعنی کوئی کہتا ہے کہ حضرت عیسےٰ یقیناً صلیب پر مرے اور کوئی کہتا ہے کہ اُن کی جگہ دوسرا آدمی مارا گیا پھر کوئی کہتا ہے کہ وہ شخص یوسف تھا اور کوئی کہتا ہے کہ یہودا تھا ان سب کی نسبت قرآن کہتا ہے ۔

ان الذین اختلفوا فیہ مالہم بہ من علم الا اتباع الظن +

پس قرآن نے تاریخی واقعات کو بھی ثابت رکھا اور سچی حقیقت بھی بیان کر دی +

(۱۹) اب ہم ان مقدمات کے بعد قرآن کی اس آیت کی تفسیر لکھتے ہیں :-

وقولہم انا قتلنا المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ وما قتلوہ وما صلبوہ +

دو طرح سے آدمیوں کو مار ڈالنے کا دستور تھا ایک صلیب پر لٹکا رہنے دینے سے یہ سزا سنگین جرائم کے مرتکبوں اور غلاموں کو دی جاتی تھی جو تین چار روز صلیب پر لٹکے ہوئے بھوک پیاس کی شدت اور زخموں کے درد اور دھوپ کی تابش اور دوران خون کی سوء مزاجی سے مر جاتے تھے اور دوسری قسم وفقتاً جان سے مار ڈالنے کی تھی اور وہ دو طرح سے تھی (۱) سنگسار کرنا اور (۲) تلوار سے قتل کرنا۔ اسلئے قرآن مجید میں دونوں قسموں کی موت سے انکار ہوا ہے کہ نہ تو حضرت عیسےٰ کو پتھراؤ کر کے یا تلوار سے مارا اور نہ صلیب پر چڑھا کے مارا۔ یہ بات یاد رہنی چاہئے کہ یہود کا ایسا بیان ہے کہ پہلے حضرت عیسےٰ سنگسار کئے گئے چنانچہ یہود کی کتاب مشنا اور تالمود یروشلم اور تالمود بابل قدیم کے بیان میں ایسا ہی لکھا ہے (دیکھو ارنبسط رنیان کا تذکرہ مسیح باب ۲۵ ص ۲۸۴) اور عیسائیوں کا بیان ہے کہ وہ صلیب پر مارے گئے اس لئے قرآن میں ان دونوں باتوں پر اشارہ ہے۔ ما قتلوہ وما صلبوہ۔ یعنی نہ قتل بذریعہ سنگساری ہوا اور نہ

قتل بذریعہ صلیب ہؤا۔ نہ یہ کہ وہ مطلق صلیب پر چڑھائے ہی نہیں گئے۔ کیونکہ مطلق صلیب کی نفی کچھ مفید نہیں ہے کیونکہ صلیب پر ہاتھوں میں میخ ٹھوکنے اور پیر باندھ دینا اور پھر تین گھنٹے بعد اُتار لینا مار ڈالنے کو کافی نہیں ہے بلکہ تصلیب کی نفی سے صلیبی مَوت کی نفی مراد ہے +

(۲۰) ولکن شبہ لہم۔ مگر صورت بنا دی گئی اُن کے لئے یعنی موت کی صورت بنا دی گئی اس طور کہ حضرت عیسےٰ اُن لوگوں کو جو صلیب کا اہتمام کر رہے تھے مردہ نظر آئے کیونکہ وہ تمام شب کے جاگنے اور صدمات کی برداشت اور میخوں کی اذیت سے غشی یا بیہوشی میں آ گئے تھے اس سے اُنہوں نے سمجھا کہ یہ مر گئے مگر چونکہ اس وقت موسم اچھا تھا یعنی ابر چھا رہا تھا۔ (متی ۲۷/۴۵ مارق ۱۵/۳۳ لوق ۲۳/۴۴) دھوپ کی تکلیف نہ تھی اور پھر وہ جلدی ہی اُتار لئے گئے تھے اس وجہ سے زیادہ صدمہ نہیں پہنچا +

(۲۱) حشویہ اور عامہ مفسّرین نے اس جملہ کی تفسیر میں یہ معنی لگائے ہیں کہ حضرت عیسےٰ کی صورت ایک اور شخص پر القا کی گئی یہ محض ایک سفسطہ ہے ورنہ ہم اپنے مخاطبوں یا مخالفوں کو ایسا ہی سمجھ سکتے ہیں کہ جب ہم اُن میں ایک شخص مخصوص کو دیکھیں اور وہ دراصل وہ نہ ہو بلکہ کسی اَور کی صورت اُس پر القا ہوئی ہو۔ اور اس سے تو معاملات پر سے اعتبار جاتا رہتا ہے اور نکاح و طلاق و ملک پر وثوق نہیں رہتا۔ اگر ہم شبہ کو مسیح کی طرف مسند کرتے ہیں جیساکہ عامہ مفسرین کرتے ہیں تو یہ غلط ہے کیونکہ وہ مشبہ بہ ہیں نہ کہ مشبہ اور اگر اس خیالی اور غیر واقعی شخص کی طرف جو مقتول ہؤا بتلاتے ہیں مسند کرتے ہیں تو اس کا کچھ ذکر قرآن میں نہیں ہے +

(۲۲) وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ ما لہم بہ من علم الا اتباع الظن +

اور جو لوگ اس میں یعنی اُن کی صلیبی موت کی نسبت کئی باتیں نکالتے ہیں وہ اِس جگہ شبہ میں پڑتے ہیں اور کچھ نہیں اُن کو اُس کی خبر مگر اٹکل پر چلنا +

ہم نے دفعہ ۱۴ میں بیان کیا ہے کہ یہ اختلاف کیا تھا۔ یعنی ایک تو یہود کا قول کہ ہم نے قتل کیا دوسرے عام عیسائیوں کا عقیدہ کہ وہ قتل ہوئے تیسرے فرقہ باسالیدیان اور سرن تھیان کا قول کہ اُن کی جگہ یوسف شمعون قتل ہوئے چوتھے فرقہ کا قول کہ اُن کی جگہ یہودا اسخریوطی قتل ہؤا ان سب کو قرآن نے فرمایا ہے کہ اٹکل پر چلتے ہیں اس میں سے کسی بات کا اُن کو قطعی علم نہیں ہے چنانچہ حضرت مسیح کا صلیب پر نہ مرنا تو ہم نے مقدّمات ۷، ۸ و ۹ میں ثابت کیا ہے اور کسی اَور کا اُن کی جگہ مصلوب ہو جانا ایک بے ثبوت بات ہے اور قراین اسکے خلاف ہیں۔ کیونکہ شمعون قرینی بعد میں عرصہ تک زندہ رہا اور عیسائیوں کی جماعت میں شامل اور شریک رہا۔ اور یہودا اسخریوطی کا حال بھی معلوم ہے کہ وہ بعد میں مر گیا +

(۲۳) وما قتلوہ یقیناً - اور اس کو اچھی طرح سے قتل نہیں کیا یعنی جیسا قتل کرنیکا حق تھا ویسا قتل نہیں کیا یا یقیناً قتل نہیں کیا اور کیونکر وہ یقیناً قتل ہو سکتے تھے حالانکہ وہ صرف تخمیناً تین گھنٹے صلیب پر رہے اور وہ موت کے لئے کافی نہیں ہے +

(۲۴) بل رفعہ اللہ الیہ - بلکہ خدا نے اُن کو اپنی طرف اُٹھا لیا۔ خدا کی طرف جانا یا اُٹھا لیا جانا ایسا ہی ہے جیسے حضرت ابراہیم نے فرمایا انی ذاھب الی ربی (صافات ۹۷) اور مہاجروں کی نسبت کہا ومن یخرج من بیتہ مھاجراً الی اللہ (نسا ۱۰۱) +

یہ بات تعظیم و تشریف و تفخیم کے طور پر کہی جاتی ہے نہ یہ کہ وہ درحقیقت آسمان کی طرف کو بادلوں میں اُڑتے ہوئے نظر آئے اور کسی آسمان پر جا بیٹھے ان باتوں کی ہمارے ہاں کچھ اصل نہیں ہے[۵۷] بعد میں حضرت عیسےٰ یقیناً مر گئے جس کی خبر قرآن مجید میں دوسری جگہ دی گئی ہے اذ قال اللہ یا عیسیٰ انی متوفیک ورافعک الی (آل عمران ۴۸) جس کی تفسیر میں مفسرین نے بہت کچھ پس و پیش کیا ہے بلکہ اُس کو بالکل اُلٹ دیا ہے وہ یوں پڑھتے ہیں - رافعک الی ومتوفیک - مگر اصلی قرآن کی تو یہ عبارت نہیں ہے اگر مفسرین نے کوئی قرآن بنایا ہو تو اُس میں ہو گی - پھر دوسری جگہ اور بھی صاف ہے - فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم (مائدہ ۱۱۷) کہ حضرت عیسیٰ جناب باری سے عرض کرینگے کہ جب تو نے مجھے وفات دی تب تو ان پر نگہبان رہا ان دونوں آیتوں میں وفات کا ذکر ہے اور یہ موت کی دلیل ہے اللہ یتوفی الانفس حین موتہا (زمر ۴۲) پس اُن کی وفات کی خبر بہت صاف ہے مگر یہ بات کہ وہ کب مرے اور کہاں مرے معلوم نہیں جیسے کہ حضرت مریم کا حال پھر کچھ نہ معلوم ہوا حالانکہ حضرت عیسےٰ نے اُن کو یوحنا حواری کے سپرد کیا تھا اور یوحنا حواری صاحب تصنیفات بھی تھے پھر بھی کچھ حال اُن کا نہیں لکھا اور حضرت مسیح تو دشمنوں سے پوشیدہ دور کے دیہات میں چلے گئے تھے +

واقعہ صلیب کے متعلق عام عیسائیوں کی اور جو کچھ دلیلیں ہیں وہ پھر کبھی بحث میں آوینگی +

---

[۵۷] صحیح بخاری کی ایک روایت جو کتاب بدء الخلق باب ذکر الملائکہ میں ہے اس میں بضمن قصہ معراج یہ مضمون ہے کہ حضرت عیسیٰ و یحییٰ دوسرے آسمان پر ملے - مگر یہ روایت تو بہت ہی مشتبہ ہے - ہدبہ راوی کی نسائی صاحب نے تضعیف کی ہے اور ہمام راوی کو کبھی کبھی حدیث بیان کرنے میں وہم ہو جاتا تھا اور خلیفہ راوی کبھی کبھی روایت حدیث میں خطا کرتا تھا اور سعید راوی شدت سے تدلیس کیا کرتا تھا اس کی عقل مختلط ہو گئی تھی اور ہشام راوی بھی کبھی کبھی تدلیس کرتا تھا اور انس راوی نے مالک بن صعصعہ سے جو قصہ معراج روایت کیا ہے اس میں عنعنہ ہے اور مالک قدیم زمانہ میں مر گئے (شاید انس سے ملاقات ہونے سے پہلے) اور نیز مالک نے ارسال کے طور پر وہ روایت بیان کی ہے +

ان راویوں کا حال کتب رجال میں ملیگا خصوصاً علامہ ابن حجر عسقلانی کی کتاب تقریب التہذیب مطبوعہ دہلی ۱۲۷۱ھ میں یہ باتیں ملینگی +